مقدمہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ

سیرت نگار شخصیات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان Mob: 0322-6180738

www.ahlehaq.org

حصہ سوم

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

باب

حلیہ مبارک لباس اور دیگر متعلقات

جمال و حسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن
کوئی لغزش نہ ہو جائے الٰہی اس سے ڈرتا ہوں
بھروسہ پہ ترے اس کام کا آغاز کرتا ہوں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کو کما حقہ تعبیر کر دینا ناممکن ہے۔ نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آپ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ انسان حضور کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ بہرحال حضرات صحابہ کرام کا امت پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے آپ کے علوم ومعارف کے ساتھ ظاہری حسن و جمال کو بھی ضبط و محفوظ فرما کر امت تک پہنچایا خداوند قدوس ان مقدس ہستیوں کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ:۔ اس باب کی تفصیلات حضرت مفتی محمد سلیمان قاسمی خوشحال پوری کی کتاب خصائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی ہیں۔

قدِ مُبارک

آپ میانہ قامت تھے

حضرت علیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراز قد تھے نہ پست قد۔ بلکہ میانہ قد لوگوں میں سے تھے۔ (لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے) بخاری ۱۔۵۰۲

زادالمعاد ص۵۴ میں ہے کہ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گزرے تھے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچا تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کے بارے میں فرماتی ہیں کہ درمیانہ قد نہ ناٹا کہ نہ جچے نہ لمبا کہ ناگوار لگے گویا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور پر رونق ہو۔

ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر کے صاحبزادے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے میں تمام صحابہ میں ماہر تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد میانہ پن کے ساتھ کسی قدر لمبائی کی طرف مائل تھا۔ (شمائل ترمذی ص۹)

مگر سب سے بلند

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے یہ آپ کا معجزہ تھا۔ یعنی جیسے معنوی کمالات میں آپ سے کوئی بلند مرتبہ نہیں اسی طرح صورت ظاہری میں بھی بلند محسوس نہ ہو۔

نہ پست قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے　　میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے

مگر مجمع میں ہوتے تھے جب بھی حضرت والا　　نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سرو قد بالا

رنگِ مبارک

آپ ازہر اللون تھے

حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رنگ گورا گلابی تھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازہر اللون تھے۔ یعنی سرخی مائل سفیدی (رنگ والے تھے) (بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

حضرت ابوہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر حسین اور صاف شفاف تھے گویا چاندی سے آپ کا بدن مبارک ڈھالا ہوا تھا (شمائل ترمذی)

مدارج النبوۃ میں ہے حضرت ابوہریرہؓ ہی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے (صفائی و چمک کی وجہ سے) جب آپ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (اسوۂ رسول ص ۲۸)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت چمکدار سرخی مائل سفیدی والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کو بیان کرتے ہوئے ام معبد فرماتی ہیں۔ چمکتا رنگ دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ چمکدار و پرجمال قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ خوبصورت۔

درخشاں جس طرح تھے مصطفیٰ نورانی پیکر　　وہ آئے نور مجسم بدر کامل سے بھی روشن تر

جمیل و دلکش ایسے دور سے جیسے مہر تابندہ　　جو دیکھا نزدیک تو خوش منظر و شیریں و زیبندہ

نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھا چٹے بھبھوکے سے | سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے
کبھی جب مسکرا دیتے تو بجلی کوند جاتی تھی | در و دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی

جسامتِ مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ جسامت والے تھے

ام معبد خزاعیہ فرماتی ہیں خوب صورت ساخت نہ توندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی۔ جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر۔

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف بیان فرماتے تو کہتے کہ آپ موٹے بدن والے نہ تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابو طفیل عامر بن واصلہ فرماتے ہیں کہ آپ درمیانہ جسم والے تھے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ کا بدن مبارک گٹھا ہوا تھا۔ (شمائل ترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ نہ آپ اتنے موٹے تھے کہ دیکھنے میں ناگوار معلوم ہوں اور نہ ہی اتنے پتلے تھے کہ بھدے محسوس ہوں بلکہ درمیانہ جسم نیز گٹھا ہوا بدن جو قوت و شجاعت کی دلیل ہے۔

وہ بستان لطافت کا نہال آسماں پایہ | وہ قدرت کے خزانے کا در یکتا گرانمایہ
تعلی کا صنوبر کے گلے میں طوق پھنس جائے | اگر دیکھے زمیں میں شرم سے شمشاد دھنس جائے

سرِ مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ اور لوگوں کے مقابلہ میں قدرے بڑا تھا۔ (شمائل ترمذی)

یعنی اتنا بڑا تو نہ تھا کہ دیکھنے میں ناگوار لگے بلکہ معمولی سا اوروں سے بڑا تھا جو ہوشمندی اور دانائی کی علامت ہے۔ اس مضمون کی ترجمانی کرتے ہوئے مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

سر اقدس جو نور عقل کامل سے منور تھا | کلاں بالاعتدال آقائے عالی جاہ کا سر تھا

چہرہ مُبارک

چودھویں کا چاند

حضرت ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پرنور دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم المرتبت اور رعب والا تھا اور آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کان فی وجھہ تدویر ما آپ کا چہرہ مبارک قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔ (شمائل ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ چہرہ مبارک نہ بالکل لانبا تھا نہ بالکل گول بلکہ درمیانی حالت پر تھا چنانچہ حضرت براءؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کا چہرہ تلوار کی طرح شفاف تھا انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور گولائی لئے ہوئے تھا۔ (بخاری [illegible])

چونکہ تلوار کے ساتھ مشابہت بتلانے میں زیادہ لمبا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تلوار کی چمک میں سفیدی غالب ہوتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براءؓ نے بدر سے تشبیہ دی کہ اس میں چمک اور نورانیت اور گولائی سب موجود ہوتی ہے۔

تنبیہ

باقی یہ سب تشبیہات سمجھانے کے لئے اور قریب الی الفہم کرنے کے لئے ہیں ورنہ ایک چاند تو درکنار میرے آقا جیسا نور ہزار چاندوں میں بھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت عائشہؓ کے اشعار

حضرت عائشہؓ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی ہیں ان کے دو شعر ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔ یعنی حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھوں ہی کو کاٹا تھا مگر آپ کو دیکھ لیتیں تو دل ہی کاٹ لیتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور کتنا پرکشش تھا اس مضمون

کی ترجمانی کرتے ہوئے مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرہ انور
مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کمتر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہو جاتا
مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہو جاتا
وجاہت اور شوکت بھی جمال دلبرانہ بھی
جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
وہ روئے پاک جیسے تیرتا ہو آفتاب اس میں
جمال حق کا مظہر آئینہ ام الکتاب اس میں
نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی
یہاں سرخی تھی گل گوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی
زنان مصر کی واں رو گئی تھیں انگلیاں کٹ کر
یہاں قربان کر ڈالے ہیں مردان عرب نے سر

مُونہہ مُبارک

حضرت جابر بن سمرۃؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا دہن مبارک کشادہ یعنی کھلا ہوا تھا۔ تنگ منہ نہیں تھا اور اہل عرب تنگ منہ کو برا سمجھتے ہیں۔ کشادہ اور فراخ دہنی کو ممدوح سمجھتے ہیں۔ (مسلم شریف ص ۲۵۸ ج ۲ مع شرح علامہ نووی)
اور فراخ دہنی فصیح ہونے کی علامت بھی ہے اس لئے سرکار کا منہ مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔

دَندان مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ حلیہ مبارک کے ماہر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفلج الاسنان تھے۔ آپ کے دندان مبارک باریک تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فاصلہ بھی تھا۔ سفیدی کے بارے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ تبسم فرماتے وقت آپ کے دندان مبارک اولے کی طرح سفید چمکدار ظاہر ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت الگ الگ تھے۔ یعنی ان میں ریخیں تھیں۔ گنجان نہیں تھے۔ جب سرکار تکلم فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسی

چمک نکلتی محسوس ہوتی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۸ ج ۲، شمائل ترمذی)

خصائل نبوی میں علامہ مناوی کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ کے سرکار کے دندان مبارک کے درمیان سے ظاہر ہوتی تھی۔

فراخی تھی دہن میں اور دندان کشادہ تھے · جما ہوا حسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ موتی کوئی سانچہ تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا · بہت گفتگو ریزوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

پیشانی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک دو صفتوں کے ساتھ متصف تھی۔ ایک تو یہ کہ ابرو آگے کو ابھری ہوئی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ پست پیشانی والے تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واسع الجبین تھے۔ یعنی آپ کی پیشانی مبارک اور لوگوں کے مقابلے میں قدرے کشادہ تھی۔ جو ہوشمندی کی علامت ہے۔ (خصائل نبوی)

کشادہ اور نورانی مبارک پاک پیشانی · کہ جس سے عبارت حسن و قمر نے لی ہے تابانی

ناک مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کی ناک مبارک (چپٹی پھیلی ہوئی نہ تھی) بلکہ بلندی مائل تھی۔ (اوپر کو اٹھی ہوئی تھی) اور اس پر ایک چمک اور نور تھا۔ شروع میں دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا خیال کرتا تھا۔ مگر بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے۔ (ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہ تھی) (شمائل ترمذی)

چپٹی اور پست ناک چہرہ کے حسن میں کمی کر دیتی ہے اور جو زیادہ پھیلی ہوئی نہ ہو نیز اوپر کو اٹھی ہوئی ہو تو چہرہ کے جمال کو دوبالا کر دیتی ہے۔

وہ بینی مبارک جس پر نور اک جگمگاتا تھا · کہ جو ظاہر میں بینی کی بلندی کو بڑھاتا تھا

آنکھیں مبارک

آپ کی آنکھیں سرگیں تھیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں طبعی طور پر سے سرگیں تھیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی زیارت کرتا تو دل میں یہ سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس وقت سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ادعج العینین تھے یعنی آپ کی آنکھوں کی پتلیاں خوب کالی اور سیاہ تھیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفید و سیاہ سرگیں آنکھیں تھیں۔

یعنی پتلیاں سیاہ اس کے علاوہ کا حصہ سفیدی لئے ہوئے تھا لیکن اس سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔

آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی آنکھیں سرخی مائل تھی۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشکل العین تھے۔ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کی جو سفیدی تھی اس میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی نے اشکل کے معنی لمبی لمبی آنکھوں کے کئے ہیں مگر اہل لغت کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں اگر یہ معنی لے بھی لئے جائیں تو کوئی خرابی نہیں۔ آنکھوں کا قدرے دراز ہونا اور پھر سفیدی میں سرخ رنگ کا ملا ہوا ہونا نیز پھر پتلیوں کا نہایت سیاہ ہونا آنکھوں کی خوبصورتی کا نمونہ ہے اور اس پر پھر آپ کا نگاہ کسی کے سامنے نہ جمانا اکثر گوشہ چشم سے دیکھتے تھے۔ جیسا کہ حیاء کے بیان میں آگے آ جائے گا۔

خمار آلودہ آنکھوں پہ ہزاروں میکدے قرباں
وہ قاتل سب پیتے ہیں رات دن مخمور رہتا ہے
چمکدار اور سیہ پتلی بڑی آنکھیں حسین آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرمگیں آنکھیں
ذرا آنکھوں میں سرخی ارغوانی رنگ ہلکا سا
بہشتی ساغروں پہ کوثر گل رنگ چھلکا سا
سفیدی میں تھے ڈورے سرخ جن پہ ہوں فدا جانیں
گھنیری لمبی لمبی اور کالی کالی مژگانیں

پلکیں مبارک

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اھدب الاشفار (یعنی لمبی لمبی پلکوں والے تھے)۔ (شمائل ترمذی)

نیز پلکیں لمبی ہونے کے ساتھ گھنی گنجان بھی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کی آنکھیں دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے سرمہ لگائے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت بیان ہو چکی۔

نیز حضرت ام معبد خزاعیہؓ حلیہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ کی لمبی اور سیاہ سرمگیں پلکیں تھیں۔

رُخسار مُبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ حلیہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک گداز اور ہلکے گوشت لگے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل)

حضرت ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک نہ بہت زیادہ گوشت والے تھے اور نہ ہی آپ کی ٹھوڑی چھوٹی تھی۔ (بلکہ اعتدال کے ساتھ رخسار و

ٹھوڑی برابر تھی) الغرض چہرہ مبارک میں کسی طرح کا نقص نہ تھا کہ دیکھنے میں بدنما معلوم ہو۔
اس مضمون کے تحت مضطر صاحب فرماتے ہیں۔

تھے رخسار مبارک آپ کے ہموار اور ہلکے
وہ گویا تھے کھلے اوراق قرآن مکمل کے

داڑھی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی اور گنجان تھی۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ اتنی گھری اور گنجان تھی کہ سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی۔ (اسوہ رسول بحوالہ شمائل ترمذی)

اسی طرح کتاب الشفاء للقاضی عیاض میں بھی ہے کہ آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ سینہ مبارک کو بھر دیتے تھے۔ (اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کث اللحیۃ تھے۔ یعنی آپ کی داڑھی بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ (شمائل ترمذی)

آپ داڑھی مبارک کو بالکل نہیں کترواتے تھے۔ البتہ گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے ان کو کتروا دیتے تاکہ صورت بدنما معلوم نہ ہو۔ (سیرت المصطفیٰ ص ۳۳ ج ۲)

فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مونچھیں کترواتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں مجوس مونچھیں بڑھاتے اور داڑھی کٹاتے تھے۔ حالانکہ یہ فعل خلاف فطرت ہے اس لئے آپ نے ان کے خلاف کرنے کا حکم دیا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔ اور داڑھی کا رکھنا صرف سنت محمدیہ اور طریقہ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث میں من سنن المرسلین کے الفاظ ہیں یعنی تمام انبیاء مرسلین کی سنت ہے۔

نیز داڑھی شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے داڑھی کٹانا علی الاعلان شعائر اسلام کی

بے حرمتی اور گناہ کبیرہ ہے۔ حتیٰ کہ داڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ اس لئے کہ یہ صرف داڑھی کا ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اور تمام امت کے علماء کا مذاق ہے۔ خدا مسلمانوں کو ہدایت عطاء فرمائے اکثر لوگ اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ ائمہ حضرات کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم نہ ہونی چاہیے۔ اس مضمون کے تحت منظر صاحب فرماتے ہیں۔

گھنی ریش مبارک تھی کہ بھر دیتی تھی سینے کو
نظارے کو میسر ہو نظر نے ہاں تھا جینے کو

ابرو مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابرو کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ اور دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ درمیان میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ اور ان دونوں ابرو کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی۔ یعنی موٹی ہوجاتی تھی۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی)

ابرو کا تلوار کی طرح خمدار اور باریک ہونا حسن میں زیادتی پیدا کرتا ہے۔

البتہ یہ خداداد چیز ہے۔ اگر پیدائشی ایسی حالت ہے تو الحمد للہ علی ذلک۔ ورنہ بازاروں میں یا خود تراش کر اس طرح کرنا یہ تخلیق خداوندی میں تغیر ہے۔ جو شیطان کا فریب ہے۔ جس کا ذکر خود شیطان کی زبانی قرآن میں موجود ہے۔ ولآمرنہم فلیغیرن خلق اللہ۔ ترجمہ (شیطان کہتا ہے کہ اور میں ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی ترجمہ (شیخ الہند) خلاصۃ السیر ص ۱۹ پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے جدا جدا تھے۔

گھنے باریک ور خم دار تھے مثل کمان ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلال ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابروؤں کے درمیاں میں تھی
جو غصہ میں ابھر آتی تھی تیر اک دو کماں میں تھی

بَال مُبارک

نہ سیدھے نہ بالکل پیچدار

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچدار تھے (کہ بدنما معلوم ہوں اور نہ بالکل سیدھے بلکہ ہلکے سے پیچدار اور گھنگھریالہ پن لئے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی/ بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

اسی طرح ام معبد خزاعیہ کا بیان ہے کہ آپ کے بال چمکدار اور سیاہ تھے۔

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے تو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے۔ بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی)

تین طرح کے بال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بال رکھنے کی تھی۔ خصائل نبوی میں ہے کہ آپ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے۔ ورنہ اکثر بال رکھا کرتے تھے۔ البتہ بال ایک حالت پر رہنے والی چیز نہیں بلکہ کبھی زائد ہو جاتے ہیں اور کبھی کم رہتے ہیں۔ اسی طرح جان بوجھ کر بھی کم کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ کے بالوں کی لمبائی میں تین طرح کی روایات ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں تک آتے تھے۔ له شعر يبلغ شحمة اذنيه (بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

دوسری حالت حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آپ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے تھے اور آپ کے بال مبارک ایسے تھے جو کان کی لو تک ہوں ان سے زیادہ تھے اور جو پٹھے مونڈھوں تک ہوتے ہیں ان سے کم تھے۔ یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔ (شمائل ترمذی)

اور یہی حالت حضرت انسؓ سے (مسلم شریف ص ۲۵۸ ج ۲) پر منقول ہے۔

تیسری حالت حضرت براءؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ (له شعر یضرب منکبیه) پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ کے بال مبارک مونڈھوں کو چھو رہے تھے یعنی مونڈھوں تک آ رہے تھے۔ (شمائل ترمذی۔ علامہ ص ۹ ع ۸ ج ۲)

فائدہ

آپ سفید دھاریوں والا سرخ رنگ کا کرتہ زیب تن فرماتے تھے جو دور سے دیکھنے میں سرخ ہی محسوس ہوتا تھا اس لئے سرخ کہہ دیا ورنہ خالص تیز سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مرد کے لئے حنفیہ کے ہاں مکروہ ہے۔

یہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل و دیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جس کے پرتو سے

گردن مبارک

صاف شفاف وخوبصورت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک نہایت صاف شفاف تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ آپ کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

مورتی کی گردن سے تشبیہ دینے میں نکتہ یہ ہے کہ مورتی بنانے والا اس کے تراشنے میں اپنی پوری کاریگری کا ثبوت پیش کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تصویر بنانے والی ذات علی کل شیء قدیر اور فعال لما یرید ہے۔ یعنی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جو

چاہتا ہے کرڈالتا ہے۔ تب خوبصورتی میں کیا کمی رہی ہوگی۔ یہ تشبیہات صرف سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ مورتی کا آپ سے کیا مقابلہ

بلند و دلفریب و خوش نما تھی آپ کی گردن
بت سیمیں کی جیسے ہو تراشی یا ڈھلی گردن

کندھے مُبارک

زاد المعادص ۵۴ ج ۲ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ موٹی اور پرگوشت تھی (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے اوپر بال بھی تھے۔ اشعر المنکبین (شمائل ترمذی)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے مابین کچھ زیادہ فصل تھا۔ (بخاری ص ۵۰۲ ج ۱)

سِینہ مُبارک

حضرت براءؓ کی روایت سے جو بخاری کے حوالہ سے ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں کے درمیان دوری زیادہ تھی اس سے سینہ مبارک کا کشادہ ہونا بھی معلوم ہوگیا۔

اسی طرح ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عریض الصدر (یعنی چوڑے سینے والے تھے۔ اور آپ کے سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال بھی تھے۔ البتہ دونوں چھاتیاں بالوں سے خالی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

تھے چوڑے دونوں شانے فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ پاک اور کشادہ تھا

پیٹ مبارک

سینہ سے ہموار

ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواء البطن والصدر تھے یعنی بطن مبارک سینہ کے ہموار تھا۔ تو ند نکلی ہوئی نہ تھی (شمائل ترمذی)

نیز ام معبد خزاعیہ نے جو اپنے شوہر کو نقشہ بتلایا تھا وہ فرماتی ہیں کہ آپ میں تو ند لے پن کا عیب نہ تھا بلکہ آپ کا جسم مبارک چھل چھل تا اب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر تھا۔ یعنی ایسی کوئی کمی و نقص نہ تھا کہ بدنما معلوم ہو۔

بالوں کی لکیر

حضرت علیؓ اور ہند بن ابی ہالہؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبہ (حلق) سے لے کر ناف تک سینہ اور بطن کے درمیان بالوں کی ایک باریک لکیر تھی جس طرح چھڑی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بطن مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا۔ (شمائل ترمذی)

شکم اور سینہ ہموار ایک نمائش تھی جمالوں کی
تھی سینے سے لکیر ایک ناف تک باریک بالوں کی
تھے کچھ بال اوپری حصہ میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا مثل آبگینے کے

بازو مبارک

ہند بن ابی ہالہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشعر الذراعین تھے۔ یعنی دونوں بازوؤں پر بال تھے اور فرماتے تھے آپ طویل الزندین تھے۔ یعنی لمبی کلائیوں والے تھے۔ اسی طرح خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر ہے کہ آپ کی کلائیاں بڑی بڑی یعنی لمبی تھیں یہ مضبوطی و قوت کی علامت ہے۔

ہتھیلیاں مُبارک

ہند بن ابی ہالہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں فراخ یعنی کشادہ اور پر گوشت یعنی گداز تھیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو آپ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ (بخاری شریف ص ۵۰۳ ج ۱)

دستِ مُبارک کی اُنگلیاں

ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ اور لوگوں کے اعتبار سے قدرے طول کی طرف مائل تھیں۔ البتہ حد سے زائد لمبی نہ تھیں کہ بری معلوم ہوں اور انگلیوں کی گرہیں مضبوط اور بڑی تھیں۔ حضرت علی اور ہند بن ابی ہالہؓ دونوں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی موٹی تھیں۔ تو اس میں انگلیوں کے جوڑ بھی داخل ہیں۔ (شمائل ترمذی)

کف دست اور پہنچے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پر گوشت تھے اعضاء
تھے لانبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب و زیبا

بغلیں مُبارک

صاف شفاف و چمکدار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں مبارک بالکل صاف شفاف اور چمکدار تھیں۔ چنانچہ حضرت

انس فرماتے ہیں کہ دعاء استسقاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اتنے زیادہ بلند فرماتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی چمکتی تھی۔ اسی طرح ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ دعا فرمائی تو ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ آپ کی بغل نظر آنے لگی۔ (بخاری ص۵۰۲ ج۱)

فائدہ

سفید ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کی بغل میں بال نہیں تھے۔ یا تو قدرتاً نہیں تھے یا پھر آپ کے ان کے اکھاڑنے پر پابندی کرنے کی وجہ سے البتہ بغل مبارک صاف اور چمکدار تھی۔ (حاشیہ بخاری شریف ص۵۰۲ ج۱)

بغل میں تھی سفیدی جسم اطہر کی طرح تاباں
بدن تھا مشک و عنبر سے بھی خوشبودار بے پایاں

پنڈلیاں مبارک

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ کی پنڈلی مبارک پر بال بھی تھے۔ (شمائل ترمذی)

یہ صفت مردوں میں اچھی شمار ہوتی ہے اور عورتوں کی پنڈلی کا موٹا ہونا اور بالوں سے خالی ہونا حسن کی علامت ہے۔ لیکن مرد کے لئے پتلی پنڈلی ہی قابل مدح ہے۔ نیز پنڈلی مبارک چمکدار تھی عون بن ابی جحیفہؓ نے ایک قصہ بیان فرمایا اس میں فرماتے ہیں کہ آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے آپ کی پنڈلی چمک رہی تھی گویا میں اب بھی اس پنڈلی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔ (یہ جملہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) (بخاری ص۵۰۲ ج۱)

تھیں پتلی پنڈلیاں حضور جو متصف لطافت کا وہ عالم شاخ طوبیٰ جس سے شرمندہ

قدم مبارک

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک گداز اور

پر گوشت تھے اور ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ آپ کے قدم مبارک (پر گوشت ہونے کے ساتھ ساتھ) ہموار اور ستھرے (چکناہٹ لئے ہوئے) تھے۔ ان کی ملاست اور ستھرائی کی وجہ سے پانی ان پر سے فوراً ڈھل جاتا تھا۔ ٹھہرتا نہیں تھا۔ (شمائل ترمذی)

دونوں قدموں کا پر گوشت ہونا یہ صفت مردوں میں ممدوح ہوتی ہے نہ کہ عورتوں میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی انگلیاں بھی تناسب کے ساتھ اوروں کے مقابلہ میں دراز تھیں جیسا کہ ہاتھ کی انگلیوں کے متعلق گزرا ہے۔

ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے تھے۔

کان خمصان الاخمصین (شمائل ترمذی)

خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر آپ کے حلیہ مبارکہ کا بیان ہے اس میں ہے کہ آپ کے تلوے خالی تھے۔ تلوؤں کا گوشت سے خالی اور گہرا ہونا سخاوت کی علامت ہے۔

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
قدم آئینہ سا قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے
تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

بَدن مُبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ہند بن ابی ہالہ اور حضرت علیؓ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضخم الکرادیس دوسری جگہ ہے جلیل المشاش تھے یعنی جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی تھیں۔ یہ قوت وطاقت کی دلیل ہے۔ (شمائل ترمذی)

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کے سب اعضاء بڑے بڑے تھے۔

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر معمولی طور سے زائد

(غیر معمولی) بال نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی)

بعض آدمیوں کے بدن پر بہت بال ہوتے ہیں۔ آپ کے بدن مبارک کے خاص خاص حصوں پر بال تھے بقیہ جسم بالوں سے بالکل خالی اور صاف تھا وہ مقام جس پر بال تھے دیگر روایات کی روشنی میں یہ ہیں۔ (۱) دونوں بازوؤں پر بال تھے۔ (۲) دونوں پنڈلیوں پر (۳) دونوں مونڈھوں پر (۴) سینہ کے بالائی حصہ پر (۵) اور حلق سے لے کر ناف تک ایک باریک دھاری تھی جیسے کوئی خط کشی ہوتی ہے۔

تھے کچھ بال اوپری حصے میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا شکل آئینے کے

سفید بال

کتنے بال سفید تھے

حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ لم یر من الشیب الا قلیلا یعنی آپ کے بالوں میں سفیدی زیادہ نہیں تھی۔ بلکہ چند ہی بال سفید ہوئے تھے۔ (مسلم شریف ص ۲۵۹ ج ۲)

جابر بن سمرہؓ سے معلوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سفید ہوئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ تھے مگر تھوڑے کہ جب آپ تیل کا استعمال فرماتے تو معلوم نہیں ہوتے اور اگر تیل لگائے ہوئے نہ ہوتے تو محسوس ہوتے تھے۔ (مسلم شریف ص ۲۵۹ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ آپ کے بال بہت کم سفید ہوئے تھے لیکن کتنے تھے؟ ان کی تحقیق کسی نے کم بتلائی کسی نے زائد، البتہ بیس سے زائد کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں اور چودہ سے کم بھی ثابت نہیں ہیں۔ چودہ اور بیس کے مابین تھے پھر جس صحابی کو جتنے معلوم ہوئے بیان کر دیئے یہ گنتی کا فرق ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں چودہ سے زائد سفید بال نہیں گنے (یہ سب سے کم مقدار ہے) حضرت ابن عمرؓ

فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بیس تھے۔ (یہ سب سے زائد مقدار ہے۔) (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات تک آپ کے بیس بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ یعنی بیس سے کم ہی رہے۔ (بخاری ص ۵۰۲)

سفید بال کہاں کہاں تھے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی کچھ تو بچہ ریش (داڑھی بچہ) میں تھی۔ کچھ صدغین یعنی کن پٹیوں میں کچھ سر میں تھی۔ (مسلم ص ۲۵۹ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ اولاً تو سفید بالوں کی تعداد ہی کم تھی پھر وہ بھی تین جگہ منتشر تھے۔ کچھ سر میں کچھ پنڈلیوں میں اور کچھ داڑھی بچہ میں۔

لباس مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی۔ عام لباس آپ کا تہبند اور چادر اور کرتہ اور جبہ اور کمبل تھا۔ جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

اکثر حالتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس چادر اور ازار یعنی تہبند ہوتا تھا جو سخت اور موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ میلے اور گندے کپڑے کو مکروہ و ناپسند فرماتے تھے۔ (اسوۂ رسول ص ۱۱۹)

حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرو اس لئے کہ وہ زیادہ پاک وصاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (شمائل ترمذی)

زاد المعاد میں ہے کہ آپ نے یمنی چادریں، جبہ، قبا، قمیص، تہبند، موزہ اور جوتا ہر چیز استعمال فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھاری دار سیاہ اور سادہ کپڑا بھی پہنا ہے (اسوۂ رسول)

لباس اکثر رہا کرتا سفید اور کھردرا موٹا
جو ہوتا نصف پنڈلی تک نہ لانبا ہی نہ تھا چھوٹا

کبھی پوشش تھی لنگی اور چادر دھاریوں والی
کبھی کملی بھی جسم پاک پر اوڑھے ہوئے کالی

قمیص مبارک

وضع قطع

ملا علی قاری نے دمیاطیؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ سوت کا بنا ہوا تھا۔ جو زیادہ لمبا نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی۔ اسی طرح مناوی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی ص ۴۹) اور شمائل میں ہے کہ آپ کے کرتے کا گریبان سینہ پر ہوتا تھا۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریبان کھولے رکھتے کہ سینہ اطہر صاف نظر آتا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے کرتے کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

اس کے علاوہ پہنچوں سے آگے تک کی آستین بھی آپ سے جو منقول آئی ہے یہ بیان جواز کے لئے تھا مطلب یہ ہے کہ افضل اور سنت تو یہی ہے کہ آستین گٹوں تک ہوں اور جائز آگے تک بھی ہے۔ لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہونی چاہئے اور کرتے کی لمبائی کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے کہ آدھی پنڈلی تک ہونی چاہئے زیادہ نہیں لیکن یہ افضل ہے ورنہ ٹخنوں تک جائز ہے۔ مگر مناسب نہیں ہے۔

آستین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے کی آستین نہ بہت تنگ رکھتے نہ بہت چوڑی۔ بلکہ درمیانی ہوتی۔ اور آستین ہاتھ کے گٹوں تک رکھتے۔ اور جبہ وغیرہ کی پہنچے تک۔ مگر انگلی سے متجاوز نہ ہوتا تھا۔ (معمولات رسولؐ ۱۲)

لنگی مبارک

باندھنے کی کیفیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ لنگی باندھنے کی تھی پائجامہ کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ اپنی تہبند کو آگے کی جانب لٹکاتے اور پیچھے کا حصہ اونچا رکھتے۔ (اسوہ رسول ص ۱۱۹)

آپ کی لنگی آدھی پنڈلی تک رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ اپنی لنگی آدھی پنڈلی تک رکھتے تھے اور فرماتے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا کی لنگی کی۔ (شمائل ترمذی)

لنگی کی حد

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی۔ اگر تجھے صبر نہ ہو تو اور نیچے سہی اور اگر تجھے اس پر صبر نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں۔ (شمائل ترمذی)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی رکھنا حرام ہے۔

ٹخنوں سے نیچے نہ ہو

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر کپڑا لٹکتا ہے وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص متکبرانہ لنگی لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے۔ (بخاری ص ۸۶۱ ج ۲ و مسلم ص ۱۹۵ ج ۲)

لنگی کی پیمائش

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی پیمائش چار ہاتھ ایک بالشت لمبی اور چوڑائی تین ہاتھ ایک بالشت۔ یا بعض روایات کے مطابق دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔ (اسد الغابہ)

صحابہ کو پائجامہ کی اجازت

ترمذی شریف میں واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ خریدا ہے البتہ پہننا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ لیکن آپ کے پاس موجود تھا۔ اور صحابہ کرام آپ کی اجازت سے پہنتے بھی تھے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود پائجامہ پہنتے ہیں لنگی نہیں باندھتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کے خلاف کرو پائجامہ بھی پہنو اور لنگی بھی باندھو۔ (مسائل نبوی ص ۹۵)

چادر مبارک

پسندیدہ چادر

یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول لنگی باندھنے اور چادر اوڑھنے کا تھا۔ اس لئے کہ اس کے اندر تواضع ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں تکلف نہیں کرنا پڑتا ہے۔

سفید لباس تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا ہی لیکن رنگین لباس میں سبز رنگ کا لباس طبیعت پاک کو بہت پسند تھا۔ چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔ (مسلم ص ۱۹۳ ج ۲ شمائل ترمذی)

یہ یمنی چادریں دھاری دار سبز رنگ کی ہوتی تھیں۔ جنتی لباس بھی سبز رنگ کا ہی ہوگا۔ (بخاری مع حاشیہ ص ۸۶۵ ج ۲)

اوڑھنے کی کیفیت

ابورمثہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

کبھی آپ چادر کو اس طرح اوڑھتے کہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیتے تھے۔ (اسوۂ رسول اکرم)

چادر مبارک کی لمبائی اور چوڑائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ ایک بالشت چوڑی بتائی جاتی ہے۔ (خصائل نبوی ص ۹۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کالی کملی بھی اوڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ایک مرتبہ صبح صبح باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر ایک سیاہ بالوں کی چادر تھی۔ (مسلم ص ۱۹۲ ج ۲)

ٹوپی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ کی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ لیکن سفر و حضر میں مختلف ہوتی۔ جب آپ وطن میں ہوتے تو سر سے چپٹی ہوئی ٹوپی اوڑھا کرتے۔ نیز آپ نے سوزنی نما سلے ہوئے کپڑے کی کاڑھی ٹوپی بھی اوڑھی ہے اور جب سفر میں ہوتے تو اٹھی ہوئی باڑ دار ٹوپی استعمال فرماتے۔ اور کبھی کبھی اس کو سفر ہی میں سترے کی جگہ بھی استعمال فرماتے۔
(اسوہ رسول ص ۱۳۳ بحوالہ سراج المنیر۔ نبوی لیل و نہار ص ۳۱۱)

عَمامہ مُبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عمامہ استعمال فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ عمامہ باندھا کرو۔ اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی مبارک پر ایک پٹی بھی باندھ لیا کرتے تھے۔

عمامہ مبارک کا رنگ

حضرت عمر بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ وہ منظر گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے اور سیاہ رنگ کا عمامہ مبارک آپ کے سر مبارک پر تھا۔ (مسلم، نسائی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکے میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ (شمائل ترمذی)

شملہ مبارک

تقریباً ایک بالشت کا ہوتا تھا اور اکثر شملہ چھوڑ کر ہی عمامہ باندھتے تھے۔ اور اکثر شملہ کو پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھتے تھے۔ (خصائل نبوی و نبوی لیل و نہار ص ۱۲۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو دونوں مونڈھوں کے درمیان پچھلی جانب ڈال لیتے۔ (شمائل ترمذی)

عمامہ کی لمبائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ تقریباً سات گز کا ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی و نبوی لیل و نہار ص ۱۲۱)

عمامہ کے نیچے کپڑا رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر کپڑا رکھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

یہ کپڑا آپ عمامہ کے نیچے رکھتے تھے تاکہ تیل کی وجہ سے عمامہ خراب نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

فائدہ

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپ کے کپڑوں میں جوئیں پڑتی تھیں نہ کھٹمل خون چوس سکتا تھا اور علامہ رازی سے منقول ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔ (خصائل نبوی ص [illegible])

موزے مبارک

موزوں پر مسح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے پہنے ہیں اور ان پر مسح بھی فرمایا ہے۔

نجاشی کا ہدیہ

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیہ بھیجے تھے۔ آپ نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت دحیہ کا ہدیہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبیؓ نے دو موزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کئے تھے۔ آپ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

موزے کے آداب میں سے ہے کہ پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔ پھر بائیں پاؤں میں اور یہ بھی موزے کے آداب میں سے ہے کہ پہننے سے قبل موزہ کو جھاڑ لے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معجزات میں طبرانی نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک موزہ پہنا دوسرا پہننے کا قصد فرمارہے تھے کہ ایک کوا دوسرا موزہ اٹھالے گیا۔ اور پھر اوپر سے جا کر اس کو پھینک دیا اس میں سانپ گھسا بیٹھا تھا وہ گرنے کی چوٹ سے باہر نکلا۔ آپ نے شکر خداوندی ادا کیا اور امت کے لئے یہ قانون جاری کر دیا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا قصد کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔ (خصائل نبوی ص ۹۰)

نعلین مُبارک

نعلین مبارک کی ساخت

عرب کا جوتا ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ یہاں ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے کی چپلی پر دو تسمے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپل نما یا کھڑاوں نما جوتا پہنا کرتے تھے۔ (خصائل نبوی و اسوہ رسول)

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ آپ کے جوتے کیسے تھے

تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہر ایک جوتا میں دو دو تسمے تھے۔ (بخاری ص ۸۷۰ ج ۲)

یعنی نیچے چپل کے سول کی طرح چمڑا ہوتا تھا اس پر دو تنی لگی رہتی تھی ایک انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی کے بیچ میں دوسری تنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کے درمیان میں اور دو تنیاں پشت پر ہوتی تھیں یہ دونوں تسمے ان سے مل جاتے تھے۔

بغیر بالوں والے چمڑے کا جوتا

عرب میں اکثر بغیر بال اتارے چمڑے کا جوتا بنا لیا کرتے تھے لیکن آپ صاف کئے ہوئے چمڑے کا جوتا استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ اگلی روایت سے ثابت ہے۔

عبید بن جریج نے ابن عمرؓ سے معلوم کیا کہ آپ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہنتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے اس کو پسند کرتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ

جوتے کے آداب میں سے ہے کہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنے پھر بائیں پاؤں میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے جوتا پہنے تو دائیں سے ابتداء کرنی چاہئے اور جب کوئی نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے یعنی دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔

(بخاری ص ۸۷۰ ج ۲ مسلم ص ۱۹۸ ج ۲ شمائل ترمذی)

یہ صرف جوتے کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جسکا پہننا زینت ہو اس کے پہننے میں دائیں کو مقدم کرنا چاہئے۔ نیز ایک جوتا پہن کر چلنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتی پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ (بخاری ص ۸۷۰ ج ۲۔ مسلم ص ۱۹۸ ج ۲ شمائل ترمذی)

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ایک جوتا پہننے کی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جب دوسروں کو منع فرما رہے ہیں تو خود ایسا کاہے کو کرتے اور بظاہر اس حدیث میں ممانعت سے مقصود عادۃً ایسا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا اور کوئی عارض پیش آجائے۔ غرض یہ کہ معتاد و مہذب انداز پر ہر چیز کو پہننا چاہئے۔ بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہئے۔ (خصائل نبوی ص ۹۲)

نعلین مبارک کی پیمائش

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف ایک بالشت اور دو انگل لمبے اور سات انگل چوڑے تھے اور نیچے سے دونوں تسموں کے درمیان کا فاصلہ دو انگل تھا۔ (اسوہ رسول ص ۱۳۶)

تھی چپل کی طرح کی ساخت نعلین معلیٰ کی   زبان کی شکل کی ہیئت تھی جو چرم مصفّیٰ کی

تلہ دوہرا تھا اور دوہرے تھے تسمے دو جگہ اس میں   لگیں تھی پشت پا پر بیچ میں دو پٹیاں جس میں

وہ تسمے ڈال لیتے انگلیوں میں اپنی پیغمبر   انگوٹھے کے بھی پاس ایک بیچ کی انگلی کے بھی اندر

بستر مبارک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک کبھی صرف ٹاٹ کا ہوتا تھا کبھی بوریا ہوتا تھا کبھی چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی ہوتی تھی۔
(بخاری ص ۹۵۶ ج ۲ مسلم ص ۱۹۳ ج ۲ شمائل ترمذی)

حضرت حفصہؓ جو آپ کی بیوی اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے تو میں نے چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی میں نے عرض کیا کہ وہ روز مرہ کا بستر تھا آج رات اسے چوہرا کر دیا تھا تاکہ زیادہ نرم ہو جائے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پہلے حال پر رہنے دو۔ اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا آپ بوریے پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات جسد اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور قیصر وکسریٰ تو مخمل اور ریشم کے گدوں پر سوئیں اور آپ بوریے پر آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ رونے کی بات نہیں ہے ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔ (خصائل نبوی ص ۹۰۷)

حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی اس طرح کا قصہ پیش آیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی طرح سوال و جواب حضور سے ہوئے۔ اس کا مفصل ذکر بخاری شریف میں ص ۹۴۲ ج ۲ پر موجود ہے۔

بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ جب نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو میرے آقا پیارشاد فرماتے کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام کرنے کے لئے کسی درخت کے سایہ کے نیچے تھوڑی دیر بیٹھ کر چل دیا ہو۔ (خصائل نبوی ص ۱۰۸۷) یہ تھا ہمارے آقا دو جہاں کے سردار کا حال جس کو سن کر ہر امتی کا دل بھر آتا ہے اور ہم امتیوں کے فرشوں اور قالینوں کا جو حال ہے وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر ایک انصاری عورت آئی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر دیکھا کہ عباء بچھا رکھا ہے تو گھر واپس جا کر ایک بستر تیار کیا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

زاد المعاد میں ہے کہ آپ تکیہ پر ٹیک لگاتے تھے اور کبھی رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے۔

(اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے تو میں نے آپ کے واسطے تکیہ رکھا جو چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(بخاری شریف ص ۹۲۸ ج ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو

خوشبو کا کثرت سے استعمال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کی چیز اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے اور کثرت سے استعمال کرتے۔ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ (نشر الطیب)

عطردان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سکہ یعنی عطردان یا مرکب عطر تھا۔ اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے عمدہ خوشبو لگاتی تھی یہاں تک کہ اس خوشبو کی چمک میں آپ کا سر اور داڑھی دیکھتی تھی۔ (بخاری ص ۸۷۷ ج ۲)

خوشبو کی خاصیت

زاد المعاد میں صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشبو کی خاصیت یہ ہے کہ ملائکہ معطر آدمی سے محبت کرتے ہیں۔ اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں شیاطین کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ مکروہ اور بدبودار چیز ہے۔ چنانچہ طیب اور پاک روحوں کو پاک اور طیب بو ہی پسند ہوتی ہے اور ارواح خبیثہ کو خبیث بو ہی پسند ہوتی ہے ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے۔ (اسوۂ رسول ص ۳۳۰)

یہی وجہ ہے کہ آپ کثرت سے خوشبو استعمال کرتے ورنہ آپ کے بدن سے خوشبو مہکتی تھی گو آپ خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس کوچہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے بعد کے گزرنے والے لوگ اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پاکر سمجھ جاتے کہ ابھی اس راہ سے حضورؐ کا گزر ہوا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۷ ج ۲)

دست مبارک کی برکت

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پردم فرما کر حضرت عتبہؓ کی کمر پر پھیرا جس سے اس قدر خوشبو ان کی پیٹھ سے مہکتی تھی کہ ان کی چار بیویاں تھیں ہر ایک بے حد خوشبو لگاتی تاکہ ان کے برابر خوشبو ہو جائے مگر حضرت عتبہؓ کی خوشبو غالب رہتی تھی۔ (نشر الطیب ص۱۶۱)

پسینہ مبارک کی خوشبو

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار چیز کوئی نہ تھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔ (بخاری ص۵۰۳ ج۱، مسلم ص۲۵۷ ج۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آرام فرما رہے تھے اور آپ کے جسد اطہر سے پسینہ نکل رہا تھا۔ میری والدہ نے اس کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے پسینہ جمع کرنے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگیں کہ اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ یہ سب سے زیادہ معطر ہے۔ (مسلم شریف ص۲۵۷ ج۲)

خوشبو کا ہدیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اگر خوشبو پیش کی جاتی تو اس کو ضرور قبول کر لیتے۔ خوشبو کی چیز واپس کرنے کو ناپسند فرماتے۔ (بخاری ص۸۷۸ ج۲)

خوشبو لگانے کے اوقات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو سر مبارک پر بھی لگایا کرتے اور سونے سے بیدار ہوتے تو تقاضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرماتے پھر خوشبو لیا س پر لگاتے خوشبو میں سب سے زیادہ مشک اور عود ہندی ان کو محبوب رکھتے تھے۔ (سعادۃ الدارین ص۲۷۰)

کسی کوچے سے ہوتا جب گزر محبوب باری کا
تو چھا جاتا وہاں اک نکہت بوئے بہاری کا
فضا ساری مہک جاتی تھی وہ جس راہ سے جاتے
نکلتے جستجو میں ہم وہ خوشبو سے پتہ پاتے
پسینہ پونچھ کر رکھتے صحابہ جسم اطہر کا

جو خوشبو میں گلاب و مشک و عنبر سے بھی بہتر تھا
مصافحہ جس کو ہونے کی سعادت ہاتھ آتی تھی
تو پورا دن گزر جاتا مگر خوشبو نہ جاتی تھی
کسی بچے کے سر پر دست رحمت پھیر گر دیتے
تو سب بچوں میں خوشبو سے اسے ممتاز کر دیتے

انگوٹھی مبارک

چاندی کی انگوٹھی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی۔ یعنی پوری انگوٹھی نگینہ سمیت چاندی کی تھی جیسا کہ حضرت انسؓ ہی سے دوسری روایت میں ہے اور اسکا نگینہ حبشی انداز پر بنا ہوا تھا۔ (بخاری ص ۸۷۰ ج ۲ مسلم ص ۱۹۷ ج ۲)

آپ نے انگوٹھی کیوں بنوائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عجم کے بادشاہوں کے پاس خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجمی بادشاہ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے۔ اس لئے آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی گویا اب میری نظر کے سامنے ہے۔ (بخاری ص ۸۷۰ جلد ۲ مسلم ۱۹۶ ج ۲)

سفیدی سے چاندی کی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور قصہ کے خوب یاد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی صلح سے واپس لوٹے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھوا کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کو قاصد منتخب فرمایا اور ان کو خطوط دے کر بادشاہوں کے پاس روانہ فرمایا۔ چنانچہ

۱۔ نجاشی شاہ حبش کے نام جس کا اصل نام اصحمہ تھا۔ عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

۲- اور مقوقش شاہ مصر کے نام جس کا اصل نام جریج متی تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۳- اور کسریٰ شاہ فارس کے نام جس کا نام خسرو پرویز تھا۔ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۴- اور قیصر شاہ روم کے نام جس کا نام ہرقل تھا۔ دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۵- اور حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام علاء بن الحضرمیؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۶- اور حاکم یمامہ ہوذہ بن علی کے نام سلیط بن عمرو عامریؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۷- اور حاکم دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کے نام شجاع بن وہبؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔
۸- اور شاہ یمامہ جیفر اور اسکے بھائی عبد پسران جلندی کے نام عمرو بن العاصؓ کے ذریعہ روانہ کیا۔

(فائدہ) فیض الباری میں عبد کے بجائے عیاض لکھا ہے۔

ان خطوط کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت روئے زمین کے اکثر بادشاہوں تک پہنچادی۔ اور اس کے جواب میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر کیا۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہوگئی اور ان کے نزدیک بھی آپ کا دین آپ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

انگوٹھی مبارک کا نقش

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔
(اس طرح) محمد ایک سطر میں رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں (بخاری شریف ص ۸۷۳)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ انگوٹھی پر اپنا نام یا اللہ کا نام یا اور کوئی حکمت کا کلمہ لکھوانا جائز ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۹۶ ج ۲)

لیکن محمد رسول اللہ لکھنا ممنوع ہے جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بخاری میں موجود ہے کہ ہم نے چاندی کی انگوٹھی بنائی ہے اور اس میں رسول اللہ لکھایا ہے۔ لہذا کوئی بھی یہ نقش نہ کرائے جو ہماری انگوٹھی کا نقش ہے۔ (بخاری شریف ص ۸۷۳ ج ۲)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کے علاوہ اپنا نام یا اللہ کا نام یا اور کوئی اچھا کلمہ انگوٹھی پر نقش کرانا درست ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کی انگوٹھی پر یہ نقش تھا نعم القادر اللہ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ کفی بالموت واعظاً اور حضرت عثمان غنیؓ کی انگوٹھی کا نقش تھا۔ لتصبرن او لتندمن اور حضرت علیؓ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ الملک لله اسی طرح حضرت امام اعظمؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ قل الخیر والا فاسکت اور امام ابو یوسفؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش من عمل برایه فقد ندم! اور امام محمدؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا من صبر ظفر (شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵) اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ از گروہ اولیاء اشرف علی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا "رشید احمد" اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی انگوٹھی کا یہ نقش تھا۔ الٰہی عاقبت محمود گرداں"۔

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہنتے رہتے تھے۔ کسی ایک ہاتھ کی تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ احادیث میں دونوں طرح وارد ہوا ہے۔ لہٰذا دونوں ہاتھوں میں سے ہر ایک میں پہننا جائز ہے۔ حافظ ابن حجرؒ جو فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کل احادیث کے دیکھنے سے جو تحقیق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زینت کے ارادے سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزوں ہے اور اگر مہر لگانے کی غرض سے انگوٹھی بنوائی ہے تو بایاں ہاتھ موزوں ہے تاکہ دائیں ہاتھ سے نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہو۔ (خصائل نبوی ص ۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی انگوٹھی اس میں ہوتی تھی اور حضرت انسؓ نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم ص ۱۹۷ ج ۲)

دوسری حدیث میں حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ آپ نے انگوٹھی بنوائی اور فرمایا کہ ہم نے انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں نقش کرایا ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کو کوئی نقش نہ کرائے۔ (تاکہ امتیاز رہے مہر کا) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (گویا کہ) میں اس انگوٹھی کی چمک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خنصر یعنی چھوٹی انگلی میں دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری شریف ص ۸۷۳ ج ۲)

اور دو انگلیوں میں پہننے سے آپ نے منع بھی فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا کہ میں اپنی اس

اور اس انگلی میں انگوٹھی پہنوں اور اشارہ کیا حضرت علیؓ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی جانب۔ (مسلم شریف ص ۱۹۸ ج ۲)

لہٰذا ان دونوں انگلیوں میں پہننا مکروہ ہے اسی حدیث کی وجہ سے علامہ نووی نے کہا ہے کہ مکروہ سے تحریمی مراد ہے اور سنت جو ہے وہ اسی چھوٹی انگلی میں پہننا ہے۔ اور علامہ نووی نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی ص ۱۹۸ ج ۲)

اور علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ انگوٹھی اسی انگلی میں ہونی چاہئے۔ (شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵)

انگوٹھی پہننے کی کیفیت

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔ (بخاری شریف ص ۸۷۲ ج ۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔ مسلم شریف ص ۱۹۷ ج ۲) شمائل ترمذی میں ابن عمرؓ سے یہی الفاظ مروی ہیں۔ چونکہ یہی اکثر روایات میں وارد ہوا ہے اس لئے نگینہ کا ہتھیلی کی جانب رکھنا زیادہ صحیح ہے اس میں تکبر و عجب سے بھی حفاظت ہے نیز نگینہ بھی محفوظ رہتا ہے علماء نے لکھا ہے کہ نگینہ کو ہتھیلی کی جانب اور اوپر دونوں طرح رکھنا جائز ہے۔ البتہ افضل نگینہ کو ہتھیلی ہی کی جانب رکھنا ہے اتباع نبوی کی وجہ سے۔ (شرح مسلم ص ۱۹۷ ج ۲)

اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مردوں کو انگوٹھی میں نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھنا چاہئے اور عورتوں کو اوپر کی جانب۔ اس لئے کہ عورت کا پہننا زینت کے لئے ہے اور زینت اوپر رکھ کر ہے اور مردوں کو زینت کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی لبنانی ص ۲۳۰ ج ۵)

سونے کی انگوٹھی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی اس کا نگینہ آپ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے اور اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا تو آپ کی دیکھا دیکھی صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھی تو اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔ تو یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں نکال کر پھینک دیں۔ پھر آپ

نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ (بخاری شریف ص ۸۷۰ ج ۲ و مسلم شریف ص ۱۹۶ ج ۲)

شروع اسلام میں سونا مرد کے لئے حلال تھا پھر بعد میں حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔ (بخاری شریف ص ۸۷۱ ج ۲)

اب تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرد کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے البتہ عورت سونے کا زیور استعمال کر سکتی ہے۔

وفات حسرت آیات کے بعد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی آپ کی وفات کے بعد شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے پہنی پھر حضرت عمرؓ نے پہنی پھر حضرت عثمانؓ نے پہنی۔ پھر حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں بیر اریس میں گر گئی۔ (بخاری شریف ص ۸۷۰ ج ۲ و مسلم شریف ص ۱۹۶ ج ۲)

بیر اریس مسجد قبا کے قریب ایک کنواں ہے۔ حضرت معیقیب ایک صحابی تھے جو حضور کے زمانے سے اس انگوٹھی کے محافظ تھے۔ جس وقت آپ انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں ہوتے تو انہی کے پاس رہتی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کے دور خلافت میں بھی یہی محافظ رہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی یہی صورت حال تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت معیقیبؓ اور حضرت عثمانؓ اس کنوئیں پر بیٹھے تھے جیسا کہ عرب کی عادت ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے پاؤں کنوئیں پر لٹکا کر منڈیر پر بیٹھ جاتے ہیں اسی دوران معیقیبؓ حضرت عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے۔ یا ان سے لے رہے تھے کہ انگوٹھی کنوئیں میں جا پڑی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو ہر چند تلاش کرایا تین روز تک برابر اس کا سارا پانی نکلوا کر تلاش کرایا مگر وہ نہیں ملی۔

یہ انگوٹھی چھ برس تک حضرت عثمانؓ کے پاس رہی اس کے بعد اتفاق سے اس کنوئیں میں گر گئی۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی کی طرح تھی کہ جیسے ہی وہ انگوٹھی حضرت سلیمانؑ سے غائب ہوئی حکومت میں اختلاط ہوا۔ اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ جو فتنے حضرت عثمان غنیؓ کے آخر دور میں ظہور پذیر ہوئے وہ اس انگوٹھی کے کنوئیں میں گرنے کے بعد ہی سے شروع ہوئے تھے۔ (حاشیہ بخاری ص ۸۷۰ ج ۲ و خصائل نبوی ص ۳۹ و شامی لبنانی ص ۲۲۹ ج ۵)

فائدہ

ایسی انگوٹھی جس پر کوئی متبرک نام یا عبارت لکھی ہوئی ہو پہن کر قضائے حاجت نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

علامہ شامی نے لکھا ہے اور جمہور احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ بادشاہ قاضی متولی وغیرہ جن لوگوں کو مہر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے انکے لئے انگوٹھی بنوانا سنت ہے۔ مہر نما انگوٹھی بنوالیں۔ انکے علاوہ اور لوگوں کیلئے بھی جائز ہے لیکن ترک کرنا افضل ہے۔ (شامی لبنانی ص ۲۳۱ ج ۵)

اور مرد کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی جائز ہے مذہب احناف میں البتہ عورتوں کے لئے ہر طرح کی انگوٹھی جائز ہے۔ چنانچہ ابن بطال کہتے ہیں کہ انگوٹھی عورت کیلئے دیگر زیورات کی طرح ہے۔ جیسے وہ سب قسم کے جائز ہیں یہ بھی جائز ہے۔ (حاشیہ بخاری ص ۸۷۳ ج ۲)

مہر نبوت

ختم نبوت کی نشانی

مہر نبوت ایک معجزہ اور علامت نبوت کے قبیل سے ہے اس لئے اہتمام کی وجہ سے اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے اس وجہ سے آپ پر اللہ نے ختم نبوت کی مہر چسپاں کی تھی۔

یہ مہر نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا۔ علماء بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور پرنور وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہر نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے۔ گویا یہ مہر نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ خدا تعالیٰ کی مہر اور سند تھی۔ (مجموعہ از مدارج النبوۃ ص ۱ ج ۱)

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگا دیگئی۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہو جائے اور آپ کے قلب منور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی

وسوسہ تو داخل ہو سکے۔ (خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد ۱)

مہر نبوت کہاں تھی؟

سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب گھوما تو میں نے مہر نبوت دیکھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان۔ (بخاری ص ۱۰۵ جلد ۱ مسلم ص ۲۵۹ ج ۲)

مہر نبوت دونوں شانوں یعنی کندھوں کے بیچ میں تھی۔ آپ کی پشت پر البتہ بائیں کندھے کی ہڈی سے زیادہ قریب تھی یعنی بائیں طرف قلب ہوتا ہے پشت پر بالکل قلب کے مقابل تھی۔ عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا بھی کھایا۔ آپ کی زیارت بھی کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی پھر میں آپ کی پشت کی جانب گھوما تو میں نے مہر نبوت کو دیکھا دونوں مونڈھوں کے درمیان میں بائیں مونڈھے کی نرم ہڈی سے قریب تھی۔ (مسلم ص ۲۶۰ ج ۲)

حضرت علیؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات بیان کرتے تو یہ بھی بیان فرماتے کہ حضور کے دونوں مونڈھوں کے مابین مہر نبوت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ (شمائل ترمذی)

وفات کے بعد مہر غائب ہو گئی

مہر نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر پیدائش ہی کے وقت سے ہی تھی جیسا کہ فتح الباری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور وفات کے وقت تک مہر نبوت باقی رہی۔ وفات کے بعد باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات پر جب بعض کو تردد ہوا تو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے حجرہ میں جا کر آپ کی مہر نبوت کو دیکھا تو وہ غائب ہو چکی تھی۔ اس سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اعتماد و استدلال کیا تھا۔ (ملخصاً خصائل نبوی ص ۲۱)

مہر نبوت کی تحریر

ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔ سر فانت المنصور یعنی تم جہاں چاہو جاؤ

آپ کی مدد کی جائے گی۔ لیکن محدثین کے یہاں اس (دوسری بات کے) بارے میں صحیح اور پختہ روایت ثابت نہیں ہے۔ (خصائل نبوی ص ۳۱)

مہر مبارک کی شکل وکیفیت

اس کی کیفیت کے بارے میں کئی طرح کی روایات ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو قرطبیؒ نے کہی ہے کہ مہر نبوت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ نیز رنگ میں بھی مختلف ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے جس صحابی نے جس حالت پر دیکھا بیان کر دیا۔ دوسری بات جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے کہی ہے کہ ہر شخص چیز کو دیکھ کر اپنے ذہن کے اعتبار سے جس چیز کے ساتھ تشبیہ دینا مناسب سمجھتا ہے اس لئے مختلف کیفیات بیان کر دی گئیں۔ (خصائل نبوی ص ۳۳)

چنانچہ جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی مہر نبوت کو دو شانوں کے درمیان دیکھا تو رنگ میں سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتری کے انڈے جیسی شکل۔ (شمائل ترمذی مسلم ص ۲۵۰)

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے دونوں مونڈھوں کے مابین مہر نبوت دیکھی جو چھپر کھٹ (مسہری) کی گھنڈیوں جیسی تھی۔ (بخاری شریف ص ۳۱۔ ۵۰۱)

پہلے دلہن اور دولہا کی پہلی رات کے لئے ایک پلنگ مزین کیا کرتے تھے جس کو کپڑے سے ڈھانپ کر ایک مکان کی شکل کا بنایا جاتا ہے۔ اور پھر چھت والے پردے میں کبوتری کے انڈے کے برابر اسی کی گھنڈیاں لٹکائی جاتی تھیں۔ خوبصورتی کے لئے حدیث میں وہی گھنڈیاں مراد ہیں۔ دونوں روایتیں اس پر تو موافق ہیں کہ اس کی مقدار اور بناوٹ کبوتری کے انڈے جیسی تھی اس لئے کہ گھنڈی بھی کبوتری کے انڈے ہی کی شکل ہوتی ہے۔ (فیض الباری)

اور اس کے چاروں طرف تل بھی تھے جو مسوں کے مانند تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہر نبوت کو دیکھا جو (مقدار میں) مٹھی کے مانند تھی اور اس کے چاروں طرف تل تھے جو مسوں کی طرح لگتے تھے۔

مسلم ص (۳۶ ج ۲) اور مہر نبوت کے چاروں طرف بال بھی تھے۔ چنانچہ علماء بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عمر بن اخطب انصاریؓ نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی تو علماء نے پوچھا کہ مہر نبوت کیا تھی۔ تو حضرت عمر بن اخطبؓ نے جواب دیا کہ بالوں کا مجموعہ تھا۔ (شمائل چونکہ ان کا ہاتھ بالوں پر لگا تھا اس لئے بیان کر دیا کہ بالوں کا مجموعہ تھا۔

میان ہر دو شانہ پشت پہ مہر نبوت تھی
کبوتر کے جو انڈے کی طرح تھی سرخ رنگت تھی

باب ۲

اس باب کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور چچا و پھوپھیوں وغیرہ اعزاء کے حالات سیرت رحمۃ للعالمین سے اور دیگر متعلقین غلام باندیاں اور خدام وغیرہ آخر تک کا سارا مواد سیرت الرسول (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے ماخوذ ہے۔

نام و پیدائش اور القاب

ان کا نام عامر اور لقب شیبہ ہے۔ شیبہ کا ترجمہ زوال یا بوڑھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لقب صرف تفاؤل کے لئے تھا کہ عمر دراز پائی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جب پیدا ہوئے تو اس وقت ان کے سر کی چوٹی میں چند بال سفید موجود تھے۔

جب ان کے والد "ہاشم" کا انتقال ہوا یہ اپنے ننھیال (یثرب) میں تھے۔ ان کے چچا مطلب ان کو یثرب سے جا کر لے آیا اور بیٹوں سے بڑھ کر ناز و نعم سے ان کی پرورش و تربیت کی۔ اس احسان مندی کی قبولیت و اظہار میں یہ بھی تمام عمر "عبدالمطلب" "مطلب کا غلام" کہلاتے رہے۔ اصلی نام اور لقب پر یہ آخری لقب اس قدر غالب آ گیا تھا کہ عبدالمطلب ہی اصلی نام سمجھا جاتا ہے۔ ان کو شیبۃ الحمد اور فیاض اور معظم طیر السما بھی کہا کرتے تھے نیز سید قریش اور شریف قریش کے نام سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے۔ قریش میں سے بھی کوئی شخص ان کے اس خطاب کا منکر نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ہی نے تجویز کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تا آٹھ سال کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہوا۔ ان ہی کی سرداری کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا تھا۔

فضائل واخلاق

عبدالمطلب کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی "ظلم وبغاوت نہ کرو اور مکارم الاخلاق حاصل کرو"۔ عبدالمطلب کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ چاہ زم زم جسے عمرو بن حرث جرہمی نے بند کر دیا تھا اور لمبا زمانہ گذرنے سے کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا کہ یہ کنواں کہاں تھا۔ عبدالمطلب ہی نے نکالا۔ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب تین شب متواتر یہ خواب دیکھتے رہے کہ کنواں نکالو پھر خواب ہی میں ان کو چاہ زم زم کی جگہ بھی دکھائی گئی۔ عبدالمطلب اور ان کے فرزند اکبر "حارث" نے اس کی جگہ کو کھودا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد ان کو بنو جرہم کی مدفونہ اشیاء ملنے لگیں۔ تلواریں زرہیں ہرن کے سینگ وغیرہ۔ قریش کے لوگ اب تک تو عبدالمطلب کے فعل کو لغو ہی سمجھتے تھے۔ لیکن مدفونہ اشیاء کی برآمدگی نے ان کو بھی یاد کرا دیا اور تب وہ درخواست کرنے لگے کہ اس شرف میں ان کو بھی شامل کر لیا جائے مگر عبدالمطلب نے کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنا پسند نہ کیا۔

یہ چشمہ جس سے اب لاکھوں زوار اور صادر و وارد سیراب ہو رہے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے ظاہر فرمایا تھا۔ عبدالمطلب کی بھی یادگار ہے۔

آل واولاد

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو کثیر الاولاد کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں جن میں سے آپ کے اکیس بچے پیدا ہوئے آپ کی ایک اہلیہ صفیہ بنت جنید بن حجیر بن زباب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ از نسل نضر ہیں جن سے صرف ایک بیٹا ہوا جس کا نام حارث رکھا گیا۔

دوسری اہلیہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ ہیں جن کے بطن سے چار بیٹے زبیر ابوطالب عبدالکعبہ عبداللہ اور چھ بیٹیاں ام حکیم بیضا ،امیمہ ،اروی ،برہ اور عاتکہ ہوئیں۔

آپ کی تیسری اہلیہ لبنیٰ بنت ہاجر (از بطن خزاعہ) ہیں جن سے ابولہب ہوا۔

چوتھی اہلیہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے جس سے چار بیٹے ہوئے۔ مقوم، حجل، مغیرہ اور حمزہ۔

حضرت عبدالمطلب کی پانچویں اہلیہ نتیلہ بنت خباب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار) ہیں جن کے بطن سے تین بیٹے ہوئے ضرار، قثم اور حضرت عباس۔

چھٹی بیوی ممنعہ بنت عمرو بن مالک (از بطن خزاعہ) ہیں جن سے دو بیٹے تھے غیداق اور مصعب۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب ۱۵ بیٹوں اور ۶ بیٹیوں کا والد تھا۔ مگر بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ غیداق وہی ہے جس کا نام حجل ہے اور عبدالکعبہ وہی ہے جس کا نام مقوم ہے اور قثم کوئی بھی نہ تھا اندریں صورت عبدالمطلب کے نرینہ فرزندوں کی تعداد بارہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گیارہ ہوئے۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹے ۱۲ تھے۔ ان میں سے ہم کو دس کے حالات ملے ہیں اور سات کے حالات کا اسلامی تاریخ سے بھی تعلق ہے۔ آٹھویں ضرار قریش کے قابل فخر جوانوں میں سے تھے اور جودو جمال میں مشہور آغاز بعثت ہی میں انتقال کیا اولاد نہ تھی۔

۹۔ مقوم اولاد صلبی تھی۔ مگر نسل جاری نہ ہوئی۔ ہند بنت المقوم کے پسر عبدالرحمن بن ابی عمرو کا ذکر علامہ ذہبی نے کیا ہے۔

۱۰۔ حجل کے فرزند قسرہ کے اشعار طبقات الکبیر میں موجود ہیں جس میں اس نے اپنے بارہ چچوں کے نام شمار کئے ہیں۔ غیداق، قثم، عبدالکعبہ کے حالات سے کتب تواریخ خاموش ہیں۔ ممکن ہے کہ مقوم ہی کا نام عبدالکعبہ ہو۔

وفات

عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر پائی ان کا سال ولادت ۴۹۷ء اور سال وفات ۵۷۹ء اندازہ کیا گیا ہے۔

باپ کی منت

باپ کے لاڈلے فرزند تھے۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ اسے دس رضائے عطا فرمائے گا تو وہ ایک کو تقرب الٰہی کے لئے ذبح کرے گا۔

جب عبدالمطلب کے گھر دس فرزند پیدا ہو چکے۔ تب انہوں نے اپنی منت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا۔ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام کا قرعہ نکلا۔ عبداللہ نے باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے لئے قربان ہونا منظور کر لیا۔ لیکن ابوطالب نے اپنے برادر شفیق کے لئے مزاحمت کی اور اشعار ذیل میں اپنا مدعا باپ سے بیان کیا۔

کلا ورب البیت ذی الانصاب   ما ذبح عبدالله بالتلعاب

یا شوب ان الریح ذو عقاب   ان لنا جره فی الخطاب

اخوال صدق کاسود الغاب

حضرت عبداللہ کے ننھیال بھی اس مزاحمت میں شریک ہو گئے۔

مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے کہا۔

یا عجباً من فعل عبدالمطلب   و ذبحه ابناً کتمثال الذهب

کلا وبیت الله مستور الحجب   ما ذبح عبدالله فینا باللعب

آخر فیصلہ ہوا کہ ایک مشہور کاہنہ جو کہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ کاہنہ نے کہا کہ قرعہ اونٹوں پر ڈالنا چاہیے اور عبداللہ کو چھوڑ کر اونٹوں کا قرعہ نکلے اتنے اونٹ قربانی کر دینے چاہئیں۔

قرعہ کا آغاز دس اونٹوں سے کیا گیا۔ پھر بیس، تیس، چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر، اسی، نوے تک بڑھاتے گئے۔ ہر دفعہ عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن جب اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی تب قرعہ اونٹوں کا نکل آیا۔ اور عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیہ اور اپنی منت کے بدلے میں سو اونٹ قربان کر دیے۔

حضرت عبدالمطلب کا جذبۂ اخلاص و ایثار

اس میں شک نہیں کہ انسانی قربانی ایک وحشیانہ رسم ہے۔ لیکن یہ رسم اس زمانہ تک ہر ایک ملک میں پائی جاتی تھی۔ اور ہند، یونان، مصر و ایران، چین و افریقہ کے ممالک میں برابر جاری تھی۔

عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی ندرت ہے تو یہ ہے کہ اس نے یہ منت خالص خدائے تعالیٰ کے لئے مانی تھی۔ کسی دیوتا یا بت کے لئے نہیں جیسا کہ اس رسم کے پابند لوگ کلیتاً غیر اللہ ہی کے لئے کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سردار عبدالمطلب کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا شوق پیدا ہوا ہو اور اس شوق میں مامور و غیر مامور کے فرق کو نہ سمجھ کر انہوں نے یہ باور کر لیا ہو کہ ہر ایک باپ کو قربانی فرزند کا حق حاصل ہے۔

اللہ عزوجل نے احسان فرمایا کہ عبدالمطلب کو بھی ایفائے نذر سے سرخرو کیا اور عبداللہ کو بھی بچایا۔

انسان کی قدر افزائی

اس واقعہ سے پیشتر عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے لئے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار عام طور پر سو اونٹ ہو گئی۔ گویا عبدالمطلب کے خلوص اور سردار عبداللہ کی اطاعت پدری کا یہ نتیجہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور یہ ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار میں وہ چند ترقی ہو جانے سے واردات قتل کے شمار میں ضرور نمایاں کمی ہو گئی ہو گی اور اس طرح یہ واقعہ تمام ملک اور بنی نوع انسان کے لئے یمن و

برکت کا موجب بن گیا۔

بیشک جس گرامی سردار کے فرزند کو رحمۃ للعالمین بننا تھا اس کے آبائے کرام کا بھی بنی نوع انسان کے لئے ایسا ہی محسن ہونا ضروری تھا۔

حضرت عبداللہ کی پاکدامنی

سردار عبداللہ کی عفت نفس کا ایک واقعہ ابونعیم وخرائطی وابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت مرالخثعمیہ نے ان سے اظہار محبت کیا اور اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے سو اونٹوں کا عطیہ بھی ان کو دینا چاہا۔ لیکن انہوں نے اس درخواست کے جواب میں یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔

اما الحرام فالممات دونه والحل لاحل فاستبينه'

فكيف الى الا الذى تبغينه يحمى الكريم عرضه و دينه'

نکاح' تجارت اور وفات

سردار عبداللہ کا نکاح سیدہ آمنہ سے ہوا تھا۔ اس نکاح کے بعد وہ ملک شام کو تجارت کے لئے چلے گئے تھے اور واپسی کے وقت مدینے میں اس لئے ٹھہرے تھے کہ اپنے باپ کے حکم کے موافق وہاں سے کھجوروں کا سودا کریں۔ وہیں بیمار ہوئے اور عالم آخرت کو سدھار گئے۔

پیدائش سے پہلے معجزہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسماء پر نظر کرو۔ اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے ہر ایک مورخ تعجب کرے گا کہ ایسے پاک نام کیوں کر رکھے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ارہاص نبوت تھا جس بچے کو باپ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں کے دودھ سے امن عامہ کی گھٹی ملی ہو۔ پھر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ وہ محمود الافعال حمید الصفات ہو اور تمام دنیا کی زبان سے محمد کہلائے صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

سردار عبداللہ کا انتقال ۲۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادری میں تھے۔

نام ونسب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں۔ ان کے والد بنو زہرہ کے سردار۔ قریش میں نہایت محترم تھے۔ سیدہ آمنہ نے اپنے چچا وہیب کی حضانت میں پرورش پائی تھی۔ وہیب بھی اپنے بھائی کی طرح قوم کا سید اور مطاع تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے

سیدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب اور والدہ کی طرف سے یوں ہے۔

سیدہ آمنہ بنت برہ بنت قیلہ بنت جمل بنت فاطمہ۔

سیدہ کالال

سیدہ آمنہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار نور نبوی (محمدی) بن گئی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لو اور کچھ بازوؤں پر باندھ لو۔ میں نے ایسا ہی کر لیا مگر چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ لوہے کی چیزیں کہیں گر پڑی تھیں۔ پھر میں نے کچھ بھی نہ باندھا۔

سیدہ آمنہ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ پیٹ کے بچے کا نام احمد رکھنا۔ چنانچہ ماں نے

آنحضرت صلی کا نام احمد رکھا اور دادا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا۔ پس محمد و احمد دونوں مبارک نام حضورؐ کے ذاتی نام ہیں۔

اس خواب کے بعد ہی سیدہ آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا مولود نہایت مبارک و مسعود ہو گا۔ چنانچہ جب حلیمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لینے سے اس لئے تامل کیا کہ حضور یتیم بچے ہیں تو سیدہ نے فرمایا تھا:۔

اے دایہ! اس بچے سے مطمئن رہو اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔

حضورؐ حضرت حلیمہ کے ہاں

حلیمہ بچے کو لے کر چلیں تو سیدہ آمنہ نے یہ اشعار کہے۔

اعیذ باللہ ذی الجلال — من شر ما مر علی الجبال

حتی اراہ حامل الحلال — ویفعل العرف الی الموالی

وغیر ھم من حشوۃ الرجال

دو سال کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا گیا تو مائی حلیمہ حضورؐ کو مکہ میں لائیں۔ اس وقت مکہ میں وبائی بیماری تھی۔ دانش مند والدہ نے حضور کو پھر واپس بھیج دیا۔

حضرت سیدہ کے ہاں واپسی اور یثرب روانگی

پانچ سال کی عمر کے بعد مائی حلیمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر واپس لائیں۔ اس وقت ماں نے اس آنکھوں کے نور کو جس نے تمام دنیا کے سامنے نور حق روشن فرمایا۔ اپنے پاس رکھ لیا اور پھر ان کو ساتھ لے کر یثرب گئیں۔ ننھیال کے ملنے کا بہانہ تھا اور غالباً بے وطن متوفی شوہر کی مٹی دیکھنے کا شوق دل میں پیدا ہوا تھا۔

وہاں ایک مہینہ تک دار النابغہ میں قیام کیا۔ اس سفر میں دو اونٹ سواری کے لئے اور ام ایمن لونڈی بھی ساتھ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ۵۳ سال کے بعد مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو بچپن کی سب باتوں کو یاد کر کے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ ہوتی تھی جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ اور اس گھر میں میرے والد کی قبر اس

جگہ بنائی ہوئی تھی اور بنو عدی بن النجار کے تالاب میں میں خوب تیرنا سیکھ گیا تھا۔ اس قلعہ کے اوپر پرندہ آ بیٹھا کرتا تھا بچے اسے اڑایا کرتے تھے اس گھر میں میری ماں یہاں بیٹھا کرتی تھی۔

واپسی اور وفات

سیدہ آمنہ ایک ماہ قیام یثرب کے بعد مکہ کو واپس ہوئیں تو مقام ابواء پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ اندوہ جو قبر کے دیکھنے سے بڑھ گیا اور قلب پر چھا گیا تھا۔ اپنا کام کر گیا۔ اور یہ پیکر محبت پھر زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکی۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت کاملہ پوری ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تربیت میں پدر و مادر (ہر دو) کے بار منت سے سبکدوش رہے۔

شوہر کی وفات پر سیدہ کے اشعار

سیدہ آمنہ کے اشعار اپنے شوہر کی وفات پر درج ذیل ہیں:۔

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم — وجاور لحدا خارجا فی الغماغم

دعته المنایا دعوة فاجابها — وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم

عشیة راحوا یحملون سریره — تعاوره اصحابه فی التزاحم

فان یک غالته المنایا وریبها — فقد کان معطاءً کثیر التراحم

ترجمہ:۔ ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی جانب جا کر چھپ گیا وہ لحد میں بہادروں کی بانگ و خروش کے ساتھ جا سویا۔ موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا۔ افسوس کہ موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا۔ اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھائے چلے اور از راہ محبت وہ نوبت بہ نوبت کاندھا بدلتے اور اس کے اوصاف باری باری بیان کرتے تھے۔ خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا مگر اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کا بہت زیادہ ہمدرد تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حارث ابوجہل قثم زبیر حمزہ عباس ابوطالب عبدالکعبہ حجل مغیداق ابولہب گیارہ چچا تھے اور صفیہ عاتکہ اروے ام حکیم برہ امیمہ چھ پھوپھیاں تھیں۔ ان تمام سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ اور صفیہ تین مشرف با اسلام ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھیوں کی درج بالا تفصیل امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی کتاب سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی ہے۔ آئندہ صفحات میں جو مفصل حالات ہیں وہ سیرت رحمۃ للعالمین سے ماخوذ ہیں۔

۱: حارث بن عبدالمطلب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ ان ہی کے نام پر عبدالمطلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔ یہ اپنے والد کی حیات ہی میں مر گئے تھے۔ مگر ان کے چار فرزند نوفل و عبداللہ ربیعہ و ابوسفیان مغیرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ مسلمان ہوگئے۔ ہر ایک کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے۔

(الف) نوفل بن حارث

جنگ بدر میں کفار کی جانب تھے پھر جنگ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔ جنگ حنین

میں تین ہزار نیزے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لشکر اسلام کی مدد کے لئے پیش کئے تھے۔
اس وقت یہ ہاشمی مسلمانوں میں سب سے زیادہ عمر کے تھے۔ ۱۵ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔
ان کے تینوں فرزند مغیرہ، عبداللہ، حارث بھی صحابی ہیں۔
مغیرہ بن نوفل حضرت عثمانؓ کے عہد میں قاضی مدینہ تھے۔ ابن ملجم شقی نے جب سیدنا علیؓ کو زخمی کیا تو خود بھاگ چلا تھا۔ مغیرہ ہی نے اسے گرفتار کیا تھا اور سیدہ امامہ بنت زینب بنت رسول کا نکاح بھی بعد انتقال حضرت علیؓ ان ہی کے ساتھ حسب وصیت مرتضویؓ ہوا تھا۔ جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے تھے۔
عبداللہ بن نوفل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم کوفہ کیا تھا۔ ان کا چہرہ کسی قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا تھا۔
حارث بن نوفل کو عمر فاروقؓ نے حاکم مکہ کر دیا تھا۔ آخر میں یہ بصرہ جا رہے تھے۔ یزید کے بعد اہل بصرہ ان کو امیر بنانا چاہتے تھے۔ ۶۳ھ میں انتقال ہوا۔ ان کا فرزند عبداللہ المعروف بہ بہ بھی صحابی ہے۔

(ب) عبداللہ بن حارث

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب "سعید" سے مشرف فرمایا تھا۔

(ج) ربیعہ بن حارث

ابو اروی کنیت تھی۔ ان ہی کا نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں لیا تھا اور فرمایا تھا۔ وان اول دم اضعه دم ابن ربیعة بن الحارث " پہلا مطالبہ خون کا جسے میں ملیا میٹ کرتا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث کا مطالبہ ہے"۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایک فرزند شیر خوار دشمنوں نے مار ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اس مطالبہ کو ملیا میٹ کر دیا اور اس کا خون بہا ادا کرایا۔ ان کا انتقال ۲۳ھ میں ہوا۔
ان کے دو فرزند عبدالمطلب اور مطلب بھی صحابی ہیں۔
عبدالمطلب نے دمشق میں بعہد حکومت یزید وفات پائی۔

مطلب حیات نبویؐ میں بالغ نہ ہوئے تھے۔

(ز) ابوسفیان مغیرہ بن الحارث

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر رضاعی بھی ہیں کیونکہ انہوں نے بھی حلیمہ السعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شعراء وصحابہ میں سے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے مخالف بنے رہے مگر فتح مکہ سے چند یوم پیشتر جذبہ توفیق ربانی سے خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔

جنگ حنین میں جو صحابہ ثابت قدم رہے تھے ان میں ابوسفیان کو بھی امتیاز حاصل ہے۔ یہ تو رکاب نبویؐ سے علیحدہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

وفات حسرت آیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اشعار میں اکثر درد دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ ایک حدیث میں ہے۔

ابو سفیان بن الحارث من شباب اهل الجنه

ابوسفیان جنتی جوانوں میں سے ہے۔

یا سید فتیان اهل الجنة یا بہادران جنتی کا سردار ہے۔

ایک حدیث میں ہے

ابو سفیان خیر اهلی ابوسفیان میرے اہل میں اچھا ہے۔

یا من خیر اهلی یا میرے اچھے اہل میں سے ہے۔

علماء کا قول ہے کہ کل الصید فی جوف الفراء کی مثل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمائی تھی۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔

ان کے فرزند عبداللہ اور جعفر دونوں صحابی ہیں۔ جعفر بن ابوسفیان غزوہ حنین میں بھی شامل تھے اور عہد سلطنت امیر معاویہؓ میں وفات پائی۔

۲: ابوطالب

ان کا اصلی نام عبد مناف ہے۔ مگر کنیت نام پر غالب آ گئی تھی۔

ان کو بھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال محبت تھی اور تادم زیست (۱۰ نبوت) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر وفدائی رہے۔

ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اور باستثناء طالب صحابی ہیں۔ طالب باپ کے بعد اور قبل از ایمان مر گیا تھا۔ اس کی جائے وفات کا بھی پتہ نہیں لگا۔

(الف) عقیل بن ابی طالب

طالب سے دس برس چھوٹے اور جعفر سے دس برس بڑے تھے۔ جنگ بدر میں دشمنوں کی جانب تھے اور اسیر ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ سے پیشتر اسلام لائے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے۔

عقیل واقعات اور انساب عرب کے بڑے واقف تھے۔ اس علم میں ان کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ ابو یزید کنیت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا۔

یا ابایزید انی احبک حبین حباً لقرابتک و حباً لما کنت اعلم من حب عمی اباک

اے ابو یزید! میں تم سے دو گونہ محبت رکھتا ہوں۔ ایک تو محبت قرابت۔ دوم اس لئے کہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا کو تم سے محبت تھی۔

ان کا انتقال سلطنت امیر معاویہ میں ہوا تھا۔ مسلم بن عقیل جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہو کر کوفہ گئے تھے اور بروز جمعرات ۳ ذی الحجہ ۵۹ھ کو شہید ہوئے ان ہی کے فرزند ہیں۔ عقیل کے دو فرزند محمد و عبدالرحمٰن ایک پوتا عبداللہ بن مسلم بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

(ب) جعفر (طیار) بن ابو طالبؓ

علی مرتضیٰ کے حقیقی بھائی ان سے دس سال بڑے قدیم الاسلام تھے۔ اول ہجرت حبشہ کی اور وہاں جملہ مہاجرین حبشہ کے سردار رہے۔ اس ملک میں ان کے ہاتھ پر خوب اشاعت اسلام ہوئی۔ انہوں نے بادشاہ حبشہ کے دربار میں اسلام پر تقریر فرمائی تھی وہ ۷ھ میں حبش سے مدینہ تشریف لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خیبر کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفر بھی خیبر ہی میں جا ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ

مجھے خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کی۔

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ تلوار اور نیزے کے نوے سے زیادہ زخم ان کے سامنے کی جانب موجود تھے۔ دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی منقبت میں فرمایا۔

اشبھت خلقی و خلقی

جعفر تم صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔

عمر مبارک بوقت شہادت ۴۱ سال کی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مسکین کے حق میں جعفر طیار سب سے بہتر ہے۔ وہ اہل صفہ کی خبر رکھا کرتے تھے اور انہیں کھلایا کرتے تھے جو کچھ بھی ان کے گھر میں ہوتا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے پاس عکہ ہی لے آتے جس میں اور کچھ نہ ہوتا ہم اس میں سے علق کر جاتے۔ ان کے چار فرزند تھے۔

(ا) عبداللہ یہ پہلے مولود ہیں جو مسلمانوں کے گھر حبش میں پیدا ہوئے۔ کثرت سخاوکرم سے ان کا لقب بحر الجود تھا۔ عبادت گزار بھی حد درجہ کے تھے۔ ۸۰ھ میں بعمر ۹۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ علی مرتضیٰ کی دختر سیدہ زینب کبریٰ ان ہی کے گھر میں تھیں۔ عون بن عبداللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے۔ ابن نہشل تمیمی نے ان کو شہید کیا تھا۔

(ب) عون بن جعفر۔ (ج) محمد بن جعفر یہ دونوں تستر میں شہید ہوئے۔

(ج) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس امام ہادی و امام ابو الائمۃ العظام کے محاسن و فضائل کے لئے دفتر درکار ہیں۔

حضرت ابن عباس اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ اس وقت عمر مبارک ۸ سال کی تھی۔

حضور کے جاں نثار کے وہ کارنامے جو شب ہجرت، بدر، احد، خندق، صلح حدیبیہ، خیبر و حنین کے وقائع میں نہایت مشہور ہیں۔ شجاعت اور حسن قضا میں بین و باکمال ممتاز تھے۔ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے زوج اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار تھے۔ ابو الحسن کنیت فرماتے تھے اور ابو تراب کنیت جو عطیہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

نہایت شادماں ہوتے تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بہ ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ خلیفہ ہوئے اور جمعہ کی صبح جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ سے مسجد کوفہ میں زخمی ہو کر واصل بحق ہوئے۔

امام حسنؓ و امام حسینؓ کے علاوہ (دیگر ازواج سے) ان کے سولہ فرزند تھے۔

زخم کہ جس پر شہادت ہوئی' کثیر بن عمرو السکونی نے جو شاہان ایران کا طبیب خاص رہ چکا تھا۔ نے بتایا کہ زخم ام دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اب صحت محال ہے۔

حضرت علی و جعفر و عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے جو اسلام لا کر ہجرت سے مشرف ہوئیں۔ مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفن میں اپنا کرتا عطا فرمایا اور جب ان کو لحد میں اتارا گیا تو آنحضرت بھی لحد میں ان کے ساتھ لیٹ گئے' فرمایا:

میں نے قمیص اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حلہ جنت پہنائے اور ساتھ اس لئے لیٹا کہ قبر کی وحشت جاتی رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں فرمایا کرتے کہ ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد کے متعلق مورخین نے چند اقوال نقل کئے ہیں:

۱۔ ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔

۲۔ ۱۹ بیٹے تھے جن میں سے چھ والد کے سامنے گزر گئے تھے۔ باقی ۱۳ میں سے چھ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ دنیا میں اس وقت صرف ۵ بیٹوں امام حسن' امام حسین' محمد حنفیہ' عباس' عمر اطراف کی نسل موجود ہے۔

دختران جواری

ام ہانی' میمونہ' زینب اصغر' رملہ اصغر' فاطمہ' امامہ' خدیجہ' ام الکرام' ام سلمہ' جمانہ' نفیسہ' ام جعفر

عباس بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

میدان کربلا میں علمبردار امام ہمام تھے۔ ان کا خطاب سقائے اہل بیت بھی ہے۔ ۴۴

سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے۔

عمر (اطراف) بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

عباس علمبردار کے برادر حقیقی ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ ان میں سے بڑا کون ہے۔ ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بعض کا بیان ہے کہ مصعب بن زبیرؓ کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

ابوالقاسم محمد بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں۔ اس قبیلہ نے عہد صدیقی میں ارتداد کیا تھا۔ یہ جنگ میں اسیر ہو کر آئیں اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملیں۔ محمد بن علی ۲۱/۸ھ خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ ان کے زہد وریاضت اور زور وقوت کی حکایات بہت سی مشہور ہیں۔ لشکر مرتضیٰ کے علمبردار یہی ہوا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تمہارے والد حسن وحسین کو جنگ میں نہیں بھیجتے اور تم کو ہر ایک سخت کام پر مامور کرتے ہیں۔ فرمایا وہ علیؓ کی آنکھیں ہیں اور میں علیؓ کا ہاتھ ہوں۔ شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد امامت ان کو ملی۔ ایک شاخ کا اعتقاد ہے کہ امام حسین کے بعد امامت ان کو ملی پھر ہر دو کا اتفاق ہے کہ آئندہ امامت ان ہی کی نسل میں جاری ہوئی۔ مختار ثقفی جس نے قاتلان حسین سے سخت انتقام لئے اپنے آپ کو انہی کا مختار بتایا کرتا تھا۔ ابن الحنفیہ کے غلام کا نام کیسان ہے' وہ بھی ایک فرقہ کا امام ہے کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی مرتضیٰ کوہ رضوی پر رہتے ہیں۔ شیر وپلنگ ان کے پہرہ دار ہیں۔ شہد اور پانی کے چشمے ان کے متصل جوش زن ہیں۔ قرب قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے۔

ابن الحنفیہ بن علی مرتضیٰ کی اولاد کی تعداد ۲۴ ہے جن میں سے ۱۴ نرینہ فرزند تھے تین سے نسل جاری ہے۔

محمد بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کربلا میں

ایک شخص قبیلہ بنی ابان بن دارم کے تیر سے شہید ہوئے۔

ابو بکر بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں۔ جنگ کربلا میں شہید ہوئے۔ بعض نے ان کی شہادت میں اختلاف بھی کیا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر فرزندوں عبداللہ وعون و یحییٰ و عمر (فرزند حبیبہ) کے حالات نہیں ملے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو علوی بھی کہتے ہیں۔

(و) ام ہانیؓ دختر ابی طالب

یہ حضرت علی مرتضیٰ کی حقیقی بہن ہیں۔ ابو طالب کی سب اولاد طالب، عقیل، جعفر، علی، ہند، جمانہ ایک ہی والدہ فاطمہ اسدیہ سے ہیں۔

ام ہانی کا نام ہند تھا۔ بعض نے فاختہ بھی لکھا ہے۔ ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا۔ ام ہانی کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف اور جعدہ دختر پیدا ہوئے تھے۔ ام ہانی عام الفتح کو اسلام لائی تھیں۔ ہبیرہ نجران کو بھاگ گیا تھا۔ اس کی واپسی از نجران اور قبولیت اسلام کی کوئی روایت نہیں ملی۔ ہبیرہ نے اپنے فرار کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار مکہ میں لکھ کر بھیجے تھے۔

لعمرک ماولیت ظهری محمداً و اصحابه جبنا ولا خيفة القتل

ولكنني قلبت امری فلم اجد لسيفي غناء ان ضربت ولا نبل

وقفت فلما خفت ضيعة موقفي رجعت لعود كالهزبر الى الشبل

ترجمہ:۔ سچ سمجھو تو میں نے محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کے سامنے سے بوجہ نامردی یا خوف قتل پیٹھ نہیں دی بلکہ میں نے دیکھا کہ میرا کام الٹ گیا اور میری تلوار، میرا نیزہ اب کچھ کام نہیں بنا سکتے۔ پہلے تو میں ٹھہرا لیکن جب دیکھا کہ موقف بھی نکل رہا ہے۔ تب لوٹ کر چلا آیا۔ جیسا کہ شیر اپنے بچوں کی طرف واپس آیا کرتا ہے۔

(ہ) جمانہ دختر ابی طالب

اولادِ ابی طالب میں جمانہ کا نام ملتا ہے۔ مگر ان کے حالات سے کوئی آگاہی نہیں ملتی۔ ابن اسحاق امام اہل السیر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوار خیبر میں سے تیس وسق خرما جمانہ دختر ابی طالب کے لئے مقرر فرمائے تھے۔

اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعت اسلام سے مشرف تھیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح خیبر تک وہ حیات تھیں۔

۳: حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خدمات و شہادت

امیر المومنین اور اسد اللہ و رسول ان کے خطاب ہیں۔ ۶ھ نبوت میں اسلام لائے اور پھر ہمیشہ ناصر اسلام رہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھی تھے۔ یعنی ہر دو نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ابو عمارہ و ابو یعلیٰ کنیت فرمایا کرتے تھے۔ جنگ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے کرشمے دکھائے اور جنگ احد میں دشمنوں کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملا کر وحشی کے ہاتھ سے جس نے پتھر کے پیچھے چھپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا شہید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کی لاش پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

چچا خدا تم پر رحم کرے تم قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے۔ دشمنوں نے ان کا جگر نکالا کان کاٹے چہرہ بگاڑا پیٹ چاک کر ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لاش کی حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ اور اندوہگین ہوئے تھے کہ اتنا رنج آپ نے کبھی بھی نہ فرمایا تھا۔

اولاد

ان کے دو فرزند تھے۔ عمارہ اور یعلیٰ۔ عمارہ کا فرزند حمزہ معدوم رہا۔ یعلیٰ کے پانچ فرزند ہوئے۔ مگر پھر ان کی نسل آگے نہ چلی۔ دو لڑکیاں تھیں۔ ام الفضل اور امامہ۔ ام الفضل دختر حمزہ سے ایک

حدیث عبداللہ بن شداد نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں ہمارا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا تھا۔ اس کے ایک بیٹی ایک بہن تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو نصفا نصف ورثہ دلایا تھا۔

امامہ وہی ہے جن کے حق حضانت کی بابت حضرت زید اور جعفر طیار اور علی مرتضیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے اپنے دلائل پیش کئے تھے۔

حضرت زید کہتے تھے حمزہ مواخات میں میرے بھائی تھے۔ اس لئے لڑکی پرورش کے لئے مجھے ملنی چاہئے۔

حضرت علی کہتے تھے لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس نے مکہ سے مدینہ تک ہودج فاطمہ میں سفر کیا ہے۔

حضرت جعفر طیار کہتے تھے کہ لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ واقعہ ۶ ھ کا ہے اور صحاح میں تفصیل سے مذکور ہے۔ امامہ کا نکاح ام المومنین ام سلمہ کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔

۴۔ ابولہب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توحید کی وجہ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں وعظ فرمایا کرتے تھے ابولہب قریب ہی کھڑے ہو کر چلایا کرتا لوگو اس کی نہ سنو دیوانہ ہے۔

ہلاکت

ابولہب جنگ بدر سے ۸ دن بعد طاعون سے ہلاک ہوا۔ تین دن تک اس کا جثہ سڑتا رہا۔ لیکن جب سڑاند سے سارا محلہ تکلیف پانے لگا تب اس کے اقارب نے اس کی لاش کو لمبی لمبی لاٹھیوں سے چارپائی سے نیچے گرا دیا اور دیوار کے اوپر چڑھ کر اتنے پتھر اس ناپاک جثہ پر پھینکے کہ وہ پتھروں کے ڈھیر میں چھپ گیا۔ الناس والحجارة دونوں کا لقمہ ایک ہی وقت میں نار کو مل گیا۔

اولاد

اس کے چار بیٹے تھے، دو بحالت کفر بری طرح تباہ ہوئے اور دو عتبہ اور معتب عام الفتح کو مسلمان ہو کر جنگ حنین میں ہمرکاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے۔ اس جنگ میں معتب کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ دونوں بھائی مکہ ہی میں رہے۔

درہ بنت ابی لہب بھی مسلمان ہوئی یہ حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئی۔ عتبہ، ولید اور ابو مسلم درہ ہی کے بطن سے ہیں۔ درہ نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

انه سئل ای الناس خیر فقال اتقاهم الله و امرهم بالمعروف و انهاهم عن المنکر و اوصلهم لرحمه

لوگوں میں بہتر کون ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا وہ جسے خدا کا تقویٰ زیادہ ہو، جو لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتا، برے کاموں سے روکتا اور قرابت مندوں سے سلوک کرتا ہے۔

یہ حدیث بھی درہ بنت ابی لہب سے مروی ہے۔

لا یؤذی حی بمیت

کسی مردے کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جا سکتی۔

۵: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خصائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال آگے تھے۔ ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت جناب تھا۔ یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔

حضرت عباس جاہلیت میں بھی رئیس قریش تھے۔ عمارۃ المسجد الحرام اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ سقایہ کے معنی تو مشہور ہی ہیں (پیاؤ لگانا) مگر عمارت سے مطلب یہ ہے کہ بیت الحرام کے اندر کسی شخص کو باہم تکرار ہونے نہ دیتے تھے اور کوئی شخص فحش بکنے کے اندر

بیہودہ بات زبان پر نہ لا سکتا تھا۔

جنگ بدر میں قید ہونا

جنگ بدر میں یہ قریش کی جانب تھے اور پکڑے گئے تھے۔ان کی مشک بندی زور سے کر دی گئی تھی جس کی تکلیف سے وہ ہائے پکار کرتے تھے۔

یہ آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک آتی تھی اور آپ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلتے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا عباس کے کراہنے سے مجھے نیند نہیں آتی۔ تھوڑی دیر ہو چکی تو یہ آواز حضور نے نہ سنی۔ فرمایا عباس کا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ان کی مشک بندی کھول دی ہے فرمایا جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرو۔

اسلام

حجاج بن علاط کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عباس قدیم الاسلام تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کفار کی خبریں حضور تک پہنچایا کرتے اور غریب مسلمانان مکہ کی امداد فرمایا کرتے۔ اظہار اسلام کے بعد حنین طائف اور تبوک کے غزوات میں شامل ہوئے۔

اظہار اسلام سے پیشتر بیعت عقبہ ثانیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حاضر تھے۔ بدر میں عقیل اور نوفل برادر زادوں اور حارث برادر خود کا فدیہ انہوں نے خود ادا کیا تھا۔ جنگ حنین میں حضرت عباس برابر رکاب نبویؐ سے چمٹے رہے۔

فضائل ومناقب

اسلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نہایت حرمت وعزت فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے هذا عمی و صنوابی (یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں)۔

حضرت عباس جواد و مطعم اہل قرابت سے سلوک کرنے والے صاحب رائے وتدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے۔

وفات

انہوں نے ۱۲ رجب (یا رمضان) ۳۲ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی حضرت عثمان غنی نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

اولاد

ان کے فرزند یہ ہیں۔

فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمن (ام حبیب دختر) یہ سب تو ام الفضل کے بطن سے ہیں اور عون بن عباس ایک دوسری ماں سے اور تمام و کثیر ایک اور ماں سے حارث ایک اور ماں سے ہیں۔

۱- فضل بن عباس سب سے بڑے ہیں۔ باپ کی کنیت ابوالفضل اور ان کی ماں (لبابہ الصغریٰ) کی کنیت ام الفضل انہی کے نام پر ہے۔ یہ غزوہ حنین میں شریک اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اور غسل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔

خلافت صدیقی ۱۳ھ یا فاروقی ۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ ایک لڑکی ام کلثوم باقی چھوڑی۔ اس کا نکاح اول امام حسنؓ کے ساتھ پھر ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ ہوا تھا۔ عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۲: عبداللہ بن عباس حضرت عباس کے فرزندوں میں سب سے زیادہ مشہور، حبر امت اور ربانی امت کے لقب سے ملقب ہیں۔ ۶۸ھ میں ستر سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اللھم علمہ الحکمۃ و تاویل القرآن ایک حدیث میں دوسرے الفاظ دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہیں: اللھم بارک فیہ و انشر منہ واجعلہ من عبادک الصالحین

مسروق کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر میں کہتا تھا کہ سب سے زیادہ حسین ہیں، گفتگو سن کر یقین ہوتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح ہیں اور ان کی روایات سن کر معلوم

ہوتا تھا کہ یہ سب سے بڑھ کر عالم ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل وصفین و نہروان میں یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں مع اپنے فرزندان حسن وحسین اور محمد کے حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اس پر ان کے اشعار ہیں۔

ان یا خذ اللہ من عینی نورهما فقی لسانی و قلبی منهما نور

قلبی ذکی و عقلی غیر ذی دخل و فی فمی صارم کالسیف ماثور

علوم شعر وانساب اور ایام عرب اور وقائع عرب اور علم حدیث وفقہ وتفسیر میں امام تھے۔ خلفاء عباسیہ انہی کی اولاد ہیں ابن عباس نے ڈیڑھ ہزار سے کچھ زائد احادیث کی روایت کی ہے۔ خلفائے بغداد جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک رہی انہی کی نسل سے تھے۔ بہاولپور کے عباسی نواب اسی شاخ عالی سے ہیں۔

۳: عبید اللہ بن عباسؓ یہ اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ علی مرتضیٰ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم یمن بنایا تھا اور ۳۶ھ و ۳۷ھ میں یعنی دو سال تک حضرت علی مرتضیٰ کے حکم سے امیر الحاج بھی بنے رہے۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اجود الناس مشہور تھے۔

۴: معبد عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں بعہد خلافت عثمان غنی ملک افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

۵: قثم بن عباسؓ عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ میں عبید اللہ اور قثم کھیل رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔

مجھے آگے اور قثم کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ہمارے لئے دعا بھی فرمائی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم مکہ کر دیا تھا اور شہادت مرتضوی تک یہ اسی جگہ مامور رہے۔ قثم سعید بن عثمان غنی کے ساتھ سمرقند کے جہاد کو گئے تھے۔ وہیں شہید ہوئے۔

ایک شاعر ان کی مدح میں لکھتا ہے

کم صارخ بک مکروب و صارخة یدعوک یا قثم الخیرات یاقثم

بہت سے مصیبت زدہ مرد اور عورتیں قثم بن قثم کو پکارا کرتے ہیں۔
سب سے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی الگ ہوئے تھے۔ یعنی لحد مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہی باہر نکلے تھے۔
۶: کثیر وفات نبوی سے چند ماہ پیشتر ۱۰ ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فقیہ ذکی و فاضل تھے ان کی ماں رومیہ (یورپین) تھیں۔
۷: تمام کثیر کے مادر زاد بھائی اولاد عباس میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بڑے بہادر حملہ آور تھے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے حاکم مدینہ بھی رہے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔
۸: عبدالرحمن عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔
۹: ام حبیب دختر عباس کا نکاح اسود بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔ سفیان ام المومنین ام سلمہؓ کا حقیقی برادر ہے۔

۶: زبیر بن عبدالمطلب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۲ سال کے تھے جب ان کا انتقال ہوا۔ حلف الفضول کے قیام میں انہوں نے بہت سعی کی تھی۔ اس سے ان کی نیکی اور رحم دلی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ زبیر شاعر فصیح البیان تھے۔ اپنے والد کے وصی تھے ان کا ایک فرزند عبداللہ اور دو لڑکیاں صباعہ اور ام حکیم صحابی ہیں۔

عبداللہ ابن زبیرؓ

جنگ اجنادین میں جو بعہد خلافت صدیقی ہوا۔ شہید ہوئے تھے۔ ان کی لاش کے گرد دشمنوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جس سے واضح تھا کہ کیسی شجاعت کے بعد انہوں نے جان بجاں آفریں دی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (ابن عمی و حبی) میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا فرمایا کرتے تھے۔
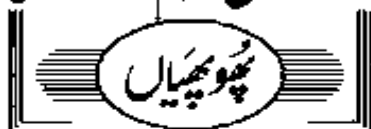
۱: ام حکیم بیضا بنت عبدالمطلب

حضرت عبداللہ و ابوطالب و زبیر کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا نکاح کرز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن مناف سے ہوا تھا۔ ان کے فرزند کا نام عامر تھا۔ جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ عثمان کا بیٹا عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہے جسے حضرت عثمان غنیؓ نے والی خراسان بنایا تھا۔ ام حکیم کی دختر اروی ہیں جو عثمان ذوالنورین کی والدہ ہیں۔

۲: امیمہ بنت عبدالمطلب

ان کا نکاح جحش بن رباب سے ہوا تھا۔ ام المومنین زینب اور ام حبیب اور حمنہ دختران اور عبداللہ بن جحش ان کے پسر ہیں۔

ام حبیب عبدالرحمن بن عوف کی اہلیہ تھیں۔

حمنہ کا پہلا نکاح مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے ہوا۔ اس نکاح سے محمد اور عمران دو فرزند ہوئے جو اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جحش یوم احد کو شہید ہوئے اور اپنے ماموں حمزہ کے ساتھ مدفون ہوئے۔

۳: عاتکہ بنت عبدالمطلب

انہوں نے جنگ بدر سے چند یوم پہلے ایک خواب دیکھا تھا۔ کافروں نے یہ خواب سنا تو خوب ہنسی اڑائی کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوت کرنے لگیں۔ لیکن نتیجہ وہی نکلا جیسا کہ خواب میں ان کو دکھایا گیا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سوار ہے۔ اس نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اٹھایا ہے اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا ہے۔ اس پتھر کے ذرہ ذرہ ریزے ہو گئے۔ ہر ایک ریزہ قریش کے ہر ایک گھر میں جا پہنچا۔ البتہ بنو زہرہ بچے رہے۔ عاتکہ کا معنی ظاہرہ ہے۔

۴: حضرت صفیہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا تھا۔ دوسرا گیا تو نکاح ثانی عوام بن خویلد بن اسد سے ہوا۔ عوام حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے برادر حقیقی تھے۔ اس نکاح سے حضرت زبیر پیدا ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی حضرت زبیر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

سائب بن العوام بھی ان کے فرزند ہیں۔ جو غزوات بدر و خندق میں اور جنگ یمامہ میں نبرد آزما ہوئے تھے۔ صفیہ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن ہیں انہوں نے جنگ خندق میں ایک یہودی کو قتل بھی کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا۔

انہوں نے اپنی قوت ایمانیہ کے کمال کا ثبوت جنگ احد میں دیا تھا۔ حمزہؓ جیسے بھائی کو خاک و خون میں دیکھا۔ ان کی لاش کو بے حرمت شدہ پایا۔ پھر بھی نہ روئیں۔ تہ چادر میں جمع رہ کر کے چلی آئیں۔

۵: برہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی سے ہوا تھا۔ ابو سلمہ عبداللہ

ان ہی کے فرزند ہیں۔ جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اول ہیں۔ ابو سلمہ کا شمار اسلام میں داخل ہونے والوں میں گیارہواں ہے۔ ابو سلمہ کا حال ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں ہے۔

۶: اروی عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی حقیقی بہن ہیں۔ ابن سعد اور ابن القیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب ان کے فرزند طلیب نے ماں کو اپنے اسلام کی خبر سنائی تو اروی خاتون نے کہا:

تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے بخدا اگر ہم عورتوں کو مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم اس کا بچاؤ کیا کرتیں اور اس کے دشمنوں کا جواب دیا کرتیں۔

اروی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجائنا و کنت بنا برا ولم تک جافیا

کان علیٰ قلبی لذکر محمد و ما جمعت من النبی المحاویا

اروی کا نکاح عمیر بن وہیب بن عبد بن قصی سے ہوا تھا۔ ان کے فرزند طلیب قدیم الاسلام تھے۔ ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اول ہجرت حبشہ کی اور پھر ہجرت مدینہ۔ بعض کے نزدیک طلیب پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں خون بہایا۔ بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص ہیں۔ جنگ بدر میں حاضر ہوئے واقعہ اجنادین میں شہید ہوئے اولاد نہیں چھوڑی۔

زید ابن ابی الحارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ اور ثوبان اور ابو کبشہ اور یہ جنگ بدر میں موجود تھے اور جس روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے وفات پائی اور انیسہ اور شقران ایک روایت یہ ہے کہ شقران کو اپنے والد ماجد سے وراثت میں پایا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ شقران کو عبدالرحمن بن عوف سے خریدا تھا اور رباح اور یسار اور ان کو قبیلہ عرینہ کے بعض باغیوں نے قتل کر دیا تھا اور ابو رافع ان کو حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا تھا۔ انہوں نے جس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ آنحضرتؐ نے ان کو آزاد فرمادیا اور اپنی باندی سلمہ سے ان کا عقد فرمایا ان سے عبید اللہ نامی فرزند تولد ہوئے جو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے محرر تھے۔

ابو مویہبہ اور فضالہ فضالہ کا شام میں انتقال ہوا اور رافع ان تمام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمادیا۔ اور مدعم جن کو رفاعہ جذامی نے پیشکش فرمایا تھا۔ یہ وادی القریٰ میں شہید ہوئے اور کرکرہ ان کو ہوذہ بن علی یمانی نے پیشکش فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی آزاد فرمادیا۔ اور زید جد بلال بن یسار اور عبیدہ اور طہمان اور مابور قبطی جن کو شاہ مقوقس نے ہدیۃً دیا تھا اور واقد یا ابو واقد اور ہشام اور ابو ضمیرہ جو مال فئی میں سے تھے۔ غزوہ حنین میں ان کو آزاد کر دیا اور عسیب احمر اور عبید اور سفینہ یہ پہلے ام سلمہ کے غلام تھے۔ انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ جب تک زندہ رہیں انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور یہ شرط لگائی کہ جب تک زندہ رہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ شرط نہ بھی کی جاتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مفارقت اختیار نہ کر سکتا تھا۔

ابو ہند اور انجشہ جو اونٹوں پر حدی کہتے تھے۔ اور ابو امامہ یہ کل ستائیس نفر ہیں بعض اہل سیر نے اس سے زیادہ تعداد بتلائی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سترہ باندیاں تھیں۔ سلمٰی ام رافع رضوی امیمہ ام ضمیر اور ماریہ شیریں ام ایمن جس کا نام برکہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ اور چھ عورتیں بنی قریضہ کی اور میمونہ بنت سعد خضرہ خویلہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ خادم انس بن مالک اور حارثہ کی دو لڑکیاں ہند اور اسماء اور ربیعہ بن کعب سلمٰی اور عبداللہ بن حوذ عقبہ بن عامر اور بلال اور سعد اور ذوالمخمر یا ذومخبر جو کہ نجاشی کے بھتیجے یا بھانجے تھے اور بکیر بن شداخ لیثی اور ابوذر غفاری تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کرنیوالے

غزوہ بدر میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی فرمائی اور غزوۂ احد میں ذکوان بن عبد قیس اور محمد بن مسلمہ انصاری نے اور غزوۂ خندق میں حضرت زبیر نے اور غزوۂ وادی القریٰ میں عبادہ بن بشیر اور سعد بن ابی وقاص اور ابی ایوب اور حضرت بلال نے اور جب کہ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سے نگہبانی اٹھادی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد

عمرابن امیہ کو نجاشی کے پاس بھیجا (نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے) جس کا نام اصحمہ تھا جس کے معنی عربی میں عطیہ اور بخشش کے ہیں۔ جس وقت نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کے پاس پہنچا نامۂ اقدس دونوں آنکھوں پر رکھا اور تعظیماً تخت سے نیچے اتر گیا

اور زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام لے آیا۔ ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال ہوا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

فائدہ

یہ غائبانہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی امت کے لئے جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

اور دحیہ کلبی کو شاہ روم کے پاس جس کا نام ہرقل تھا۔ بھیجا۔ اس نے دلائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کر لی اور اسلام لانا چاہا لیکن قوم راضی نہ ہوئی۔ یہ اس خوف سے کہ اگر قوم کی خلاف مرضی اسلام لے آیا تو سلطنت جاتی رہے گی۔ اسلام نہ لایا۔ اور عبداللہ بن حذافہ کو کسریٰ شاہ فارس کے پاس بھیجا۔ اس بے ادب نے نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ چنانچہ بہت جلد ہی مارڈالا گیا۔

اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کے پاس (مقوقس مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ کا لقب ہے) مقوقس نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماریہ قبطیہ اور شیریں کنیز پیش کیں اور ایک خچر سفید دلدل نامی ہدیہ بھیجا اور ایک روایت ہے کہ ہزار دینار اور بیس کپڑے بھی ہدیہ بھیجے۔

اور عمرو بن العاص کو جیفر اور عبداللہ پسران جلندی عمان کے بادشاہوں کے پاس دونوں نے اسلام قبول کیا اور عمرو کو رعایا سے زکوۃ لینے اور ان کے معاملات فیصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی چنانچہ عمرو آنحضرت کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔

اور سلیط بن عمرو کو ہودہ بن علی حاکم یمامہ کے پاس اس نے حضرت کی تعظیم کی اور خدمت اقدس میں پیغام دیا کہ جس طرف آپ مجھ کو بلا رہے ہیں مبارک چیز ہے لیکن میں اپنی قوم کا خطیب و شاعر ہوں اس لئے مجھ کو امر خلافت میں تصرفات عنایت کئے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور یہ بھی مسلمان نہ ہوا۔

اور شجاع ابن وہب کو شاہ بلقا حارث غسانی کی جانب روانہ فرمایا۔ (بلقا شام کے علاقوں

میں سے ایک شہر کا نام ہے) حارث نے نامہ مبارک کی کچھ عظمت نہ کی۔ اور کہا کہ مع لشکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ شاہ روم نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔ اور مہاجر بن امیہ کو یمن میں حارث حمیری کی جانب روانہ فرمایا اور علاء بن حضرمی بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوہ کی جانب یہ مسلمان ہو گیا اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ فرمایا۔ وہاں کے بادشاہ اور رعایا بغیر جنگ و جدل کے مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محررین

چار خلیفہ رضی اللہ عنہم اور عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارقم اور ابی کعب اور ثابت بن قیس بن شماس اور خالد بن سعید اور حنظلہ بن قاور زید بن ثابت اور معاویہ اور شرجیل بن حسنہ یہ تیرہ محرر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اصحاب

وہ اصحاب جو کہ زیادہ عنایت سے مخصوص تھے وہ چاروں خلفائے راشدین حضرت حمزہ اور حضرت جعفر اور حضرت ابوذر اور حضرت مقداد اور حضرت ...... اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

اسمائے عشرہ مبشرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں دس صحابہ کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ جنتی ہیں اس کے علاوہ بعض صحابہ کے لئے بھی یہ بشارت مذکور ہے مگر وہ اس مجلس میں نہ تھے۔ اس لئے وہ اس شمار میں نہیں۔ چاروں خلفاء اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر ابن عوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو عبیدہ ابن الجراح اور سعید بن زید۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریاں اور مویشی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں دس گھوڑے تھے۔ اس عدد میں اختلاف بھی ہے۔ سکب جس پر غزوہ احد میں سوار تھے۔

اس کا رنگ کمیت تھا لیکن پیشانی اور تین پاؤں سفید تھے اور ایک داہنا پاؤں ہم رنگ جسم تھا۔ اس کی فربہی مناسب جسم کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر گھوڑ دوڑ فرمائی اور بازی لے گئے اور مسرور ہوئے۔ مرتجز یہ وہی گھوڑا ہے کہ خزیمہ بن ثابت نے جس کے لئے گواہی دی تھی۔ لزاز یہ مقوقس کے ہدایا میں سے تھا۔ لحیف ربیعہ نے ہدیہ پیش کیا تھا۔ ظرب، ملاوح، سبحہ یہ گھوڑا تاجروں سے خریدا تھا اور تین مرتبہ اس پر دوڑ فرمائی اور دست اقدس اس کے چہرے پر پھیرا اور ما انت الا بحر ارشاد فرمایا اور بحر قدم باز تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔

دو تین خچر۔ دلدل نامی جو مقوقس کے ہدایا میں سے تھا اور یہ پہلا خچر ہے کہ اسلام میں اس پر سواری ہوئی۔ فضہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا تھا۔ ایلیہ شاہ ایلہ نے پیش کیا تھا۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار میں ایک دراز گوش بھی تھا جس کا نام یعفور تھا۔ ورکا سے یعفور کا ہونا مرکر روایات میں ثابت نہیں ہے۔

اور بیس اونٹنیاں شیر دار موضع غابہ میں جو مدینہ طیبہ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھیں اور ایک دودھ والی اونٹنی سعد بن عبادہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ جو بنی عقیل کے مواشی میں سے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قصویٰ نامی اونٹنی بھی تھی اور اسی پر ہجرت فرمائی تھی جس وقت وحی نازل ہوتی تھی سوائے قصویٰ کے کوئی چیز ان کا وزن برداشت نہیں کر سکتی تھی اور قصویٰ کو عضبا اور جدعاء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی کے اونٹ کے ساتھ دوڑ ہوگئی۔ اور اعرابی کا اونٹ بازی لے گیا یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (بمقتضائے حکمت) یہ لازم کر دیا ہے کہ دنیا میں جس چیز کو غالب کیا جاتا ہے۔ اس کو کسی نہ کسی وقت مغلوب بھی کیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو بکرے بکریاں تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار اور آلات

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں ان میں سے ایک کا نام ذو الفقار تھا جو غزوۂ بدر میں بنی الحجاج کے مال غنیمت سے دستیاب ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ اس تلوار کے دونوں جانب کچھ دندانے پڑ گئے۔ آپ نے یہ تعبیر لی کہ مسلمانوں کو ایک گونہ ہزیمت پیش آئے گی۔ چنانچہ غزوۂ احد میں اس کی تعبیر واقع ہوئی۔

اور تین تلواریں قلعی اور بتار اور حتف بنی قینقاع (ایک یہودی قبیلہ) سے مال غنیمت میں دستیاب ہوئی تھیں اور دو تلواریں مجذم اور رسوب تھیں اور ایک تلوار جو والد ماجد سے میراث میں پائی تھی اور تلوار مسمی بہ عضب جو سعد بن عبادہ نے پیش فرمائی تھی اور ایک تلوار قضیب تھی یہ سب سے پہلی تلوار ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمائل فرمائی اور ذات اقدس کے قبضہ میں چار نیزے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام مثنی تھا اور بقیہ تین نیزے بنی قینقاع سے غنیمت میں دستیاب ہوئے تھے اور ایک چھوٹا نیزہ تھا جو عیدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (بغرض سترہ) کھڑا کیا جاتا تھا اور ایک لاٹھی سرکج (یعنی مڑی ہوئی موٹھ) کی ایک ہاتھ لمبی تھی اور ایک نیم عصا تھا جس کو عرجون کہا جاتا تھا۔ اور ایک پتلی چھڑی جس کا نام مشوق لیا جاتا تھا اور چار کمان اور ایک ترکش تھا اور ایک ڈھال تھی صحاری اور ایک کرتا سحولی اور ایک جبہ یمنی اور چادر منقش اور تین چار کوفیہ یعنی چھوٹی پست ٹوپیاں اور ایک لحاف ورس کا رنگا ہوا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چمڑے کی تھیلی تھی جس میں آئینہ اور ہاتھی دانت کا کنگھا اور سرمہ دانی اور قینچی اور مسواک رکھا کرتے تھے اور بچھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چمڑے کا تھا جس میں درخت کھجور کا گودا بھرا ہوا تھا۔

اور ایک پیالہ تھا جس میں تین پترے چاندی کے لگے ہوئے تھے اور ایک پیالہ پتھر کا تھا اور ایک برتن کانسی کا تھا جس میں مہندی اور وسمہ بناتے تھے اور اس کو سر اقدس پر رکھ لیتے تھے جس سے مہندی اور وسمہ جلد رنگ چھوڑ دیتے تھے اور کانچ کا پیالہ بھی تھا اور برتن کانسی کا غسل کے لئے تھا اور ایک بادیا بھی تھا اور ایک پیمانہ بھی تھا (اور ایک برتن) چوتھائی صاع کا جس سے صدقۂ فطر ناپ کر دیا کرتے تھے۔ اور انگوٹھی چاندی جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا اور جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا موجود تھی اور ایک روایت ہے کہ انگوٹھی لوہے کی تھی اور نگینہ چاندی سے جوڑا گیا تھا۔ جس پر نرگس کی تصویر بنی ہوئی تھی اور بطور ہدیہ آئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس پر رکھ دیا وہ تصویر غائب ہوگئی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعل اور قبیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کا چاندی کا تھا اور نعل اور قبیعہ کے درمیان بھی چند حلقے چاندی کے تھے۔ قبیعہ وہ چیز ہے جو قبضہ تلوار کے قریب چاندی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور اسی طرح نعل وہ چیز ہے جو تلوار کی باریک جانب میں چاندی وغیرہ سے بناتے ہیں۔

اور دو زرہیں جو بنی قینقاع کے ہتھیاروں سے دستیاب ہوئی تھیں ایک کا نام سعدیہ اور دوسری کی فضہ تھا اور ایک زرہ جو غزوۂ حنین میں پہنی تھی اس کا نام ذات الفضول تھا۔

اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی (جو انہوں نے جالوت کے قتل کے وقت پہنی تھی) بھی موجود تھی۔ اور ایک خود تھا جس کا نام ذوالسبوغ لیا جاتا تھا اور ایک پٹکا چمڑے کا تھا جس میں تین کڑے چاندی کے پڑے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ حسب ذیل اشیاء چھوڑیں۔
دو عدد حبرہ (حبرہ یعنی چادر کو کہتے ہیں) اور تہبند یعنی اور دو کپڑے اور نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو موزے سادہ پیش کئے تھے۔ حضورؐ ان کو استعمال فرماتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ کمبل تھا اور ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب لیا جاتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استعمالی کپڑوں کے علاوہ دو اور کپڑے بھی تھے جو نماز جمعہ میں استعمال فرماتے تھے اور ایک رومال تھا جس سے بعد وضو روئے انور پونچھتے تھے۔

ازواجِ مطہرات

رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین

حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اولاد مبارک کے بارے میں تمام تر تفصیلات "سیرۃ المصطفےٰ" صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہیں۔

فضائل ومناقب

ازواج مطہرات' مومنین کی مائیں ہیں

ارشاد الٰہی ہے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیویاں مومنین کی محترم مائیں ہیں۔

مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔

(۱) امہات المومنین کا عظیم الشان لقب انہیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذلکم کان عند اللہ عظیماً ان تبدوا شیئاً او تخفوہ فان اللہ کان بکل شیء علیماً

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کرو البتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اگر تم اس قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

ازواج مطہرات کا خصوصی مقام و مرتبہ

یٰنسآء النبی لستن کاحد من النساء ان تقیتن فلا تخضعن با لقول فیطمع الذی فی قلبه مرض و قلن قولاً معروفاً و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرجا الجاهلیة الاولیٰ واقمن الصلوٰة واتین الزکوٰة و اطعن الله و رسوله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیراً واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من ایات الله والحکمة ان الله کان لطیفاً خبیراً

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو۔ پس تمہارے تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت نرمی سے کام نہ لینا۔ مبادا کوئی دل کا روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں پڑ جائے اور کہو بات بات کے طریقے کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی رہو۔

اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔

آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے لئے شاہد عدل ہے جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ کو بھی اس حکم میں داخل

فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح آیۃ لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم دراصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح آیۂ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل واولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخرت تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعاً کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور لفظ آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد

آپ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اور نو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبرئیل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آگئے۔

متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرسۃ النسوان کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں۔ ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل کیا۔

نام ونسب

ام المومنین خدیجہؓ بالا جماع آپ کی پہلی بیوی ہیں اور بالا جماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیلۂ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔

سلسلۂ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔

لقب

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

پہلا نکاح

آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح وبلیغ تھے۔ حلیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

دوسرا نکاح

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی

جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ کی بیوہ رہ گئیں۔

دوسری دفعہ کی بیوگی

نفیسہ بنت منیہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔

سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہی نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جائے۔ ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولہا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہوا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر با ایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور روساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دور بین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا۔ بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوایا گیا تھا تاکہ ان کی طہارت و نزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو امین کہلوایا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ چونکہ حضرت خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وطہرک واصطفاک

علیٰ نساء العالمین سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتداء کی۔ اور روساء مکہ کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب معہ اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آنحضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔

مجلس عقد میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ ابو طالب جب خطبۂ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصر سی تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔

حضرت خدیجہؓ کی دانائی وحق پرستی

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل سے میری کوئی غرض نہیں مگر یہ کہ مجھ کو یہ امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ بھی تیرے عمل کو ضائع نہ کرے گا۔ حضرت خدیجہ بار

یا ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں۔ ورقہ یہ جواب دیتے۔

میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آ رہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہو گا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور وغل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔

حضرت خدیجہ نے سن کر یہ جواب دیا۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام ہیں۔ یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے۔ البتہ اے جبریل آپ پر سلام ہو، اور یارسول اللہ آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو جو اس کو سن رہا ہو۔ سوائے شیطان کے۔

اولاد

انہیں کے بطن سے آپ کے چار صاحبزادیاں زینب و رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ اور دو لڑکے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا)

اولاد ذکور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ پچیس سال آپ کی زوجیت میں رہیں۔ پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپ کے نکاح میں آ گئیں۔ یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

لوئی بن غالب پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصار یہ ہے۔ انصار میں سے قبیلہ بنی النجار کی تھیں۔ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو گئیں۔

حلیہ ومزاج: حضرت سودہ کا قد لمبا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی۔ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا تیں۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا۔ صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی یادگار چھوڑا۔ عبدالرحمٰن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولا میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش

اور گھر کا انتظام سب اسی سے تھا۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں۔ آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔ خولہ اول سودہ کے پاس گئیں اور کہا مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارا پیام دے کر بھیجا ہے۔ سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر انعم صباحا کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔ آپ نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لے کر آئی ہوں۔ آپ نے سن کر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے۔ میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ جب انکو اس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے لئے ایثار

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے۔ میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کئے دیتی ہوں۔ آپؐ نے اس کو منظور فرمایا۔

وفات: ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ واقدی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

نام وکنیت

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ حضرت عائشہؓ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح اور رخصتی

شوال ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جا کر پیام دیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہؓ کا پیام دیا تھا جس کو میں منظور کر چکا ہوں۔ اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

ابوبکر صدیقؓ یہ کہہ کر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ مطعم کی بیوی نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین میں نہ داخل ہو جائے۔ ابوبکر صدیقؓ مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا۔ ابوبکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ

وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابو بکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔"

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔ آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے نکاح کر دیا ہے

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابو بکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔

صدقہ و خیرات

ام درہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بوریوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔ روزے سے تھیں۔ جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا۔ ام درہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور کرتی میں پیوند لگا ہوا تھا۔

حضرت جبریلؑ کا سلام عرض کرنا

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

امت کی عورتوں پر فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہمنشیں عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے پاس ہدیۃً گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا اور حضرت عائشہؓ کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے اور سب بیواؤں سے۔ معاذ اللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی خصوصیات

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

(۴) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری برأت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انہوں نے سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

وفات

۹ سال آنحضرت کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمدؒ اور عبداللہ بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔

پیدائش اور نام و نسب

حضرت حفصہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں غزوہ بدر کے بعد خنیس کا انتقال ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان غنی سے مل کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا

نکاح آپ ؐ سے کر دوں ابوبکر صدیق سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپ ؐ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق سے ملنا ہوا حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے۔ اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا۔ مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ ؓ سے نکاح فرمایا۔

اللہ کے ہاں مقبولیت

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔

حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گزار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے رجوع فرمالیا۔

نام اور لقب

زینب آپ کا نام تھا۔ چونکہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ باپ کا نام خزیمہ بن الحارث ہلالی تھا۔

پہلا نکاح و بیوگی

پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا۔ ۳ھ میں عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

وفات

نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔

نام ونسب

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قریشی مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔

پہلا نکاح اور اسلام

پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا۔ انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

بیوگی

ابوسلمہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہوگیا یکم محرم الحرام ۴ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہوگیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الآخری ۴ھ میں انتقال کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا للہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے۔

اللّٰہم عندک احتسب مصیبتی ھذہ اللّٰہم اخلفنی فیہا بخیر منہا

اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہؓ نے چند عذر پیش کئے۔

(۱) میرا سن زیادہ ہے۔

(۲) میں عیالدار ہوں۔ یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔

(۳) میں بہت غیور ہوں۔ (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپ نے جواب دیا میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی رہے گی۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔

ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

ابن اسحاق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی۔

حسن و جمال

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو

مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔

فہم وفراست

ام المومنین ام سلمہؓ کا فضل اور کمال حسن اور جمال فہم اور فراست عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا۔ یارسول اللہ صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرلیا اور حلق بھی کرالیا۔ یہ عقدہ ام المومنین ام سلمہؓ کے رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر پہنچی ابونعیم کہتے ہیں ۶۲ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری

حضرت زینب بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

پہلا نکاح اور طلاق

آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنٰی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت چونکہ موالی میں سے تھے۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم و من يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا

اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مومنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے۔

جب بار بار یہ جھگڑے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی کو گھر میں رکھ لیا۔ یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنٰی کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنا لیں اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالٰی نے چاہا کہ اس بری رسم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔ غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن وتشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ شرم کے مارے اس پیشگوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ نیز خدا تعالٰی کی طرف سے فی الحال اس پیشگوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دیں اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو

طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء وقدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء وقدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ آخر کار ایک دن زید نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں تنگ آ گیا ہوں اور طلاق دیدی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے۔ (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ حضرت زینب نے فی البدیہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔ چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے۔ اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

فلما قضا زید منها وطراً زوجنا کها

پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن

داخل ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر زینب کو بشارت سنائے۔ اور اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ اخیر تک یہ آیتیں آپ نے ہم پر تلاوت فرمائیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجتا کہا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدہ شکر بجا لانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھ کر نکاح ہے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام برہ تھا۔ تو یہی کہا کہ میرا نام برہ ہے۔ آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔

نکاح کا سنہ اور عمر

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب ۳ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ ہجری میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔

ولیمہ کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیات

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ آپ نے شدۃ حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارکباد دی کے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یآ یھاالذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الآ ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین اناہ ولکن اذادعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللّٰہ لا یستحیی من الحق و اذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من ورآء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے ورآنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا تو آجاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

حضرت زینب کی خصوصیات

حضرت زینبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یارسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے جد امجد ایک ہی ہیں۔ یعنی عبدالمطلب ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبریل امین اس بارہ میں کوشش کرتے رہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور نہ ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام لے کر گئے فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت میمونہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مال فئے مہاجرین پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھڑک دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

انها اواهة تحقیق یہ بڑی اواہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اواہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ اواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وان ابراهیم لحلیم اواه منیب

تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

تقویٰ وزہد

حضرت عمرؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔

لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت زینب نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور اس مال کے درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ تا کہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے۔

اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ اور پھر مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے۔ چنانچہ سال گزرنے نہ پایا تھا کہ انتقال ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔ جو صرف ایک سال کے لئے لیا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اے اللہ یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ آئے تحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔ اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کئے اور سلام کہلا کر یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ نے خیرات کر دیا۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کے لئے رکھ لیں۔ حضرت زینب نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی

ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانبا ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لانبا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست وبازو سے کماتی تھیں چمڑا رنگنے کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔

پہلے سے کفن کی تیاری

کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

وفات

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

حضرت عمرؓ کا خراج تحسین

افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔

خاندان

حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ مریسیع میں مارا گیا۔

گرفتاری

اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں۔

آزادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ ۵ ہجری میں آپ کی زوجیت میں آئیں اس وقت آپ بیس سال کی تھیں۔

وفات

ربیع الاول ۵۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم

نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الصبح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان اللہ عدہ خلقہ ۳ بار سبحان اللہ رضا نفسہ ۳ بار

سبحان اللہ وزنۃ عرشہ ۳ بار سبحان اللہ مداد کلماتہ ۳ بار

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ و مداد کلماتہ

سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا

پیدائش اور نام و نسب

رملہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا۔ جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔

نکاح، اسلام اور ہجرت حبشہ

پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا ام حبیبہؓ ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوگئیں۔ چند روز کے بعد عبیداللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

خواب اور بیوگی

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہوگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کے نام پیغام

چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنین کہہ کر آواز دے رہا ہے جس

سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا۔
ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔

نجاشی کا بطور وکیل آپکا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا

نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنالو۔ ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے ابرہ کو دے دیئے۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للہ الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار اشھد ان لاالٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ و انہ الذی بشر بہ عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیھما وسلم

اما بعد. فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی ان ازوجہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان فاجبت الیٰ مادعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد اصدقتھا اربعمأتہ دینار

حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں۔ اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسےٰ بن مریم صلے اللہ علیہما وسلم نے بشارت دی ہے۔

امابعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کردوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کردیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا ہے۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الحمد لله احمده واستعينه واستغفره واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله ارسله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون.

اما بعد. فقد اجبت الى مادعا اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم و زوجت ام حبيبه بنت ابى سفيان فبارک الله لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الحمد للہ۔ میں اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

ولیمہ

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھئے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرہہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرہہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے

اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لے کر آپ کے پاس آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد

ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا اسلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے۔ آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ

انتقال

۴۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

کل عمر

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہٰذا اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۳ سال کی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے آخری گفتگو

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ ام حبیبہؓ نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا و ران سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔

سیدہ صفیہ بنتِ حُیَیّ بن اخطب
رضی اللہ عنہا

خاندان: حضرت صفیہ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں۔ حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔

پہلا نکاح

پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا۔ سلام کے طلاق دے دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا۔

گرفتاری، آزادی اور حرم نبوی میں شمولیت

غزوۂ خیبر ہی میں ان کا خاوند قتل ہوا اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔

عجیب شان کا ولیمہ

ولیمہ عجیب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔ مقام صہبا میں تین روز آپ نے قیام کیا اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المومنین ہیں ام ولد نہیں۔

خواب

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف تھا۔

حضرت صفیہؓ کی خصوصیت

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جاں نثاری

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں۔ حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلے میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔

خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔

اپنے زیور کی تقسیم

سعید بن مسیب سے مرسلا مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بسند صحیح)

سبحان اللہ۔ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا۔

وفات: ماہ رمضان المبارک ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

نام و نسب

میمونہ آپ کا نام ہے۔ باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔

نکاح

۷ ذی قعدہ ۷ ہجری میں جب آپ عمرۂ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں۔ جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ آپ سے پہلے ابو رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے پیغام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباس نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (… نسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے۔ ام

بخاری کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے۔

وفات

۵۱ ہجری میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا۔ تین اول الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمان جونیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ۔

کنیزیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار کنیزیں تھیں۔

۱: ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے بطن سے ہیں۔ ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانہ خلافت ۱۴ ہجری میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۲: ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں۔ اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

۳: نفیسہ رضی اللہ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المومنین زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں۔ حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔

ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک

حدیث میں ہے خیرکم خیرکم باھلہ وانا خیرکم باھلی سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبے) کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک شوہر کے لئے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوتی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے، پینے، مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ برابر سلوک فرمایا کرتے۔ عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جاکر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

بیویوں کی سہیلیوں کی عزت فرمایا کرتے اور ان کے عزیز و اقارب کو حسن سلوک سے خوش رکھتے۔ سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لیتے۔ ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان جن کو اللہ پاک نے حجرات اور بیوت النبیؐ اور بیوتکن فرمایا ہے باہم پیوست تھے۔ مکان نہایت مختصر تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ جس کا دروازہ مسجد نبوی کے اس حصہ پر کھلتا ہے جسے روضۃ من ریاض الجنۃ خیابان جنت میں سے ایک چمن فرمایا گیا ہے۔ اس قدر تھا کہ جب نماز جنازہ مطہرہ کے لئے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس آدمیوں سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ حجرات کے اندر سامان برائے نام ہوتا تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حضورؐ کے آرام فرمانے کے لئے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ جسے دو تہ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں حضورؐ کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

ام سلمہؓ کو ام المومنین ہونے کے بعد ام المساکین زینبؓ کا گھر ملا تھا۔ ان کو اس گھر میں جو اثاث البیت نظر آیا وہ ایک چکی اور چند میر جو تھے۔ ابن عباسؓ نے بتایا ہے کہ ان کی خالہ ام المومنین میمونہؓ کے گھر میں پانی ایک مشک میں ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیالہ چوبی کا ذکر کیا ہے۔ جسے مختلف اشربہ میں برتا جاتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بیوی کے لئے ۸۰ وسق کھجور کے اور ۲۰ وسق جو کے سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔ دودھ کے واسطے گویا ہر ایک بیوی کو ایک ایک دودھ والی اونٹنی ملا کرتی تھی۔ ازواج مطہرات بھی ہر ایک شے میں ضرورت کی مقدار رکھ کر باقی سب چیزوں کو بیواؤں اور مسکینوں پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

باوجود اس قدر رواداری اور مہربانی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی بیوی کے منہ سے اپنی سوکن کی نسبت کوئی ایسا لفظ بھی نکلے جو ان کی شان بلند سے گرا ہوا ہو۔

ام المومنین زینبؓ بنت جحش نے ایک بار ام المومنین صفیہؓ کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا نسب یہود بن یعقوب تک منتہی ہوتا تھا۔ مگر کہنے کا انداز اور لہجہ حقارت آمیز تھا۔ اسی بات پر حضورؐ کچھ عرصہ تک ام المومنین زینبؓ کے گھر نہ گئے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو خطا بخشی ہوئی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی بات یہودن کہنا بھی مرویات میں نقل کی گئی ہے تو ہم کو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا صحیح تصور بندھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بات اگر بھی کبھی ہوئی ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت میں آ جاتی۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان عالیہ کا تھا کہ زوجات کو تاثرات طبعی و جنسی سے ارفع و اعلیٰ بنا کر محبت صادق ایمانیہ میں متفق و متحد بنا دیا تھا۔

اس راز کے سمجھنے سے وہ افراد قاصر ہیں جو تعلقات زوجین کی حقیقت صرف خواہشات طبعی کے نفاذ کو سمجھا کرتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے بہشت میں زن و شوہر کے زن و شوہر ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے۔

امہات المومنین کے کام

زنان امت کی خواتین کو تعلیم دینا۔ ان کے معروضات کو حضور نبویؐ میں پہنچانا۔ پھر جواب سمجھانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال و عبادات کو جو حجرات کے اندر کیا کرتے تھے۔ حفظ و اتقان کے ساتھ امت تک پہنچانا مشکلات علمیہ میں فرزندان امت کی رہبری کرنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

قاسم' عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم' زینب' رقیہ' ام کلثوم' فاطمۃ الزہرہ صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہوئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحبزادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

پیدائش

حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اسلام لائیں۔

شادی، ہجرت اور وفات

بدر کے بعد ہجرت کی اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ ہجری میں انتقال کیا۔

اولاد

ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔
علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہدیہ میں سونے کا ایک ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ

حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

حضرت امامہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

۲۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

ابولہب اور اس کے بیٹوں کی بدبختی

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا۔ عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تبت یدا ابی لھب و تب نازل ہوئی ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔

نکاح، ہجرت اور اولاد

آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی۔ ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔

وفات

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے۔ عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثؓ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاجزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکایک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

۳- حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام

ام کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔

نکاح

حضرت رقیہ کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاول ۳ ہجری حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں۔ چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وفات

ماہ شعبان ۹ ہجری میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

عتیبہ کی بدبختی

حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں۔ باپ کے کہنے پر

طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اترا ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آ گیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبالیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی عظمت

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

نام ولقب

فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیدہ کو بتول اس لئے کہا جاتا ہے کہ بتول بتل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوائے اللہ سے منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت وبہجت وصفاء ونورانیت زہراء کہلاتی تھیں۔

پیدائش

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں۔ سب سے بڑی

حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہ اسی ترتیب سے پیدا ہوئیں۔

نکاح

۲ ہجری میں حضرت علی کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ پہلے قول کی بناء پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر انیس سال اور ڈیڑھ مہینے کی تھیں۔ حضرت علیؓ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ پہلے قول کی بناء پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کے بناء پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔ حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ ہجری کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

فضائل ومناقب

حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بار بار آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ سوائے مریم کے آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔

اولاد

حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحبزادی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔

وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ ہجری میں فاطمہ الزہرا نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔

حضرت ابراہیمؓ

پیدائش، عقیقہ

حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سرمنڈوایا گیا۔ بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔

رضاعت

اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔
کبھی کبھی آپ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔

انتقال

تقریباً چدرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔

تاریخ انسانیت میں متعدد شادیاں

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا۔ حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویاں تھیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت و انجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اسلام کا کارنامہ

اسلام آیا اور اس نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کردی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے۔ چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے نہایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے۔ بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی۔

متعدد نکاح کی اجازت کے اسباب

۱: عفت کا تحفظ

نکاح کی غرض وغایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے۔ اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی اور پھر خوشحالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۲: عورتوں کی خوشحالی

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کے چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی ختم ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش وعشرت اور عزت وراحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً وشرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔

۳: عورت کی مجبوری کے ایام میں تحفظ

نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک

عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے متمتع ہو سکے۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

۴: عورتوں کی تعداد کی کثرت

نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کی ایک واضح دلیل ہے۔ مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں۔ اور مرتے زیادہ ہیں۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں۔ پس اگر ایک مرد کی کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں۔

پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان آور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔

۵: تقویٰ کا حصول

تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں۔ جو قومیں زنا سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم وحکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

اہل مغرب کا تعصب

اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا۔ مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ہلاکت اور گرداب معصیت سے نکالیں۔ اس کے لئے حق جل شانہ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں۔

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کئے جائیں۔

بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کی چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے۔ انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں۔

پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی۔ بیرونی زندگی کے حالات کو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل وتحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاق اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آگئے۔ جس سے حضور پر نور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے۔

حضور پر نور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تاکہ عورتوں کی ایک کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور نے متعدد نکاح فرمائے تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پر نور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں جو نہ اپنے حسن وجمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال ودولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش وعشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے

اور ازواج مطہرات کے حجرے در حقیقت امت کی امہات اور معلمات کے حجرے تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ تو انہ چڑھتا ہو اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے۔ اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جائے۔ وہاں عیش و عشرت کا تصور ہی محال ہے۔

ایک عورت کے لئے متعدد خاوند کیوں ممنوع ہیں؟

۱: ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲: نیز مرد فطرۃً حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک وہ آزاد کر لے نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کرنے کے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک طلاق نہ ہو۔ غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یوں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت متعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت۔ لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم کی ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے۔ نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شوہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلہ میں یا ایک شہر میں

یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شوہروں کی کس طرح خدمت بجالائے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہر کی جواز کی قائل ہیں وہ ان سوالات کا جواب دیں۔

۳: نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترک ہوگی یا منقسم۔ اور تقسیم کس طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئیں اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت و بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ تباین خلق وسیرت اور بوجہ تفاوت قوت وہمت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائے گا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر چونکہ سب اولاد سے برابر محبت ہوتی ہے اس لئے ایک دوسری دقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں۔ بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت حقہ نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اگر اس کو پانچ پانڈے میسر آ جائیں اور وہ اس کو قبول بھی کر لیں تو کر لے۔ تمام انبیاء کرام کے مسلم حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ اذا فاتک الحیاء فاصنع ماشئت جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو پھر جو چاہے کر۔

تعدد ازواج کا آغاز اسلام نے نہیں کیا

تعدد ازواج کا مسئلہ دین اسلام کا پیدا کردہ نہیں، نہ ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے (معترض حلقوں کے بقول) تعدد ازواج کا راستہ کھول کر دین اسلام کی اشاعت اور جنسیت کو فروغ دیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

مختلف مذاہب اور اقوام کی مذہبی قانونی اور تاریخی سند اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تعدد ازواج کی رسم اسلام سے قبل بھی مختلف مذاہب اور اقوام میں رائج تھی۔ چنانچہ معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی تصنیف **(Civilization De Arabs)** میں ''تعدد ازواج'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مورخین یورپ کی نظروں میں تعدد ازواج گویا عمارت اسلامی کی بنیاد کا پتھر اور اشاعت دین اسلام کا بڑا سبب ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''تعدد ازواج کی رسم اسلام سے بالکل الگ ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کل اقوام مشرقی، یہود، ایرانی، عربوں وغیرہ میں موجود تھی اور جن اقوام نے مذہب اسلام قبول کیا انہیں خاص اس مسئلہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

(ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن عرب صفحہ ۲۳۷، ۲۷۱ مترجم سید علی بلگرامی مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء)

انسائیکلوپیڈیا بٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر انسانیات جارج مرڈاک (Murdock) کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں تعدد ازدواج کا رواج پایا جاتا ہے۔

(Encyclopaedia Britannica, Vol. 7, P-155.)

جارج مرڈاک ہی کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ۲۵۰ گروہوں یا معاشروں میں سے ۱۹۳ میں تعدد ازدواج (Polygramy) کا رواج پایا گیا ہے۔ (حوالہ سابق)

مذاہب عالم کی تاریخ اور ذخیرہ کتب اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ تعدد ازدواج تمام مذاہب میں خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی ہمیشہ رائج اور جائز رہا ہے۔ اسے صرف اسلام یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت کو ہدف تنقید بنانا واقعیت کی تکذیب ہے۔

غیر الہامی مذاہب میں تعدد ازدواج

غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف اور قابل ذکر حیثیت کا حامل "ہندومت" ہے اس مذہب کا ذخیرہ کتب اور تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی نظر آتی ہے کہ تعدد ازدواج "ہندومت" میں ہمیشہ رائج رہی ہے۔ ہندو دھرم میں زمانہ قدیم سے نہ صرف اس کی اجازت رہی ہے بلکہ آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ (The Position of Women in Hindu Civilization) کے مصنف ڈاکٹر الٹیکر (Dr. A.S. Altekar) اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ویدک لٹریچر میں تعدد ازدواج (Poly Gamy) کے حوالے سے تفصیلی طور پر زیادہ تھیں دیکھئے (کتاب [illegible] ۱۹۸۴ء)

ذیل میں ہندومت کی قابل احترام مذہبی وتاریخی شخصیات کی فہرست دی جاتی ہے جس سے ہندومت میں تعدد ازدواج کی اجازت اور عملاً رواج کا پتہ چلتا ہے"۔

ہندو دھرم کے پیرو "رام چندر جی" کو اپنا بھگوان تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے والد

راجہ دسرتھ کی متعدد بیویاں تھیں۔

(۱) پٹ رانی کوشلیا والدہ رام چندر جی۔

(۲) رانی سمترا والدہ لچھمن جی۔

(۳) رانی کیکئی والدہ بھرت جی۔

سری کرشن جی کی جو اوتاروں میں سولہ کلاں سپورن تھے سینکڑوں بیویاں تھیں۔

راجا پانڈو مشہور پانڈوں کا جد اعلیٰ ہے اس کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) کنتی والدہ یدھشٹر و بھیم سین وارجن۔

(۲) مادری والدہ نکل و سہدیو۔

راجا شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) گنگا والدہ بھیکم۔

(۲) ستیہ وتی والدہ چترانگد و دیگر۔

بچترا ویرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔

(۱) امبکا والدہ دھرتراشٹ پسر بیاس جی۔

(۲) امبالکا والدہ پانڈو پسر بیاس جی۔

(۳) لونڈی والدہ بدر بن بیاس جی۔

بحوالہ (قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم ص ۱۳۸، ۱۳۹ دار الاشاعت کراچی ۱۴۱۱ ہجری)

علاوہ ازیں پدرمتوں کی دس بیویاں مانی جاتی ہیں جبکہ آنکایار برہمن کے رعیہ بریش چندرا کی سو بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو۔

(The Position of Women in Hindu Civilization, P-105)

ڈاکٹر الٹیکر نے سنسکرت کے مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ موخر ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ تعدد ازدواج کا رواج معاشرے کے بعض طبقات میں پوری طرح سرایت کئے ہوئے تھا۔ (حوالہ سابقہ)

معروف مسلمان مورخ اور جغرافیہ دان ابو ریحان البیرونی جنہوں نے کئی ۔ دن تک

ہندوستان میں مقیم رہ کر سنسکرت زبان سیکھی اور یہاں کے علوم وفنون اور رسم ورواج کا مشاہدہ کر کے مستند ترین کتاب ہندی تہذیب وثقافت پر "تحقیق ماللھند" نامی تصنیف کی موصوف مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں۔

"اہل ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ برہمن کے لئے چار، چھتری (کشتر) کے لئے تین، ورویش کے لئے دو اور شوودر کے لئے ایک بیوی ہوگی"۔ (البیرونی کتاب الہند صفحہ ۲۷۳ حیدرآباد دکن ۱۹۵۸ء)

جدید ہندو معاشرے میں تعدد ازدواج کے اعداد وشمار مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی کتاب "تعدد ازدواج پر ایک نظر" صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۲۳ (مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۴ء) پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ تو غیر الہامی مذاہب ہندومت میں تعدد ازدواج کا تاریخی اور علمی مطالعہ تھا۔ غیر الہامی مذاہب میں قابل ذکر حیثیت کا حامل ہندومت ہی ایسا مذہب ہے جس کے پیرو آج بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

یہودیت اور تعدد ازواج

الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں تعدد ازواج کے جواز کے قائل ہیں اور تینوں مذاہب کی دینی ومذہبی تاریخ تعدد ازواج کے جواز پر عامل نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم اور قابل احترام ہے، مذکورہ تینوں مذاہب ساوی آپ کو اپنا روحانی پیشوا اور ابوالانبیاء مانتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج حضرت سیدہ ہاجرہ اور سیدہ سارہ پر تینوں مذاہب متفق ہیں۔

یورپین مصنف ویسٹر مارک (Wester Marck) لکھتا ہے:

"بہت سے مواقع پر تو تھرنے کثرت ازواج کی بابت کافی نرم رویہ اپنایا۔ خدا نے اس سے منع نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم کی جو ایک کامل انسان تھے دو بیویاں تھیں۔ خدا نے عہد نامہ قدیم کے بعض لوگوں کو خاص حالات میں ایسی شادیوں کی اجازت دے رکھی تھی۔

(Wester Marck/ The Future Marrage in Western Civilization london, 1936 P-173)

یہودی مصنف ابراہیم لیون "تاریخ یہود" میں لکھتا ہے کہ تعدد ازدواج کی کوئی قانونی ممانعت نہ تھی۔ یہاں تک کہ قرون وسطیٰ میں (Rabbi Gershom) نے فتویٰ جاری کر دیا جس کے مطابق ایک شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا تھا جتنی کہ اس کے بس میں ہوتیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ (Gideon) کی ستر بیویاں تھیں۔ اور ہم داؤد کی بیویوں میں کم از کم سات کے نام جانتے ہیں۔ یہودی تاریخ میں سب سے بڑا حرم غالباً سلیمان کا ہی تھا۔

(Abram leon Sachar/ A History of The Jews, New York, 1972, P.94)

ہارپر (Horper,s) کی بائبل ڈکشنری میں لکھا ہے کہ:

"عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد ازدواج کی اجازت تھی اور توریتی قانون نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ داشتاؤں، کنیزوں اور دوسری بیویوں کی کثرت ایک معمول تھا۔ حضرت ابراہیمؑ، یعقوبؑ اور یوسفؑ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ بادشاہوں کی بہت سی بیویاں ہوتیں۔ جیسے داؤد اور سلیمان نے سیاسی اتحادوں کے لئے کیں۔ بحوالہ **Horper,s Bible Dictionary by Madeleine Smillier Etc P421)** بنی اسرائیل کے انبیاء تعدد ازدواج کے جواز پر عملاً عامل رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) صفورہ خاتون۔ (کتاب خروج ۲/۱۳)

(۲) حشیر (۳) قینی۔ (قاضیون ۲،۱۶) (۴) حباب۔ (قاضیون ۴/۱۶)

علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے لاتعداد بیویوں کے جواز کا پتہ ذیل کے حوالہ جات سے ملتا ہے۔

"جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں سے گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لائے اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت کو دیکھے اور تیر اجی چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے۔۱۲ تو تو اسے اپنے گھر میں لا اس کا سر منڈا

اور تامن کنوا ۱۳ ۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتار کے گھر میں رہے۔ اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے ساتھ تو خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ (کتاب استثناء ۲۱: ۱۰-۱۳)

عیسائیت اور تعدد ازواج

انجیل کے زمانہ نزول میں (تعدد ازواج) کثیر ازدواجی قبول عام کا درجہ رکھتی تھی اور اس کا عام رواج تھا۔ اور اسے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی طور پر نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر کسی قسم کی تنقید یا اعتراض وارد نہ ہوتا تھا۔ اسی بناء پر انجیل میں اس موضوع سے بحث نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ اس وقت امر واقعہ تھا اور اسے بالکل درست اور فطری سمجھا جاتا تھا۔ انجیل نے نہ اسے ممنوع قرار دیا اور نہ اسے ضابطہ بند کیا اور نہ اس پر کوئی پابندی عائد کی گئی۔

عیسائیت میں اس امر کی گواہی ملتی ہے کہ دس کنواریاں اپنے ہونے والے دولہا سے ملنے کے لئے گئیں اور بائبل کی بہت سی تفاسیر میں ہونے والے دولہا سے مراد یسوع مسیح ہی لئے گئے ہیں۔

جبکہ انجیل متی باب ۲۵ کے مطابق حضرت مسیح نے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر کیا ہے کہ پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی۔ گھر میں گئیں اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں ان کے لئے دروازہ نہ کھولا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کبھی اس تمثیلی بیان کو زبان پر نہ لاتے اگر ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی کا ہونا پسندیدہ نہ تھا۔

عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعدد ازواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی امراء اور سلاطین نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ لیکن کلیسا نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ شارلیمن نے دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کے علاوہ کئی ایک داشتہ عورتیں رکھ چھوڑی تھیں۔

یورپین مصنف ویسٹر مارک (Wester marck) کے مطابق بعض عیسائی فرقے

تعدد ازواج کی بڑی شدت سے وکالت کرتے رہے ہیں۔ ۱۵۳۱ء میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے اس بات کی تبلیغ کی کہ جو سچا عیسائی بننا چاہتا ہے اس کی بہت سی بیویاں ہونی چاہئیں ایک دوسرے فرقے میں معاشی حالات کی اجازت دینے کی صورت میں کثرت ازواج فرض تھی۔ تاکہ آخرت اور دنیا میں بھلائی پا سکے۔ ملاحظہ ہو۔

(Wester Marck/ The Future Marrage in Western Civilization london, 1936 P-173)

انبیائے کرام اور تعدد ازواج

انبیائے سابقین کی عظمت و تقدس پر تینوں آسمانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام متفق ہیں۔ ان کی سوانحی تاریخ تعدد ازواج کے جواز اور اس پر عامل رہنے کی گواہ ہے۔ اور تعدد ازواج کے عدم جواز پر کسی پیغمبر یا نبی کی جانب سے اس کی ممانعت یا عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی انبیائے سابقین میں معروف انبیاء تعدد ازواج پر عامل رہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانحی تاریخ تعدد ازواج پر عامل رہنے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم ہے اور مذکورہ تینوں مذاہب میں آپ ابوالانبیاء اور روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔ تینوں مذاہب کا سلسلہ آپ ہی پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ معروف ہیں۔ حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور دوسری بیوی حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو عربوں کے جد امجد ہیں۔

(۱) سیدہ ہاجرہ ...... (کتاب پیدائش ۴/۱۶) والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام)

(۲) سیدہ سارہ ...... (کتاب پیدائش ۱۵/۱۸) والدہ اسحاق علیہ السلام)

(۳) قتورہ خاتون ...... (کتاب پیدائش ۱/۲۵) والدہ زمران)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مندرجہ ذیل بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) لیاہ ...... (کتاب پیدائش ۳۳/۴۹) والدہ روبن شمعون لاوی یہودہ آشکار زبلون۔

(۲) زلفہ...... (کتاب پیدائش ۲۹/۳۳) والدہ جد آشر۔

(۳) بلہاہ (ایضاً کتاب پیدائش ۲۹/۲۸) والدہ یوسف علیہ السلام و بن یامین۔

(۴) بلہہ...... (کتاب پیدائش ۲۹/۲۹) والدہ دان و نفتالی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویوں کے نام ملتے ہیں۔

(۱) صفورہ خاتون (کتاب خروج ۲/۲۱) والدہ جیرسوم الیعزر۔

(۲) حمیر۔

(۳) ان کے والد کا نام قینی تھا۔ (قاضیون ۱/۱۶)

(۴) ان کے والد کا نام حباب تھا۔ (قاضیون ۴/۱۶)

علاوہ ازیں (کتاب استثناء ۱۰ تا ۲۱/۱۴) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تعدد ازواج کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی درج ذیل بیویاں تھیں۔

(۱)...... اخنوعم۔ (۱۔ سموئیل ۲۶/۲۳) والدہ امنون۔

(۲)...... ابی جیل والدہ کلیاب۔

(۳)...... میکل بنت ساؤل شاہ اسرائیل (۱۔ سموئیل ۱۸/۲۷)

(۴) معکہ بنت تلمی شاہ جسور۔ (۲۔ سموئیل ۳ باب) والدہ ابسلوم

(۵) حجیت۔ والدہ ولی سلوم وادونیاہ

(۶) ابیطال والدہ سفطیہ

(۷) عجلا والدہ تیرعام۔

(۸) بنت سبع دختر ایجام۔ (۲۔ سموئیل ۳/۲۶/۱۱) والدہ سلیمان علیہ السلام۔

(۹) ابی شاگ (۲۔ سموئیل)

(۱۰) دس حرمیں۔ (۲۔ سموئیل ۱۵/۲۰) علاوہ ازیں دیگر حرمیں موجود تھیں۔ (۲۔ سموئیل ۵/۱۳)

انبیائے سابقین میں تعدد ازواج کے حوالے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ تمام انبیاء پر سبقت حاصل تھی۔ آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (سلاطین ۳/۱۱)۔

جبکہ آپ کے بڑے بیٹے رحعام کی ۱۸ بیویاں اور ۶۰ حرم میں تھیں۔ (تواریخ ۱۱/۲۱)

عیسائیوں اور یہودیوں کی ہٹ دھرمی

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء و مرسلین سابقین تعدد ازواج کے جواز کے قائل اور اس پر عمل پیرا تھے۔ تینوں الہامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام مذکورہ تمام انبیاء کی عفت وعصمت اور عظمت وتقدس کے قائل ہیں اور ان کی شان میں گستاخی اور کسی قسم کا اہانت آمیز کلمہ ناجائز اور ناقابل برداشت تصور کرتے ہیں۔ اب اگر مذکورہ انبیاء سابقین کی تعدد ازواج عفت وعصمت، پاکدامنی اور پرہیزگاری کا ذریعہ تھیں تو نبی عفت وعصمت، پیغمبر رحمت، صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج پر غیر مسلم حلقوں بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے کیا جواز ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عزت وعصمت کو شہوت پرستی اور جنسی جنون کے نام پر داغدار کریں۔ اگر وہ انبیائے سابقین کا عمل باوجود تعدد ازواج کے جائز اور عفت وعصمت پر مبنی قرار دیتے ہیں تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو گروہ انبیاء کے سردار و امام ہیں۔ اگر ان کا عمل تعدد ازواج ہدف تنقید قرار نہیں پاتا تو نبی صادق وامین ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آثار مقدسہ کو کیوں داغدار کیا جاتا ہے یہ ضد اور ہٹ دھرمی سراسر مبنی بر ناانصافی ہے۔ اگر تعدد ازواج شہوت پرستی اور جنسی جنونیت کا نام ہے تو نعوذ باللہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شہوت پرست اور جنسی جنونی قرار نہیں پائیں گے بلکہ تمام انبیائے سابقین تعدد ازواج پر عامل رہے اور الہامی وغیر الہامی مذاہب جن کی مذہبی کتب تعدد ازواج کے جواز و استحسان کے دلائل و براہین فراہم کرتے ہیں وہ سب انبیاء اور مذاہب کے بانی شہوت پرست جنسی جنونی اور شہوت وجنسیت کے علمبردار تصور کئے جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

(از ڈاکٹر حافظ محمد ثانی فاضل علوم اسلامی ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی)

پیغمبر اسلام اور تعدد ازواج

مستشرقین کی تنقید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیاں (تعدد ازواج) امت مسلمہ کے لئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و عصمت زہد پرور زندگی اور حیات طیبہ کے ہر دور سے واقفیت رکھتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلی اخلاق اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں اس امر کے معترف ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں پیغمبرانہ زندگی کا حصہ تھیں جس میں لذات نفسانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

لیکن غیر مسلم حلقوں کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں قابل بحث قرار پاتی ہیں۔ غیر مسلم معترضین مستشرقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے حقائق واسباب کو مسخ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کو تعدد ازواج (Poly Gamy) کے حوالے سے ہدف تنقید بناتے ہوئے شہوت پرستی اور لذات نفسانی کے شرمناک بے بنیاد الزامات عائد کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کا پس منظر

ذیل میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کے حقائق پیش کرتے ہیں۔ جن سے قارئین پر واضح ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیاں کن وجوہات کے تحت عمل میں آئیں۔

۱۔ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اس گرم خطہ زمین سے تعلق رکھتے تھے جہاں فطری خواہشات انسان پر غالب ہوتی ہیں۔ جہاں لوگ کم عمری میں جسمانی پختگی کو پہنچ جاتے ہیں اور جہاں خواہشات جسمانی کی آزادانہ تکمیل بر طبقے کے لوگوں میں عام تھی۔

اس کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس برس کی عمر تک جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی کی کسی عورت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ سارے عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بناء پر "الامین" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی کا اعلیٰ معیار واضح ہوتا ہے۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی اس گرم آب وہوا میں اتنی غیر معمولی تاخیر سے حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جو دو بار بیوہ ہونے والی نسبتاً ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ جبکہ عمر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ شادی کا پیغام بھی خود حضرت خدیجہؓ نے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود عمر کے اس واضح فرق اور دو بار بیوہ ہونے کے قبول کر لیا۔ اس وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کہیں زیادہ حسین وجمیل اور نو عمر لڑکیاں شادی کے لئے مل جاتیں اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرستی یا لذات نفسانی کا غلبہ ہوتا۔

۳- جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک عین شباب کا عرصہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵ سال بڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل بستگی ومحبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو۔ بلکہ ان کے وفات پا جانے کے بعد بھی ہمیشہ ان کی یاد کو تازہ رکھا ہو۔ کیا اس مقدس ہستی کی نسبت کسی کے دل میں گمان بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کی شادی کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر حسن پرستوں کی شادیوں میں پائی جاتی ہے۔

انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں ہوئیں۔ سوائے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم کے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ ان کی عمر ۶۵ سال سے متجاوز ہو گئی۔ ان کی زندگی میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی کی اور نہ اپنی اس بیوی کے سوا کسی اور سے تعلق رکھا۔

رسوائے زمانہ آریہ سماج لیڈر راج پال جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے

عصبیت اور جنون نوازی کے اظہار کے لئے بدنام زمانہ کتاب لکھی۔ جس کا نام نقل کرنا بھی کلمہ کفر ہے۔ اپنی زہر افشانیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کے بارے میں اس اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ سماجیوں کو ماننا پڑے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا وہ برہم چاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں۔ معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں۔ اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کی۔ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔

(محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ، ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت صفحہ ۲۵ مطبوعہ الفیصل لاہور ۱۹۹۴ء)

معروف یورپین دانشور جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اینڈ قرآن (Apology for Muhammad and the Kuran) میں اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے:۔

''کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہؓ کی وفات کے بعد گیارہ یا بارہ نکاح کئے۔ اس بناء پر بعض مخالف مورخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اعتراض کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو شہوت پرستی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) مگر علاوہ اس بات کے کہ اہل عرب اور مشرقی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک سے زیادہ نکاح کیا کرتے تھے اور ان کا یہ فعل قبیح خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس برس کی عمر سے پچاس برس تک ایک ہی بیوی پر قانع رہے۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص شہوت پرست ہو اور ایسے ملک کا باشندہ ہو جہاں ایک سے زیادہ نکاح کرنے جائز ہوں اور وہ شخص پچاس برس کی عمر تک صرف ایک ہی بیوی پر قانع رہے۔

(John Daven Port/ Apology for Muhammad and the Kuran, Lahore, 1975, P. 25,26)

۴۔ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے سانحہ ارتحال کے وقت جبکہ ان کی عمر ۶۵ برس اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۰ برس تھی ان کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ تجرد کی زندگی گزارتے رہے تب ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں جو اپنے شوہر سکران بن عمرو کے ساتھ ہجرت حبشہ ثانیہ سن ۵ نبوی میں (جو کہ مشرکین مکہ کی طرف سے صحابہ کرامؓ کے لئے ایذا رسانی کا دور تھا) کر گئی تھیں۔ حبشہ سے وطن واپسی کے موقعہ پر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اب انہیں پناہ اور تحفظ درکار تھا ان کے لئے فطری راہ یہی تھی کہ وہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر کے انہیں تحفظ اور پناہ فراہم کی۔ وہ نہ تو نو عمر تھیں اور نہ ظاہری حسن و جمال کی مالک ایک عام بیوہ عورت تھیں۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے پیغام نکاح بھیجا۔ ان دونوں شادیوں کے پس پردہ کارفرما محرکات کا کوئی تعلق شہوت اور جسمانی کشش سے ہرگز نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ برس ان کے ساتھ گزارے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۵ برس ہو گئی اور کوئی نکاح اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔

۵۔ پچپن سال سے انسٹھ سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ شادیاں کیں۔ جبکہ حیات طیبہ کے آخری چار سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر شادیاں ان پانچ سالوں میں ہوئیں۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری اور اسلام کی تاریخ کا اہم ترین دور تھا۔ یہ دور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ مشن کا مشکل ترین اور آزمائشی دور تھا۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں صحابہ کرامؓ کی قیادت فرما رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ اسلامی قانون سازی جاری تھی اور اسلامی معاشرے کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر نکاح اسی مخصوص دور میں کئے۔

ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کی تعبیر محض شہوانی جذبات اور جسمانی

کشش کی اصطلاحات کے تحت کرنا واقعیت کی تکذیب ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (المعروف جنرل گلپ پاشا) (John Bagot) اپنی کتاب The Life And Times Of Muhammad میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۵ سے ۵۹ سال تک کے عرصہ میں کی گئیں شادیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی ازواج میں اضافہ کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۵ برس تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سوائے بی بی عائشہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں بیوہ تھیں اور ان میں سے بھی کئی ایک ادھیڑ عمر اور حسن سے عاری تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور کو نرینہ اولاد کی خواہش تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد دوسری شادی کرتے رہے۔ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بجائے ادھیڑ عمر کی عورتوں سے شادی کرنے کے نوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے تاکہ اولاد نرینہ کی تکمیل بہتر طریقے پر ہو سکتی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شادیاں سیاسی مصلحت کی بناء پر کیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ان عورتوں اور بچوں کی سرپرستی کرنا تھا۔ جن کے خاوند جنگوں میں مارے گئے۔''

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان تھے بی بی خدیجہ کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بچے پیدا ہوئے۔ یہاں بارہ بیویوں سے ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف مصری لڑکی ماریہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں اکثریت اگرچہ جوان نہیں تھیں پھر بھی تولید کے قابل تھیں۔ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے اس پہلو پر زیادہ توجہ دیتے۔ یوں بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس برس سے تجاوز کر گئی تھی آپ صلی ... یہ ... ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے آپ کو امت کے لئے وقف کر چکے تھے۔ جہاں ... وقت ... اہم ترین گتھیوں کو سلجھا رہا ہو اور مختلف قسم کے نازک

حالات میں گھرا ہوا ہو وہاں جنسی خواہشات کی تکمیل جو بچوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی جاتی ہے اور یا امت کے لئے ایک قسم کی قربانی ہے"۔

مزید لکھتے ہیں: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ہوا وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں ان بیویوں کی تعداد کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نفس پرستی کا الزام لگانا سراسر زیادتی ہے۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۰۷ '۳۰۸ ترجمہ کتاب مذکور شیزان پبلشرز کراچی)

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ جس سادگی اور تنگی میں بسر ہوتی تھی وہ نعوذ باللہ کسی تعیش پسند اور شہوت پرست انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا"۔

چنانچہ دشمن بھی اس امر کے معترف نظر آتے ہیں۔

لین پول (Lane Poole) (Life Muhammad) میں لکھتے ہیں ا یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوس کا بندہ تھے۔ غلط ہے ان کی روز مرہ کی زندگی ان کا تخت بوریا جس پر وہ سوتے تھے ان کی معمولی غذا اکثر سے کثر کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات سے بلند و بالا تھے۔ /(Lane Pool, Stanley Studies in A Mosque, 1966, P. 77) یورپ کا مشہور دانشور تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) اعتراف حقیقت کے طور پر کہتا ہے:۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے یہ وہ الزام ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان ناعاقبت اندیش افراد نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو ایک بندہ ہوس تصور کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو ساز و سامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی بعض اوقات ایسا بھی رہا کہ مہینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چولہا روشن نہ ہو سکا وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور پیروکار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خدا کا نبی تسلیم کرتے

تھے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔ کوئی راز اور اسرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔

بحوالہ (On Heroes. Worship and Heroic in History, London, 1965)

۷- وہ ازواج مطہرات جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں قبول فرمایا سوائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب ہی بیوائیں یا مطلقہ تھیں ان بیواؤں میں سے کوئی بھی کسی خاص دل کشی یا حسن صورت کی حامل نہ تھیں ان میں سے بعض عمر میں بڑی تھیں اور بیشتر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام نکاح دیا۔

یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج (متعدد شادیوں) کا عمومی پس منظر اس سے کبھی یہ تاثر قائم نہیں ہو سکتا کہ یہ شادیاں جسمانی ضروریات کی آسودگی کی غرض سے یا حیاتیاتی تقاضوں کے تحت عمل میں آئی تھیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی اتنی بڑی تعداد ذاتی اغراض اور جسمانی ضروریات کی آلودگی کے لئے رکھ چھوڑی تھی۔

معترضین سے سوالات

دوست یا دشمن جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی سالمیت یا روحانی برتری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کی بناء پر شک کرتا ہے اس پر مندرجہ ذیل سوالات کے اطمینان بخش جوابات دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار بیوہ ہونے والی معمر خاتون کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں اپنی زوجیت کے لئے کیوں پسند فرمایا۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی تاحیات رفاقت پر جو پچیس برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عین مرحلہ شباب کا دور تھا کس طرح قانع اور مطمئن رہے اور دوسری شادی کا خیال تک ذہن میں نہ آیا۔

۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بے سہارا بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے جو کوئی خاص دلکشی یا حسن صورت کی حامل نہ تھیں کیوں شادیاں کیں۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل

عرب کی حسین ترین کنواری دوشیزاؤں سے شادی کر سکتے تھے۔

۴- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی عسرت اور تنگی کی زندگی کیوں بسر کی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاصی آسودہ حالی اور آرام کی زندگی گزار سکتے تھے۔

۵- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر نکاح حیات طیبہ کے آخری دور میں کیوں کئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مصروف ترین دور تھا۔

۶- اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ حیثیت اور اخلاقی برتری کا معیاری مقام کس طرح قائم رہ سکتا تھا۔ اور بھی بہت سے سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں۔

بہر حال یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں کہ اسے شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کے بے بنیاد الزامات اٹھا کر حل کیا جا سکے۔ یہ سنجیدہ اور دیانت دارانہ غور وفکر کا مستحق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کے اسباب

ذیل میں ان اسباب ووجوہات کو بیان کیا جاتا ہے جن کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔

۱- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں تعدد ازواج کے اسباب ووجوہات اور حکمتوں کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے علمی رسالہ ''کثرت الازواج لصاحب المعراج'' میں جو خاص اسی موضوع سے متعلق ہے۔ نہایت مدلل انداز میں معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں' کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں رخوں کو بے نقاب کیا جائے ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امر لاحاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں بیرونی زندگی یہ زندگی کا وہ حصہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے۔ اس حصہ کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کیلئے بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔'' دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ پہلو ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا

جاتا ہے یہ حیات انسانی کا وہ حصہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد چاردیواری کے حالات' خانہ داری کے نشیب و فراز خانگی تعلقات' اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردہ راز میں رکھنا چاہتا ہے کس وجہ سے؟

اس لئے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے جو سب سے بہتر کسوٹی ہو سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہو سکیں جس طرح اس کی عام زندگی عوام کے روبرو موجود ہو۔

بس یہی وجوہ تھیں کہ دنیا کے انسان کامل اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار اور کائنات عالم کے مختار کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ بہ تمام و کمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اور خانگی زندگی دنیا کو معلوم ہو جائے تاکہ عاشقان حق کے قلوب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت کا سکہ جم جائے۔ عاشقین صادق اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات من و عن اس زبردست تحقیق و صحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر الجھن اور شعبہ حیات کے ہر مسئلہ میں ان سے سبق حاصل کر سکے۔

یہ صرف پیغمبر آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام کا اسوہ حسنہ ہی تھا جس نے مسلمانوں کو ہر انسانی فلسفہ سے مستغنی بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی اور خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لئے خداوند قدوس نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیا کر دیئے چنانچہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جنہوں نے اس ضروری امر اور فرض کو ایسی خوش اسلوبی

اور احتیاط کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے دانشور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی اور دوسری حضرات امہات المومنینؓ کی۔

حکیم الامت مزید لکھتے ہیں۔

"حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ لیکن خانگی حالات کا ضروری حصہ دنیا کے روبرو پیش ہونا باقی رہ گیا تھا۔ جس کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ادھوری اور نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا اور معترضین کے لئے اعتراضات کی گنجائش باقی رہتی۔ اس کام کے لئے ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق ہوتی جو راتوں کی تاریکیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اس سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شعبہ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوئیں۔ اس مبارک جماعت کی بدولت سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مخفی اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیئے۔ اور حقیقت میں تعدد ازواج کے لئے سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ کے سچے مرسل اور توحید کے علمبردار اوقات تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں۔ خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانویؒ "کثرت الازواج لصاحب المعراج صفحہ ۳،۵ مطبوعہ دہلی)

ازواج مطہرات نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اہم حصہ خانگی گھریلو زندگی کو امت کے سامنے پیش کر کے درحقیقت دین کے نصف حصہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زائد نکاح نہ فرماتے تو دین نامکمل رہ جاتا۔ ازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کی دینی تربیت گاہ اور ازواج مطہرات امت کی امہات اور معلمات تھیں۔ جنہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور دینی تعلیمات کا وہ شعبہ جو خاص عورتوں سے متعلق

تھا یہ تمام وکمال محفوظ کر کے امت کے سامنے پیش کر کے تعلیمات دینوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں قابل ذکر اور اہم کردار ادا کیا۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب ان عورتوں کو جن کے شوہر غزوات یا تبلیغ اسلام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جام شہادت نوش کر چکے تھے یا دیگر اسباب کی بناء پر وہ عورتیں بیوہ یا مطلقہ ہو گئی تھیں۔ ان کی داد رسی انہیں تحفظ فراہم کرنا تھا ان کی دلجوئی کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا جس میں سے بیشتر نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت میں تحفظ اور پناہ کی خواہش ظاہر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی پیشکش کی تھی۔

۳- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نکاح سیاسی اسباب کی بناء پر کئے جن کا مقصد دین اسلام کی تبلیغ واشاعت' اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا خاتمہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن وحریف طبقوں کو اپنا حلیف بنا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہر ممکن اقدامات کرنا تھا۔

مشہور عیسائی متعصب سیرت نگار مارگولیتھ (Margolioth D.S) جو سیرت طیبہ پر تنقید اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اسے بھی اعتراف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں میں کئی مصلحتیں اور سیاسی وجوہات غالب تھیں۔

(Margolioth D.S/ Encyclo-pedia of Religion And Ethics. Edenburg, 1967, Vol. VIII. P.878,)

☆...... ام المومنین حضرت صفیہؓ مشہور یہودی قبیلہ بنونضیر کے سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی اس نے طلاق دیدی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آ گئیں' کنانہ جنگ خیبر ۷ ہجری میں مقتول ہوا اور یہ گرفتار ہو کر آ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ سے نکاح سے قبل اسلام اور کفر کے مابین بیشتر جنگوں میں یہود کفار کا ساتھ دیتے رہے تھے لیکن ام المومنین حضرت صفیہؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

میں آ جانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں سے سخت بغض وعناد اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی سازشوں میں مصروف عمل یہودیوں کا ایک بڑا حصہ غیر جانبدار ہو گیا اور یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک و سہیم نہ ہوئے۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح کے فوائد اور سیاسی اثرات کا اعتراف مشہور متعصب مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) کو بھی ہے۔

(Watt. W. Montgomery/ Mohammad at Madina, Oxford, 1956, P.288)

☆......ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی صاحبزادی تھیں۔

ابتدائی دعوت اسلام کے موقعہ پر اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ہمراہ دعوت اسلام پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی۔ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر دین اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بناء پر عبید اللہ بن جحش سے علیحدگی ہوئی اور بعد ازاں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

ام المومنین ام حبیبہؓ کے والد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار تھے۔ اسلام سے قبل قریش کے تین اشخاص بہت ذی اثر اور صاحب الرائے تھے۔ عتبہ، ابوجہل اور ابوسفیان، قریش کا فوجی علم "عقاب" ابوسفیان کے پاس رہتا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشہور جنگوں میں مشرکین وکفار مکہ کے امیر الجیش وامیر العسکر کے طور پر شریک ہوئے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق ام حبیبہؓ کے نکاح کی خبر ابوسفیان کو مکہ میں ملی اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محارب اور دشمن تھے مگر اس نکاح کو ناپسند نہیں کیا۔

ام حبیبہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے نظر نہیں آتے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر "فـــــ

دخل دار ابو سفیان فهو امن " کے الفاظ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے لئے ادا ہوتے ہیں۔

The Life and Times of Mrhammad کا مصنف غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (John Bagot) حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہ واقعہ ہمارے ذہنوں پر عجیب و غریب اثر کرتا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف خاندان کی لڑکیوں سے شادیاں محض اس لئے کیں کہ ان خاندان والوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات استوار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حبشہ کے شہنشاہ کو لکھ کر ام حبیبہ کو مدینہ بلوایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف ایک عورت کا حصول ہی تھا تو ایک سے بڑھ کر ایک حسین و جمیل اور خوبصورت سے خوبصورت لڑکی عرب ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل سکتی تھی۔ سینکڑوں خوبصورت لڑکیاں عرب ہی میں موجود تھیں۔ ان ساری پری پیکروں کو چھوڑ کر خاص طور سے ام حبیبہ کو جو بیوہ بھی تھیں، حبشہ سے بلوا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شادی کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالباً ام حبیبہؓ کے توسط سے ابو سفیان سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتے تھے۔

(The life and times of محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۰۲ ترجمہ Muhammad)

اس حقیقت کا اعتراف سر ولیم میور کو بھی ہے وہ لکھتا ہے:

"پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ ام حبیبہ کے والد ابو سفیان اس طرح (نکاح) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کے قریب تر ہو جائیں گے۔

(Muir. Sir William/ the Life of Mahomet. London, 1861. Vol iv. P.59)

☆..... ام المومنین حضرت جویریہ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا خاوند مسافع بن صفوان غزوہ مریسیع بنو مصطلق ۵ ہجری میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بکثرت لونڈیاں اور غلام مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ انکا قبیلہ بنو مصطلق (جس کے سردار ان کے والد حارث بن ضرار تھے) انتہائی جنگ جو طاقتور اور رہزنی اور لوٹ مار میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ اسلام اور کفر کے درمیان معرکہ آرائیوں میں یہ قبیلہ ہمیشہ کفار کے حلیف کے طور پر مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی صف میں شریک رہا۔

غزوہ بنو مصطلق شعبان ۵ ہجری بذات خود اس قبیلہ کے ساتھ پیش آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المومنین حضرت جویریہؓ کے نکاح کے بعد صورتحال یکسر بدل جاتی ہے۔ قبیلہ کے بیشتر افراد بشمول سردار قبیلہ حارث بن ضرار کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ڈاکہ زنی اور رہزنی سے تائب ہو جاتے ہیں اور قبیلہ بنو مصطلق اور اس کے حلیف قبائل کی حمایت اسلام کے لئے حاصل ہو جاتی ہے اور پھر کبھی یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نظر نہیں آتا۔

جان بیگٹ (John Bagot) اس نکاح کے سیاسی فوائد اور ثمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اس (نکاح) نے بنی مصطلق کو جنگ سے بڑھ کر کامیابی سے اسلام کے لئے جیت لیا۔

(John Bagot/ The Life and Times of Muhammad, New York, 1971. P/263)

☆...... ام المومنین حضرت میمونہؓ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے قبل مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں اس سے طلاق کے بعد ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں اس کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ سردار نجد کی بیوی کی بہن تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہؓ سے نکاح کی بدولت مسلمانوں کے اہل نجد سے بہتر تعلقات قائم اور نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔ جبکہ نجد ہی وہ علاقہ تھا جہاں کے لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کے لئے ستر (۷۰) حفاظ قرآن لے جا کر دھوکے سے ان تمام کو شہید کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمانوں کو اہل نجد سے متعدد مواقع پر فتنہ و فساد کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو امن ہو گیا اور نجد کی سرزمین میں اشاعت اسلام کا آغاز ہوا۔

اس نکاح کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اسلامی تاریخ کے دو عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی فتوحات اور اشاعت اسلام کا ہراول دستہ اور اسلامی تاریخ کے مثالی کردار قرار پائے۔ مغربی سیرت نگار واشنگٹن ارونگ (Irving, Washington) اس نکاح کے فوائد اور اثرات پر تبصرہ یوں کرتا ہے۔

''یہ نکاح بھی بلاشبہ مصلحتوں پر مبنی تھا۔ جبکہ میمونہ اکیاون سال کی بیوہ تھیں۔ مگر اس تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو طاقتور جانثار مل گئے۔ ایک ان بیوہ کے بھانجے اور بہادر سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اور دوسرے جاں نثار خالد کے دوست عمرو بن عاصؓ''۔

(Irving, Washington/ The Life of Mahomed,
London, 1949, P.160, 161

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب خاندانی، علاقائی، نسلی اور قبائلی عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور خاندان کی عورتوں سے شادی کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر کے ان تمام لعنتوں کا جو عرب کا سرمایہ افتخار بھی جاتی تھیں خاتمہ فرمادیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگی اور تقرب کے تصور پارینہ کو پارہ پارہ اور نسلی اور قومی احساس برتری کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، مروجہ امتیازات مٹ گئے۔ اختلاف قومیت، تخصیص رنگ و نسل خاندانی و قبائلی بت فنا ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی کبر و نخوت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے انسانی غرور و عصبیت کو کچل کر رکھ دیا فرمایا:

''وہ قومیں جو اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو اس سے باز آنا چاہئے وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں۔ ورنہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم سے یقینی طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔

مشکوۃ باب المفاخرۃ صفحہ ۴۱۷ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ظہور اسلام کے وقت مذاہب عالم اور اقوام و امم پر عصبیت، قومیت اور علاقائی و قبائلی

اثرات چھائے ہوئے تھے جو انسان کے فکر و نظر پر غالب اور اس کے شعبہ حیات پر حاوی اور اس کی زندگی کا لازمی عنصر بن کر رہ گئے تھے۔

یہودی اور نصرانی خود کو اللہ کی چہیتی اولاد قرار دیتے تھے فراعنہ مصر سورج دیوتا کے اوتار کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ شاہان ایران اپنی رگوں میں خدائی خون کے دعویدار تھے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند تصور کرتے تھے اور ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی نسبت سورج اور چاند سے قائم کی گئی تھی۔ ایرانی اپنے رنگ کے فخر سے اتنے مغلوب تھے کہ وہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہتے تھے۔ عرب اپنی نخوت اور شوکت کے مدنظر ساری دنیا کو عجم یا بے زبان سمجھتے تھے۔ اور ہندوؤں نے طبقاتی تفرق کے لئے ذات پات کا نظام وضع کر رکھا تھا۔

جہاں تک عرب کا تعلق تھا وہاں بھی یہی صورت حال پوری شدت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب پھر اتنا شدید تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کے اثرات گہرے تھے۔ پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشاکش اتنی ہی شدید تھی اسی طرح قریش اور غیر قریش کی کشمکش ایک مستقل مسئلہ تھا اور خود قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں قدیم تھیں۔

اس باہمی تعصب نے نہ صرف آپس کی جنگ و خونریزی کو روا رکھا تھا بلکہ نفرت و حقارت کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا ہوا تھا جو تھمتا تھا اور نہ رکتا تھا۔ اس حالت نے عربی قبائل کے اندر انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ ازدواجی تعلقات عموماً قبیلہ کے اندر ہی قائم کئے جاتے تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں سے جاری مذاہب و اقوام کی ان جاہل اور خود ساختہ اقدار و روایات کا مختلف قبائل و اقوام میں شادیاں کر کے عصبیت کا قدیم حصار خاک آلود کر دیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

"عربوں میں چونکہ قبیلہ داری نظام عام طور پر رائج تھا لہذا رشتہ داری سے زیادہ موثر کوئی اور وجہ دوستی اور حلیفی کی نہیں ہو سکتی تھی چاہے خود یہ بھی کتنی ہی کمزور چیز کیوں نہ ہو۔

لیکن اور اسباب کے مقابلے میں یہ بہرحال زیادہ مستحکم و مستقل امر تھا۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۳۱۹ دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۸ء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبائل کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی اعلیٰ نسب اور بڑے رتبہ والے خاندانوں کے فرد ہونے کی حیثیت سے اہم اقتدار و اثرات کی حامل تھیں۔

چنانچہ مکہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تعلق بنو تیم سے، حضرت حفصہؓ کا تعلق بنو عدی سے، حضرت ام سلمہؓ کا تعلق بنو مخزوم سے، حضرت زینب بنت جحشؓ کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے، حضرت ام حبیبہؓ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ اور مکہ میں ان سے زیادہ با اثر کوئی خاندان نہ تھا۔

مکہ سے باہر ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور حضرت میمونہؓ دونوں کا تعلق یمن کے طاقتور قبیلہ صعصعہ سے تھا۔ حضرت جویریہؓ وسط عرب کے بنی مصطلق کے سردار کی اور حضرت صفیہؓ شمالی عرب کے بنو نضیر کے سردار کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد شادیاں قبائلی عصبیت کے خاتمہ اور پورے عرب اور مسلمان قوم کو وحدت اسلامی کی لڑی میں پرو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے راہیں ہموار کرنے کے لئے کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کوششیں پوری طرح بارآور ثابت ہوئیں۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب غیر اسلامی رسوم و رواج کا خاتمہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر کے عملاً اس کا خاتمہ کر دیا۔ دنیا کی مختلف اقوام میں رسم تبنیت رائج تھی۔ عربوں میں بھی اس فرسودہ رسم کو سماجی و مذہبی سند حاصل تھی۔ عرب معاشرہ بھی دیگر اقوام کی تابعداری میں رسم تبنیت پر کاربند تھا۔ جس کی رو سے متبنیٰ (لے پالک / منہ بولا بیٹا) کو حقیقی بیٹے کا مقام دیا جاتا تھا۔ اور متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کو حد درجہ معیوب اور ذلت و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا۔

عہد جاہلیت کی دیگر فرسودہ روایات اور رسوم و رواج کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ رسم تبنیت کا خاتمہ بھی ضروری تھا، چنانچہ اس مصنوعی رسم کے خاتمہ کے لئے مشیت ایزدی کے بموجب

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا گیا۔

قرآن کریم نے رسم تبنیت کا بطلان واشگاف الفاظ میں کرتے ہوئے اعلان کیا۔

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ○ ادعوھم لا بآئھم ھو اقسط عنداللّٰہ فان لم تعلموا ابآء ھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم۔ (الاحزاب ۳۳: ۴-۵)

اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ صرف تمہارے اپنے منہ کی کہی ہوئی بات ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش سے شادی پر مستشرقین کے سخت غصہ کے اسباب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی پر مغربی حلقے اور معترضین بالخصوص مستشرقین رنگ آمیزی کرکے اور من گھڑت قصے پیش کرکے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفت وعصمت کو داغدار کرنے میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ نعوذ باللہ ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے گھر ان کی غیر موجودگی میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو دیکھ کر کہا سبحان اللہ کتنی حسین خاتون ہیں اور نعوذ باللہ انہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فریفتہ ہو گئے۔ زید کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔ معترض حلقوں اور مستشرقین کی کذب بیانی اور بد باطنی کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا من گھڑت قصہ ہے کہ جس کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیات طیبہ میں نہیں ملتا۔ جمہور مفسرین نے اس قصہ کے موضوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ بے اصل بے سند اور خلاف عقل بھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت زینب بنت جحش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور بچپن سے جوانی تک کا زمانہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بسر ہوا اگر نعوذ باللہ ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے ان کی شادی کیوں کراتے جبکہ اس شادی پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار بھی رہا۔ حضرت زینب کو بچپن سے جوانی تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دیکھا ہوگا جبکہ یہ امر بھی متعین ہے کہ اس زمانہ میں آیات حجاب بھی نازل نہیں ہوئی تھیں اور پردے کا رواج بھی نہ تھا۔ یہ تمام قرائن مذکورہ قصہ کے موضوع اور مضحکہ خیز ہونے کے لئے کافی ہیں۔ پھر یہ بھی واضح حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زید کے نکاح سے قبل حضرت زینب سے شادی کوئی مسئلہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس شادی میں کوئی امر مانع نہ تھا بلکہ خود حضرت زینب اور ان کے ورثاء کے لئے سرمایہ افتخار بات تھی۔

۲- دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ زید کی مطلقہ زینب سے شادی کر کے نعوذ باللہ قابل اعتراض اور باعث عار امر سرانجام دیا ہے۔

اس مسئلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا شریعت موسوی میں توراۃ نے تبنیت کے درست ہونے کے لئے کوئی دلیل فراہم کی ہے یا مسیحیت نے تبنیت کے جواز کو تسلیم کیا ہے؟ نہیں توراۃ یا انجیل میں ایسی کوئی تعلیم نہیں ملتی۔

معترض حلقوں بالخصوص عیسائیوں کو اس شادی پر بطور خاص اس لئے اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف تبنیت کی رسم کا بطلان ہوا بلکہ ان کے خود ساختہ عقیدہ تثلیث پر بھی چوٹ پڑتی ہے وہ بھی باطل قرار پاتا ہے کیونکہ رسم تبنیت کے خاتمہ کے اعلان کے بعد اسلام نے واشگاف اعلان عام کر دیا کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کا بیٹا کہنا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان خونی رشتہ نہ ہو بالکل جھوٹ افتراء اور بہتان ہے۔ تب ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک انسان کو خدا کا بیٹا کہنا قطعاً وحتماً باطل، صریح افتراء اور بہتان ہے۔ انسان کو خدا کے ساتھ کوئی مشابہت ہے ہی نہیں۔ جسم اور روح سے مرکب ہزاروں حاجتوں اور ضرورتوں کا محتاج انسان جو ایک دن پیدا ہو کر یہ نعوذ من بن جاتا ہے کس طرح اس حی وقیوم کا فرزند ہو سکتا ہے۔ جس کی ذات سرمدی ازل سے بھی اول اور ابد سے بھی آخر ہے۔ یہی وہ راز اور سبب ہے۔ جس کی بنیاد پر عیسائی حلقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے متبنیٰ حضرت زید کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے شادی پر معترض اور افتراء پردازیاں کرتے نظر آتے ہیں۔

ہڈی جوڑ کے ماہر ایک ڈاکٹر کا واقعہ

کافی عرصہ کی بات ہے جب میں لیاقت میڈیکل کالج جامشورو میں سروس کر رہا تھا تو وہاں لڑکوں نے سیرت کانفرنس منعقد کرائی اور تمام اساتذہ کرام کو مدعو کیا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر عنایت اللہ جوکھیو (جو ہڈی جوڑ کا ماہر تھا) کے ہمراہ اس مجلس میں شرکت کی۔ اس مجلس میں ایک اسلامیات کے لیکچرار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ زندگی پر مفصل بیان کیا اور آپ کی ایک ایک شادی کی تفصیل بتائی کہ یہ شادی کیوں کی اور اس سے امت کو کیا فائدہ ہوا۔ یہ بیان اتنا موثر تھا کہ حاضرین مجلس نے اس کو بہت سراہا۔ کانفرنس کے اختتام پر ہم دونوں جب جامشورو سے حیدرآباد بذریعہ کار آرہے تھے تو ڈاکٹر عنایت اللہ جوکھیو نے عجیب بات کی۔ اس نے کہا کہ آج رات میں دوبارہ مسلمان ہوا ہوں۔ میں نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا کہ آٹھ سال قبل جب وہ FRCS کے لئے انگلستان گیا تو کراچی سے انگلستان کا سفر کافی لمبا تھا۔ ہوائی جہاز میں ایک ایئر ہوسٹس میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی کے بعد اس عورت نے مجھ سے پوچھا۔

تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے بتایا اسلام۔ ہمارے نبی کا نام پوچھا میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتایا پھر اس لڑکی نے سوال کیا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے نبی نے گیارہ شادیاں کی تھیں؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو اس لڑکی نے کہا یہ بات حق اور سچ ہے۔ اس کے بعد اس لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دو تین اور باتیں کیں جس کے سننے کے بعد میرے دل میں (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نفرت پیدا ہوئی۔ جب میں لندن کے ہوائی اڈے پر اترا تو میں مسلمان نہیں تھا۔ آٹھ سال انگلستان میں قیام کے دوران میں کسی مسلمان کو نہیں ملتا تھا حتی کہ عید کی نماز تک میں نے ترک کر دی۔ اتوار کو میں گرجوں میں جاتا اور وہاں کے مسلمان مجھے عیسائی کہتے تھے۔ جب میں آٹھ سال بعد واپس پاکستان آیا تو ہڈی جوڑ کا ماہر بن کر لیاقت میڈیکل کالج میں کام شروع کر دیا۔ یہاں بھی میری وہی عادت رہی۔ آج رات اس لیکچرار کا بیان سن کر میرا دل صاف ہو گیا اور میں نے پھر سے کلمہ پڑھا ہے۔

ہماری ذمہ داری

☆ ایک عورت کے چند کلمات نے مسلمان کو کتنا گمراہ کیا اور اگر ڈاکٹر عنایت اللہ یہ بیان نہ سنتا تو پتہ نہیں اس کا کیا بنتا۔ اس کی وجہ ہم مسلمانوں کی کم علمی ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق نہ پڑھتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی میٹنگوں میں جب کوئی ایسی بات کسی نے کی تو مسلمان کوئی جواب نہیں دیتے۔ ٹال دیتے ہیں جس سے اعتراض کرنے والوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بہت اہم ہے کہ ہم اس موضوع کا مطالعہ کریں اور موقع پر صحیح بات لوگوں کو بتائیں۔

ایک دفعہ بہاولپور سے ملتان بذریعہ بس میں سفر کر رہا تھا کہ ایک آدمی لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے بارے میں گمراہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب جانے کی کوشش کی اور بات شروع کی تو وہ چپ ہو گیا اور باقی لوگ بھی ادھر ادھر ہو گئے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر جانیں قربان کی ہیں کیا ہمارے پاس اتنا

وقت نہیں کہ ہم اس موضوع کے چیدہ چیدہ نکات کو یاد کر لیں اور موقع پر لوگوں کو بتائیں۔

چیدہ چیدہ نکات

اس بات کا احساس مجھے ایک دوست ڈاکٹر نے دلایا جو انگلستان میں ہوتے ہیں اور یہاں ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے۔ انگلستان میں ڈاکٹر صاحب کے کافی دوست دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے وہ ان کو اس موضوع پر صحیح اطلاع کرتے رہتے ہیں۔

اتوار کے دن ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کے ذریعے "گرجا گھر" چلے جاتے ہیں وہاں اپنا تعارف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے ہیں۔ عیسائی لوگ خاص کر مستورات آپ کی شادیوں پر اعتراض کرتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں (۲۵ سال کی عمر میں) ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی اور جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ ۵۰ سال کی عمر تک آپ نے ایک بیوی پر قناعت کی۔ (اگر کسی شخص میں نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو تو وہ عالم شباب کے ۲۵ سال ایک بیوہ خاتون کے ساتھ گزارنے پر اکتفا نہیں کرتا) حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مختلف وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کئے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے سب کو بتایا کہ جو گیارہ شادیاں آپؐ نے کی ہیں سوائے ایک کے باقی سب بیوگان تھیں۔ یہ سن کر سب حیران ہوئے۔ پھر مجمع کو بتایا کہ جنگ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ نصف سے زیادہ گھرانے بے آسرا ہو گئے۔ بیوگان اور یتیموں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیوگان سے شادی کرنے کو کہا' لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے مختلف اوقات میں نکاح کئے۔ آپ کی دیکھا دیکھی صحابہ کرامؓ نے بیوگان سے شادیاں کیں جس کی وجہ سے بے آسرا گھرانے آباد ہو گئے۔

☆...... ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ عربوں میں دستور تھا کہ جو شخص ان کا داماد بن جاتا

اس کے خلاف جنگ کرنا اپنی عزت کے خلاف سمجھتے ۔ جناب ابوسفیانؓ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین مخالف تھا مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہؓ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو یہ دشمنی کم ہوگئی ۔ ہوا یہ کہ ام حبیبہؓ شروع میں مسلمان ہو کر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی فرمائی اور بادشاہ حبشہ کے ذریعے ان سے نکاح کیا۔

☆...... حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد قبیلہ مصطلق کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے جہاد کیا' ان کا سردار مارا گیا۔ حضرت جویریہ قید ہو کر ایک صحابی کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے مشورہ کر کے سردار کی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اس نکاح کی برکت سے اس قبیلہ کے سوگھرانے آزاد ہوئے اور سب مسلمان ہو گئے۔

☆...... خیبر کی لڑائی میں یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہ قید ہو کر ایک صحابی کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورے سے ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا۔ اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے نجد کے علاقہ میں اسلام پھیلا۔ ان شادیوں کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ سکیں۔ اخلاق نبی کا مطالعہ کر سکیں تا کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

اسی طرح حضرت زینب بنت جحش سے نکاح سے ایک جاہلانہ رسم کا ختم کرنا مقصود تھا وہ یہ کہ لوگ اپنے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھتے اور اس کی مطلقہ سے نکاح کو عیب سمجھتے تھے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ میاں بیوی کی اَن بن ہوئی اور حضرت زید نے طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور ثابت کر دیا کہ متبنیٰ ہرگز حقیقی بیٹے کے ذیل میں نہیں آتا۔

اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ علوم اسلامیہ کا سرچشمہ قرآن پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہے۔ آپ کی سیرت پاک کا ہر ایک

پہلو محفوظ کرنے کے لئے مردوں میں خاص کر اصحاب صفہؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتوں میں اس کام کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ ایک صحابیہ سے یہ کام کرنا مشکل تھا۔ اس کام کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نکاح کئے۔ آپ نے عملاً ازواج مطہراتؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ہر اس بات کو نوٹ کریں جو رات کے اندھیرے میں دیکھیں۔

حضرت عائشہؓ جو بہت ذہین زیرک اور فہیم تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسوانی احکام ومسائل کے متعلق آپ کو خاص طور پر تعلیم دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عائشہؓ ۴۵ سال تک زندہ رہیں اور ۲۲۱۰ احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلے میں شک ہوتا تو حضرت عائشہؓ کے پاس اس کا علم ہوتا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کی روایت کی تعداد ۳۶۸ ہے۔

ان حالات سے ظاہر ہوا کہ ازواج مطہراتؓ کے گھر عورتوں کی دینی درسگاہیں تھیں کیونکہ یہ تعلیم قیامت تک کے لئے تھی اور ساری دنیا کے لئے تھی اور ذرائع ابلاغ محدود تھے۔ اس لئے کتنا جانفشانی سے یہ کام کیا گیا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ تمام مذکورہ بالا بیان میں کر جس میں لوگوں کو بتاتا ہوں اور وہ سنتے ہیں۔ باقی ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر پڑھے لکھے مسلمان ان نکات کو یاد کرلیں اور کوئی بدبخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے تو ہم سب اس کا دفاع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور عمل کرنے والا بنائے۔

(آمین) (بشکریہ ماہنامہ الخیر، رجب المرجب ۱۴۳۵ھ - از محترم جناب ڈاکٹر نور احمد نور صاحب ملتان)

باب ۳

گلزارِ سنت

مسنون شب و روز
مسنون دعائیں
ارشاداتِ نبوی ﷺ

اس باب کے مندرجات ولی کامل حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب گلزار سنت سے ماخوذ ہیں۔

مسنون شب و روز

صبح اٹھتے ہی

جب صبح سو کر اٹھو تو تین دفعہ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ کہو۔ کلمہ شریف پڑھوں اور یہ دعا پڑھو:۔

الحمد لله الذی رد علی روحی ولم یمسکها فی منامی

ترجمہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری روح کو مجھے واپس لوٹا دیا اور اس کو میری نیند کی حالت میں روکا نہیں ہے۔"

یا صبح اٹھنے کی دوسری مسنون دعا پڑھ لے۔ مثلاً:

الحمد لله الذی احیانا بعدما اماتنا و الیه النشور

ترجمہ: "اس اللہ تعالیٰ کا (بہت بہت) شکر ہے جس نے ہمیں مارنے (سلانے) کے بعد (دوبارہ) زندہ کیا (جگایا)۔ اور ہمیں موت کے بعد اس کی طرف جانا ہے۔"

پہلے ہاتھ دھولو

برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین دفعہ دھولو۔

اشراق کی نماز

اگر فرصت ہو تو صبح کی نماز کے بعد جس جگہ نماز پڑھی ہے اشراق تک بیٹھا رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ جب اشراق کا وقت ہو جائے تو دو یا چار رکعت نفل پڑھے، جس کا ثواب ایک حج اور ایک عمرہ کے برابر ملتا ہے۔ ان شاء اللہ۔ اشراق کا وقت سورج نکلنے کے (دس، پندرہ منٹ بعد ہوتا ہے۔)

پھر کام میں لگو

پھر کسی حلال روزی کے شغل میں لگ جائے۔ تمام دن نمازیں وقت پر پڑھتا رہے تو یہ تمام دن عبادت میں لکھا جائے گا۔

قیلولہ

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ فرصت دے وہ دوپہر کو تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جائے سونا ضروری نہیں۔ لیٹ جائے خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔

کھانے پینے کے مسنون اعمال

ہاتھ دھونا

ہاتھ دھونے کی سنت میں بہت ثواب کا ذریعہ ہے۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب اور سنت ہے۔

دسترخوان

کوئی دسترخوان یا کوئی کپڑا رومال بچھا کر کھانا سنت ہے۔ اگر دسترخوان چمڑے کا ہو تو بہت ہی عمدہ اور مسنون ہے۔

بسم اللہ پڑھنا

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بڑی ضروری سنت ہے۔ اگر بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھایا تو کھانے میں شیطان شامل ہو جاتا ہے اور کھانا بے برکت ہو جاتا ہے۔ اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ دے اس کھانے میں برکت واپس آ جاتی ہے۔

اکٹھے کھانے کا طریقہ

اگر کئی آدمی ساتھ کھانے والے ہوں تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آگے سے کھائے۔ اگر کئی قسم کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کے لئے جس طرف سے بھی کھائے

جائز ہے۔ اسی طرح جو شخص اکیلا کھانا کھائے اس کے لئے بھی سنت یہی ہے کہ اپنی طرف سے کھانا کھائے اور درمیان سے کھانا نہ کھائے کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔

بیٹھنے کا طریقہ

کھانا کھاتے وقت بیٹھنے کی سنت یہ ہے کہ اوکڑوں بیٹھ کر کھانا کھائے۔ یا ایک پاؤں بچھائے اور ایک کو کھڑا رکھے۔ دوزانوں بیٹھ کر کھانا کھانا بھی سنت ہے اور کھانے کے لئے بلا ضرورت چار زانو نہیں بیٹھنا چاہئے۔

دائیں ہاتھ سے کھاؤ

دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے۔ کھانے کے بعد کچھ دانے وغیرہ گرے ہوئے ہوں تو اٹھا کر کھا لینا چاہئے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔ اگر بائیں ہاتھ سے کھانے کی عادت ہو تو اس کو چھوڑنا چاہئے۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا لو

اگر کسی کا لقمہ گر گیا ہو تو اس کو چاہئے کہ لقمہ کو صاف کر کے کھا لے اس لقمہ کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

سرکہ

سرکہ کا کھانا سنت ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہو اس میں (مزید) سالن کی ضرورت نہیں۔ (یعنی سرکہ بھی سالن ہے)

گندم میں جو ملانا

گندم میں کچھ جو ملا لینا سنت ہے۔ جیسے اگر خالص گندم پانچ کلو استعمال کرتا ہے تو اس میں آدھا کلو یا ایک پاؤ جو ملا لے تاکہ جو کھانے کی سنت کا ثواب حاصل ہو۔

گوشت کھانا

گوشت کھانا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔

برتن کو صاف کرنا

کھانا کھانے کے بعد برتن کو اچھی طرح چاٹ لینا اور صاف کر لینا چاہئے۔ اس سنت کا بھی بہت ثواب ہے۔ جس نے برتن کو صاف کیا وہ برتن صاف کرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

کھانے کے بعد شکر کرنا

کھانے کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

الحمد لله الذي اطعمنا و سقانا

حدیث شریف میں ایک اور دعا آئی ہے جس سے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

الحمد لله الذي اطعمني هذا الطعام و رزقنيه من غير حول مني ولا قوة

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت اور قوت کے بغیر مجھے عطا فرمایا۔"

اور اگر کسی دعوت میں کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے۔

اللهم اطعم من اطعمنا و اسق من سقانا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ اس کو کھلائیے جس نے ہمیں کھلایا اور اس کو پلائیے جس نے ہمیں پلایا۔"

پینے کا طریقہ

پینے کی سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے تین سانس میں پیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے (یعنی الحمد للہ کہے)

کھانے میں عیب نہ نکالو

کھانے کو نہ برا کہنا چاہئے اور نہ اس میں عیب نکالنا چاہئے۔ اگر پسند نہ آئے تو کھانا چھوڑ دینا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی تھی۔

زمزم پینا

کسی چیز کو پینے کی ایک سنت یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے۔ کھڑے ہو کر صرف زمزم یا وضو کا بچا ہوا پانی پینا سنت ہے۔

لباس کے مسنون اعمال

سفید لباس

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کا کپڑا پسند تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا بھی ثابت ہے۔

عمامہ

سیاہ عمامہ باندھنا مسنون ہے۔ سفید عمامہ باندھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ شملہ ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بھی مسنون ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے خصائل نبوی میں تحریر فرمایا ہے کہ عمامہ باندھنا دائمی سنت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔

پہننے کا طریقہ

کپڑے اور جوتے دائیں پاؤں میں پہلے پہننا مسنون ہے۔ مگر میت کو کفن میں پہلے بائیں طرف سے لپیٹا جائے گا پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے گا۔

نئے کپڑے کی دعا

نئے کپڑے کی سنت یہ ہے کہ اس کو پہن کر یہ دعا پڑھے۔

الحمد لله الذي كسانا هذا

ترجمہ: ''تمام تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں یہ (کپڑا) پہنایا ہے۔''

لنگی و پاجامہ کی سنت

لنگی شلوار یا پاجامہ کی سنت یہ ہے کہ ٹخنے سے اوپر رہے نیچے ہرگز نہ لٹکائے۔ اس سے اللہ جل جلالہٗ کو بہت سخت غصہ آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص

پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر نہ ڈالیں گے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے ستر کا ڈھانکنا زیادہ ضروری ہے اس لئے اگر ستر کھلنے کا ڈر ہو تو سلی ہوئی لنگی پہنیں۔

ٹوپی پر عمامہ باندھنا

عمامہ ٹوپی پر باندھنا سنت ہے۔ اگر کسی نے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھا تو یہ سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح اگر بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھا اور درمیان سے سر کھلا رہ گیا تو نماز مکروہ ہوگی۔ ان مسائل کو یاد رکھو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوگا۔

لنگی باندھنے کا طریقہ

لنگی باندھنی چاہئے تا کہ سنت کا ثواب حاصل ہو۔ لنگی باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹخنوں سے اوپر رہے اور اگر کھل جانے کا خوف ہو تو سلی ہوئی پہنو۔ مسلمان اور کافروں کے لباس میں فرق ہونا چاہئے۔

مسنون تکیہ

وہ تکیہ جس میں کسی درخت کی چھال بھری ہوئی ہو مسنون ہے۔ اگر کھجور کی چھال بھری ہوئی ہو تو بہت بہتر ہے۔

انگوٹھی

مرد کے لئے انگوٹھی پہننے میں سنت یہ ہے کہ ساڑھے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی پہنے۔ اس سے زیادہ وزن کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے جائز نہیں ہے۔ بعض بہت زیادہ وزن کی بلکہ دو دو چار چار انگوٹھیاں پہنتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ طریقہ عورتوں کے لئے ہے۔

بالوں میں تیل لگانا

جس شخص کے سر پر بال ہوں اس کو چاہئے کہ کبھی کبھی ان کو دھویا کرے اور کنگھا کیا کرے۔ سر اور داڑھی کو تیل لگانا بھی سنت ہے کہ پہلے بھنوؤں کو اور پھر داڑھی کو لگائے۔ (از خصائل نبوی)

بہتر یہ ہے کہ سر اور داڑھی میں روزانہ کنگھا نہ کرے بلکہ ایک دن آڑ یعنی درمیان میں ایک دن چھوڑے۔

مہندی کا خضاب

جس کے بال سفید ہوں اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ مہندی اور نیل کے ساتھ خضاب کرے۔ سیاہ خضاب نہ کرے کیونکہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

داڑھی بڑھانا' مونچھیں کترانا

مونچھوں کو کترنا اور داڑھی کو بڑھانا سنت ہے۔ ایک مشت (مٹھی) سے داڑھی کم کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح داڑھی کو ایک مشت سے کم کروانا یا منڈوانا بالکل حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ داڑھی رکھنا سنت ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا واجب ہونا سنت (حدیث پاک) سے ثابت ہے۔ جب ہی تو ایک مشت سے کم کترنا جائز نہیں ہے۔ (اس موضوع پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا رسالہ "داڑھی کا وجوب" دیکھا جا سکتا ہے)

اگر لبوں کو کاٹ لے تو مونچھوں کا رکھنا اور سبالین کا بڑھانا جائز ہے۔

عورتوں کے لئے مہندی

حدیث میں آیا ہے کہ عورتوں کو مہندی لگانا سنت ہے۔ (ابوداؤد)

سرمہ لگانا

مرد اور عورت کے لئے سرمہ لگانا سنت ہے۔ سرمہ رات کو لگانا سنت ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگائے۔ (ترمذی)

بال رکھنا یا مونڈنا

سر کے تمام بال رکھنا یا تمام بال مونڈنا سنت ہے۔ اسی طرح کچھ بال رکھنا اور کچھ کترنا یا مونڈنا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔

عورتوں کے لئے قمیص و کرتہ

عورتوں کے لئے قمیص یا کرتہ پہننے میں سنت یہ ہے کہ اس کی آستین پورے ہاتھ تک ہوں

صرف کپڑوں تک نہ ہوں۔ جو عورتیں کپڑوں تک آستین پہنتی ہیں وہ سخت گناہگار ہوتی ہیں۔

اسی طرح عورتوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا لباس نہ پہنیں جس میں سے بدن کی بناوٹ نظر آئے اور نہ ایسا باریک پہنیں جس میں سے بدن نظر آئے کیونکہ ایسی عورتوں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ننگی اٹھیں گی۔

نکاح کے مسنون اعمال

سادگی سے ہو

نکاح میں سنت یہ ہے کہ سادگی سے ہو تا کہ اس میں بہت زیادہ تکلف ہو اور نہ بہت زیادہ سامان کا لین دین ہو۔

نکاح کا مسنون دن

نکاح کے لئے جمعہ کا دن مسنون ہے کیونکہ یہ دن بھلائی اور برکت والا ہے۔

نکاح کا مسنون مہینہ

شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا مسنون ہے اور برکت والا ہے۔

نکاح کی جگہ

مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے۔

اعلان

نکاح کا اعلان (مشہور) کرنا سنت ہے۔ اعلان کے لئے دف بھی بجا سکتے ہیں۔ دف ایسا ہو جو ایک طرف سے کھلا ہوا ہوتا ہے جس کو دھپڑا بھی کہتے ہیں۔

چھوارے بانٹنا

نکاح کے بعد چھوارے لٹانا اور تقسیم کرنا سنت ہے۔

شب زفاف

نکاح کے بعد جب پہلی رات کو بیوی کے پاس جائے تو سنت ہے کہ اس کے پیشانی کے

بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے۔

اللھم انی اسئلک خیرھا و خیر ماقبیھا و اعوذبک من شرھا و شر ماقبیھا

ولیمہ

جب پہلی رات بیوی کے ساتھ گزارے تو ولیمہ کرنا اور اپنے رشتہ داروں اعزہ اقرباء دوستوں کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ ولیمہ میں بہت زیادہ اہتمام کرنا ضروری نہیں بلکہ تھوڑا سا پکا کر رشتہ داروں کو کھلانے سے بھی ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

وہ ولیمہ بہت برا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے جب ولیمہ کیا جائے تو سب امیروں اور غریبوں کو بلایا جائے۔ ولیمہ صرف سنت ادا کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ جو شخص ولیمہ ناموری کے لئے کرتا ہے اس کو سنت کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب نہ بن جائے۔

دعوت قبول کرنا

اگر کوئی شخص دعوت کرے تو دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ اگر دعوت کرنے والے کا مال حرام ہو جیسے وہ رشوت سود اور بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو تو اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہئے۔ اگر دو شخص ایک ساتھ دعوت کریں تو جس کا گھر تمہارے گھر سے قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو۔

سفر کے مسنون اعمال

رفیق سفر

سفر میں دو آدمیوں کا جانا مسنون ہے۔ ایک آدمی کا جانا بہتر نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت یا مجبوری ہو تو ایک آدمی کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آغاز سفر کا دن

جمعرات اور ہفتہ کے دن سفر شروع کرنا سنت ہے۔

قیام کرنا

سفر میں ٹھہرنے کی سنت یہ ہے کہ راستے کے درمیان جہاں مسافروں کے چلنے کی جگہ ہو

وہاں نہ ٹھہرے بلکہ ایک طرف ہٹ کر ٹھہرے۔

فوراً واپس لوٹ آنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس مقصد کے لئے سفر کیا تھا جب وہ حاصل ہو جائے تو واپس لوٹ آئے۔ بلا ضرورت سفر میں نہیں رہنا چاہئے۔"

گھر واپسی کی اطلاع دے

اگر کہیں دور سفر پر گیا تھا تو اچانک گھر نہ چلا جائے بلکہ پہلے آنے کی خبر کر دے پھر کچھ ٹھہر کر جائے۔ اگر رات کو تاخیر سے واپس آؤ تو رات ہی کو گھر نہ چلے جاؤ بلکہ کہیں (قریب) ٹھہر کر صبح کو گھر جاؤ۔ لیکن اگر گھر والوں کو آنے کی خبر ہو اور وہ لوگ انتظار میں ہوں تو رات ہی کو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ طریقے سنت کے ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں ملتی ہیں۔

گھر سے پہلے مسجد

سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ سفر میں کتا اور گھنگرو ساتھ نہ رکھنا بھی سنت ہے ورنہ شیطان پیچھے لگ جاتا ہے اور سفر بے برکت ہو جاتا ہے۔

مجلس و ملاقات کے مسنون اعمال

ہر ایک کو سلام

سلام بھی ایک بڑی اور اہم سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہئے خواہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو کیونکہ سلام اسلام کا حق ہے جو جاننے پر موقوف نہیں ہے۔

بچوں کو سلام

چھوٹے بچوں کو سلام کرنا بھی سنت ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری، مسلم)

الوداعی سلام

جب لوگوں سے رخصت ہونے لگو تو ان کو سلام کر کے رخصت ہو۔

مصافحہ کرنا

جب کسی مسلمان بھائی سے ملو تو مصافحہ کرنا سنت ہے۔ مرد مرد سے اور عورت عورت سے مصافحہ کرے۔ مرد کا عورت سے اور عورت کا مرد سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

چھینک کا جواب

جب چھینک آئے تو "الحمد للہ" کہو۔

جب کسی کو چھینک کے بعد الحمد للہ کہتے ہوئے سنو تو اس کو جواب میں یرحمک اللہ ضرور کہو۔ اس کا بہت خیال رکھو کہ یہ اسلام کا ضروری حق ہے۔

جمائی کا طریقہ

جب جمائی آئے تو سنت یہ ہے کہ منہ کو بند کر لے اگر منہ کو بند نہ کر سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

دیندار کی تعظیم

جب کوئی بڑا دیندار شخص تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔

مجلس کا ادب

جب کسی مجلس میں جاؤ تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جاؤ۔ کسی کو جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

آنے والے کا ادب

جب کوئی شخص مجلس میں آئے اور جگہ نہ ہو تو بیٹھنے والوں کے لئے سنت ہے کہ ذرا مل کر بیٹھ جائیں اور آنے والے کے لئے جگہ بنا دیں۔

سرگوشی

جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمیوں کے لئے جائز نہیں کہ تیسرے کو چھوڑ کر خود باتیں

کریں۔ کیونکہ اس سے تیسرے آدمی کو تکلیف ہوگی اور کسی مسلمان کو تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔

پہلے اجازت لو

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا سنت ہے۔ اجازت حاصل کرکے داخل ہونا چاہئے۔

پسندیدہ نام

اپنی اولاد کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن رکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (اس کے علاوہ نام رکھنا بھی جائز ہے لیکن یہ دونوں نام افضل ہیں)

مرض و مریض کے مسنون اعمال

بیمار پرسی

جب کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کو ملنے جانا سنت ہے۔

بیمار پرسی کا طریقہ

بیمار پرسی میں سنت یہ ہے کہ تھوڑی دیر رکے پاس سے جلد واپس آئے۔ تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہو اور اس کے گھر والوں کے کام میں خلل واقع نہ ہو۔

تسلی دینا

بیمار کے پاس جا کر اس کو تسلی دینا سنت ہے۔ مثلاً اس سے یوں کہنا کہ ان شاء اللہ تم جلد صحت مند ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں۔ غرض کسی قسم کی بھی ڈرانے والی بات نہ کرے۔

رات کو جانا

رات کو بیمار پرسی کرنا جائز ہے۔ بعض لوگ رات کو بیمار پرسی کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جب بیمار آدمی تین دن بیمار رہے پھر بیمار پرسی کرنی چاہئے بلکہ جب چاہے بیمار پرسی کرے خواہ ایک دن ہی بیمار رہا ہو۔

علاج کرنا

بیماری میں دوا، علاج کرنا سنت ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے (کہ شفا اللہ تعالیٰ ہی دیں گے) اور علاج کرتا رہے۔

کلونجی اور شہد کا استعمال

کلونجی اور شہد سے دوا تیار کرنا سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں میں شفا رکھی ہے۔ ان دونوں کے بہت سے فوائد حدیث میں آئے ہیں۔

نیک فال

جب کوئی اچھا نام یا کوئی اچھی بات سنو تو اس کو اپنے لئے اچھی بات سمجھو۔ (کہ ان شاء اللہ کوئی اچھی بات میرے ساتھ ہوگی) اور خوش ہو جاؤ۔ یہی فال لینا ہے۔ بدفالی سخت منع ہے۔ مثلاً سفر میں جاتے وقت اگر گیدڑ راستے سے گزر جائے تو اس دن سفر نہ کرنا بلکہ کسی اور دن سفر کرنا یا صبح کو بندر کا نام نہیں لیتے وغیرہ کو برا سمجھتے ہیں یہ سب باتیں غلط ہیں۔ کسی آدمی یا جگہ کو منحوس سمجھنا بھی غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اس مکان کی نحوست کی وجہ سے ہم کو یہ بیماری یا نقصان ہوا غلط ہے۔

میت کو جلدی دفن کرو

میت کے بارے میں سنت یہ ہے کہ جلدی دفن کریں۔

قبر

قبر کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس پر پانی ڈالیں بہت اونچی اور پکی نہ بنائیں۔

میت والوں کو کھانا کھلانا

میت کے رشتہ داروں کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ صرف ان لوگوں کو جو میت کے عزیزوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں نہ کہ ساری برادری کو کھلانا سنت ہے۔ اسی وقت جو موجود ہو حاضر کر دیا جائے نام و نمود اور دکھاوا جائز نہیں ہے۔

جمعہ کے دن کے سنت اعمال

۱- غسل کرنا اور غسل میں خطمی استعمال کرنا۔

۲- ناخن کٹوانا ہاتھ کے: ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی بیچ کی انگلی اس کے برابر والی انگلی چھنگلیا پھر الٹے ہاتھ کی چھنگلیا اس کے برابر والی انگلی بیچ والی انگلی اس کے برابر والی انگلی انگوٹھا پھر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا۔

اور پاؤں کے ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرنا۔ ۳-خوشبو لگانا ۴-سورۂ کہف پڑھنا۔

۵-جمعہ کی آخری ساعت میں دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ ۶-کثرت درود شریف۔

۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:۔

اللھم صل علیٰ محمد ن النبی الامی و علیٰ آلہ و سلم تسلیماً

اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔

شام کے وقت کے سنت اعمال

بچوں کو باہر نہ نکلنے دو

جب شام ہو جائے تو بچوں کو باہر نہ نکلنے دو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس وقت شیطان کا لشکر زمین پر پھیلتا ہے۔

دروازہ بند کرو

جب رات کو عشاء کی نماز کے بعد گھر میں آؤ تو گھر دروازہ زنجیر کواڑ یا چٹخنی سے بند کر لو۔ (یعنی تالا یا کنڈی لگادو)

عشاء کے بعد گفتگو

عشاء کے بعد طرح طرح کے قصے کہانی مت کہو ایسا نہ ہو کہ صبح کی نماز قضاء ہو جائے بلکہ عشاء کے بعد جلدی سو جانا چاہئے۔ ہاں اگر نصیحت کی باتیں کی جائیں یا انبیاء اور اولیاء کا ذکر کیا جائے (یعنی ان کے دین پر چلنے کے حالات سنائے جائیں جس سے دین پر چلنے کا شوق پیدا ہو) تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کام کرنے والا (کاریگر) اپنا کام کرے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

چراغ و چولہے گل کر دو

جب رات کو سونے لگو تو چراغ گل کر دو۔ جلتا نہ رہنے دو کیونکہ اس سے آگ لگ جانے کا خطرہ ہے۔ اس سے سنت کا بھی ثواب ملے گا اور حفاظت بھی ہوگی۔ اسی طرح اگر چولہے میں آگ ہو تو اس کو مٹی یا راکھ ڈال کر بجھا دو کھلی نہ چھوڑ دو۔

بستر جھاڑنا

سونے سے پہلے بستر جھاڑنا سنت ہے تاکہ خدانخواستہ اس میں کوئی موذی چیز نہ پڑی ہو۔

سونے کا طریقہ

سونے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لیٹیں۔ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیں اور بایاں بازو بائیں کروٹ پر سیدھا رکھ کر سو جائیں۔

مسنون دعائیں

سوکر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا و اليه النشور

ترجمہ: "اس اللہ تعالیٰ کا (بہت بہت) شکر ہے جس نے ہمیں موت دینے (نیند سلانے) کے بعد دوبارہ زندہ کیا (نیند سے جگایا) اور ہمیں (قبروں سے اٹھ کر) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔"

بیت الخلاء جانے کی دعا

بسم الله اللهم انى اعوذبك من الخبث و الخبائث

ترجمہ: "اے اللہ! میں تکلیف دینے والے اور ناپاک جنوں اور جنیوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔"

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

غفرانك الحمد لله الذي اذهب عني الاذى و عافاني

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔"

وضو شروع کرنے کی دعا

بسم الله الرحمن الرحيم

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ جو بہت مہربان اور بڑے رحم والے ہیں کے نام سے (وضو) شروع کرتا ہوں۔"

وضو کے درمیان کی دعا

اللهم اغفرلي ذنبي ووسع لي في داري و بارك لي في رزقي

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ میرے گناہ معاف فرمادیں اور میرے (دنیا اور آخرت کے) گھر میں وسعت عطا فرمادیں اور میرے (دینی اور دنیوی) رزق میں برکت عطا فرمادیں''۔

وضو کے بعد کی دعا

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ' واشھد ان محمداً عبدہ' و رسولہ'. اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین. سبحٰنک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

ترجمہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! آپ مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں اور خوب پاک وصاف رہنے والوں میں شامل فرمادیں۔ اے اللہ! آپ پاک ہیں اور میں آپ کی تعریف کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں آپ سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور اے اللہ میں (اپنے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں۔''

گھر سے نکلنے کی دعا

بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر جو میرے رب ہیں بھروسہ کرتا ہوں۔ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکیوں کے کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔''

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

بسم اللّٰہ والصلوۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ. اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام ہوں۔ اے اللہ! آپ میرے گناہوں کو معاف فرمادیجئے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔''

مسجد سے باہر نکلنے کی دعا

بسم اللہ والصلوۃ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر مسجد سے باہر نکلتا ہوں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے۔''

فائدہ: کشائش رزق کے لئے اس دعا کے بعد راستہ چلتے ہوئے اللّٰھم انی اسئلک رزقاً واسعاً حلالاً طیباً اور اللّٰھم اکفنا بحلالک عن حرامک واغننا بفضلک عمن سواک اور درود شریف پڑھ لے۔

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ سے ایسے رزق کا سوال کرتا ہوں جو کشادہ، حلال اور پاکیزہ ہو۔ اے اللہ! آپ مجھے بنا حلال رزق عطا فرما کر حرام سے بچا دیجئے اور مجھے اپنے فضل سے آپ کے علاوہ سے بے نیاز فرما دیجئے۔''

اذان کے بعد کی دعا

اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودن الذی وعدتہٗ انک لا تخلف المیعاد

ترجمہ: ''اے اللہ! اس دعوت کاملہ اور (اس کے نتیجے میں) کھڑی ہونے والی نماز کے مالک آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (مقام) وسیلہ و فضیلت عطا فرما دیجئے اور ان کو اس مقام محمود پر پہنچا دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔''

نماز سے فارغ ہو تو یہ دعا پڑھے

بسم اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اذھب عنی الھم والحزن

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جس کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! آپ میرے غم اور

میری ہر پریشانی کو مجھ سے دور فرما دیں۔"

کھانا شروع کرنے کی دعا

بسم اللہ و علیٰ برکۃ اللہ

ترجمہ: "(ہم یہ کھانا) اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی برکت سے (کھاتے ہیں)۔"

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا

الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمانوں میں بنایا۔"

جب دعوت کا کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی

ترجمہ: "اے اللہ! آپ اس کو کھلائیے جس نے ہمیں کھلایا اور آپ اس کو پلائیے جس نے ہمیں پلایا۔"

جب کپڑا پہنے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ کپڑے پہنائے جن میں اپنا ستر ڈھانکتا ہوں اور ان سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔"

دعا استخارہ

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد:

اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک و اسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم و انت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف بیان کرتے ہیں۔"

شہر میں داخل ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم بارک لنا فیھا (تین بار) اللّٰھم ارزقنا جناھا و حببنآ الیٰ

اھلھا و حبب صالحی اھلھآ الینا

ترجمہ:" اے اللہ! آپ ہمیں اس بستی میں خیر و برکت عطا فرمائیں۔ اے اللہ! آپ ہمیں اس بستی کے ثمرات (ومنافع) عطا فرمایئے اور اس بستی والوں میں ہماری محبت ڈال دیجئے اور اس بستی کے نیک لوگوں کی محبت ہمیں عطا فرمایئے۔"

جب کسی منزل پر اترے تو یہ دعا پڑھے

اعوذ بکلمات اللّٰہ التآمات من شر ما خلق

ترجمہ:" میں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں۔"

جب کوئی مصیبت پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی فاجرنی

فیھا وابدلنی منھا خیراً

ترجمہ:" بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے (بندے) ہیں اور بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں یہ مصیبت پیش کرتا ہوں۔ پس آپ مجھے اس مصیبت پر اجر عطا فرمائیں اور اس کے بدلے اس سے بہتر (نعمت) عطا فرمائیں۔"

جب کوئی مشکل پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاً و انت تجعل الحزن سھلاً اذا شئت

ترجمہ:" اے اللہ! صرف آسان وہی چیز ہے جس کو آپ آسان بنا دیں۔ اور آپ

جب چاہیں غم کو آسان کر دیں۔"

جب نیا چاند دیکھے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم اھلہ علینا بالیمن و الایمان و السلامۃ و الاسلام و التوفیق لما تحب و ترضی ربی و ربک اللّٰہ

ترجمہ: "اے اللہ! آپ اس چاند کو برکت وایمان، سلامتی واسلام اور ہر اس نیک عمل کی توفیق کے ساتھ نکالئے جو آپ کو پسند ہو اور جس سے آپ راضی ہوں۔ اے چاند! میرا اور تیرا دونوں کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔"

جب آئینہ دیکھے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انت حسنت خلقی فحسن خلقی

ترجمہ: "اے اللہ! آپ ہی نے میری صورت اچھی بنائی ہے۔ آپ ہی میرے اخلاق اچھے بنا دیجئے۔"

جب کوئی خوشی کی بات دیکھے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس کے انعام سے نیک کام پورے ہوتے ہیں۔"

جب کوئی ناگواری پیش آئے تو یہ دعا پڑھے

الحمد للّٰہ علی کل حال

ترجمہ: "ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام تعریفیں"۔

جب غصہ آئے تو یہ دعا پڑھے

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیمo

ترجمہ: "میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔"

جب مجلس سے فارغ ہو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

سبحان اللہ وبحمدہ سبحنک اللّٰھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور انہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں' اے اللہ! میں آپ ہی کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتا ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' میں آپ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ ہی کی طرف سے رجوع کرتا ہوں۔ (توبہ کرتا ہوں)۔"

جب مغرب کی اذان سنے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم ھذا اقبال لیلک و ادبار نھارک واصوات دعاتک فاغفرلی

ترجمہ: "اے اللہ! یہ آپ کی رات کے آنے' دن کے جانے اور آپ کے پکارنے والوں کی پکار کا وقت ہے (اس کی برکت سے) مجھے معاف فرما دیجئے۔"

جب گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انی اسئلک خیر المولج و خیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا و علی اللہ ربنا توکلنا

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کی خیر و برکت مانگتا ہوں۔ (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور نکلنا خیر کا ذریعہ بنے) اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی جو ہمارے رب ہیں ہم نے ان پر بھروسہ کیا۔"

جب سونے لگے تو یہ دعا پڑھے

اللّٰھم باسمک اموت و احییٰ

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کے نام سے ہی مروں گا اور آپ کے نام سے ہی جیتا ہوں۔"

مہمان کا ادب

مہمان کے ساتھ خود بھی کھانا کھاؤ۔

مہمان

مہمان کے لئے حد سے زیادہ تکلف نہ کرو۔

مسجد

مسجد کے دروازہ پر پیشاب نہ کرو (ورنہ مسجد میں بدبو ہو جائے گی)

عورتوں کی تابعداری

مرد عورتوں کی تابعداری کرنے لگیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

موت

موت کی آرزو نہ کرو۔ (کیونکہ زندگی میں نیکوں کی نیکیاں بڑھتی ہیں اور بدکار کو توبہ نصیب ہونے کی امید ہے)۔ موت کو یاد کرنے میں صدقہ کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مردوں کو برا نہ کہا کرو۔

مریض کے سامنے بیٹھ کر مت کھاؤ

مسواک والی نماز: مسواک کئے ہوئے وضو سے دو رکعتیں پڑھنا بغیر مسواک کی چالیس رکعتوں سے بہتر ہے۔

مریض

مریض دفعتاً آجاتا ہے اور تندرستی آہستہ آہستہ آتی ہے۔

مظلوم

مظلوم کی بددعا سے بچو یعنی ظلم اور ایسے کام نہ کرو جس سے کوئی مظلوم تمہارے لئے بددعا کرے

مکار و دھوکہ باز

مکاری اور دھوکہ بازی کی سزا دوزخ ہے۔

انبیاءؑ کا تذکرہ

انبیاء کا یاد کرنا عبادت کی طرح ہے۔ (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے دینی کمالات کا تذکرہ کرنا جس سے ایمان و عمل میں قوت پیدا ہوتی ہے)

قبر

یاد کرنا قبر کا تم کو جنت سے قریب کرے گا۔

خاموشی

خاموشی اختیار کرو اس سے شیطان مغلوب ہوتا ہے۔

جنت کا راستہ

ہر شے کے لئے ایک راستہ ہوتا ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

قناعت

قناعت ایسا مال ہے جو کبھی تمام ہی نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔

فکر و درد

قرض کی فکر کے برابر کوئی فکر نہیں ہے اور آنکھ کے درد کے برابر کوئی درد نہیں ہے۔

پہلی منزل

قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک پہلی منزل ہے۔

طواف

طواف بھی (اکثر احکام اور ثواب میں) نماز کی طرح ہے لیکن اس میں کلام بہت کم کیا کرو۔

طلب حلال

طلب کرنا حلال کا جہاد کے مانند (فرض اور باعث ثواب) ہے۔

عمامہ

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثواب بغیر عمامہ کے نماز سے ستر درجہ زیادہ ہے۔

علم

علم کا طلب کرنا (بقدر ضرورت) فرض ہے۔
علم کو روکنا (یعنی باوجود ضرورت کے بخل کرنا) جائز نہیں۔

شوال کے روزے

عید الفطر کے بعد (شوال کے مہینے میں) جس نے چھ روزے رکھے اس نے گویا تمام سال روزے رکھے (یعنی اسی قدر ثواب ملے گا)

برکت والی

عورتوں میں جس کا مہر سب سے ہلکا ہو وہ سب سے زیادہ برکت والی ہے۔

ظلم و ظالم

ظلم کرنے والے اور ان کے مددگار سب دوزخ میں جائیں گے۔

ظلم کرنا قیامت کے دن اندھیرے کا باعث ہوگا (نیک بندوں کے لئے پل صراط پر نور ہوگا اور ظالم اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیں گے)۔

خاتمہ

صرف خاتمہ پر عمل کا اعتبار ہے یعنی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے معلوم نہیں انجام کیا ہو۔

صبر

صبر کرنا مصیبت پر بڑی عبادت ہے یعنی اس میں بھی عبادت کے برابر ثواب ہے۔

قتل نہ کرو

ضعیف بوڑھے بچے اور عورت کو (جہاد میں) قتل نہ کرو۔

مال کا زمانہ

ضرور تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دینار و درہم ہی نفع دے گا۔ یعنی بغیر مال کے کام ہی نہ چلے گا۔

امانت

ضمان نہیں ہے امانت رکھنے والے پر یعنی اگر کوئی شخص کسی کی چیز امانت رکھ لے اور وہ اتفاقیہ بلا اس کی غلطی کے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

بیوی کا خرچ

شوہر جو کچھ اپنی بیوی کو دیتا ہے اس میں صدقہ کے برابر ثواب ہے۔

قرض

شہید ہونے سے قرض کے علاوہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کفایت شعاری

خدا تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرماتے۔ جو حلال روزی کمائے اور کفایت شعاری سے خرچ کرے اور اپنی حاجت اور ضرورت کے دن کے واسطے پس انداز کرے۔

پاک مال

خدا تعالیٰ خود بھی پاک ہے۔ اور پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ یعنی حرام سے صدقہ دینا خدا کی جناب میں مقبول نہیں بلکہ گناہ کا باعث ہے۔

خط کا جواب

خط کے جواب کا بھی ایسا ہی حق ہے جیسے سلام کے جواب کا حق ہے۔ یعنی سلام کی طرح خط کا جواب بھی ضرور دینا چاہئے۔

بال بچوں کا حق

خرچ کرنے میں اپنے اہل وعیال سے شروع کرو (یہ نہ ہو وہ تنگی اور فاقہ میں بسر کریں اور تم مال لٹاؤ) خدا تعالیٰ کو وہ بندہ بہت عزیز ہے جو اپنے عیال کو زیادہ نفع پہنچائے۔

دھوپ میں نہ بیٹھو

دھوپ میں (زیادہ دیر تک) نہ بیٹھا کرو۔ اس سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں (بدن میں سے) بدبو آنے لگتی ہے اور چھپی ہوئی بیماریاں نکل آتی ہیں۔

دو آوازیں

دو آوازیں دنیا اور آخرت میں لعنت کا سبب ہیں، خوشی کے وقت راگ باجا اور مصیبت کے وقت چیخنا چلانا۔

دوست

دو دوستوں میں کبھی جگہ تنگ نہیں ہوتی یعنی وہ ذرا سی جگہ میں مل کر آرام سے بخوشی بیٹھ جاتے ہیں۔

نابینا کا حق

نابینا کو سامنے کر کے گذرنا بڑی بے غیرتی ہے یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ تو نابینا ہے اس کے سامنے سے گذرنے کی اس کو کیا خبر ہوگی

نماز

نماز سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

زنا کا وبال

زنا کے وبال سے مفلسی آ جاتی ہے۔

افضل اعمال

اعمال میں زیادہ افضل نماز کو وقت پر پڑھنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

مومن کا زیور

مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا۔ جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ یعنی قیامت کے روز جنتی زیور ہاتھ پاؤں میں وہاں تک پہنائے جائیں گے جہاں تک وضو میں دھوئے جاتے ہیں۔

سونا اور ریشم

سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے مردوں پر حرام ہے۔

اہل وعیال کا تحفہ

سفر سے واپس آؤ تو اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ تحفہ ضرور لیتے آؤ۔ کچھ نہ ملے تو پتھر ہی اٹھا لاؤ۔ (یہ بطور تاکید اور مبالغہ کے فرمایا)

سچا تاجر

سچا تاجر جنت کے دروازوں سے نہ روکا جائے گا۔

ولد الزنا

ولد الزنا اگر ماں باپ کی طرح برے عمل کرے تو یہ تینوں میں سب سے زیادہ بدتر ہے۔

ولد الزنا پر اس کے ماں باپ کا کچھ گناہ نہیں ہے۔

خلال کرنا

وضو کرتے ہوئے (انگلیوں میں) اور کھانے کے بعد (دانتوں میں) خلال کرے۔

والوں پر خدا تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

وعظ کا ادب

لوگوں کو (وعظ و نصیحت کی یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی) باتیں سناؤ تو اس طرح نہ سناؤ جس سے وہ گھبرا جائیں اور ان کے لئے ان باتوں یا احادیث پر عمل کرنا دشوار ہو جائے۔

بچے اور پاگل

بچوں اور مجنونوں کو مسجد سے علیحدہ رکھو۔(یعنی ان کو مسجد میں نہ آنے دو)

لعنتی عورتیں

لعنت ہو گی خدا کی ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہوں۔

فقراء پر احسان

فقیروں پر دنیا میں احسان کرو قیامت میں ان کے لئے بڑی دولت اور مرتبہ ہو گا وہاں تم پر احسان کریں گے۔

حاجی کا ظلم

جس نے حج کیا اور (خواہ مخواہ بلا عذر) میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

جمعہ کی موت

جو مسلمان جمعہ کے روز مر جائے قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

کسی کے کام آنا

جو شخص اپنے (اسلامی) بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں کوشش کرے گا خدا تعالیٰ اس کا بھی کام پورا کرے گا۔

گرم کھانا نہ کھاؤ

کھانا جب تک ٹھنڈا نہ ہو نہ کھاؤ یعنی اتنا تیز گرم نہ کھاؤ جس میں گرمی کی شدت ہو اور

ہاتھ میں جلنے کا خطرہ ہو۔

دستر خوان کا ادب

کھانا جب تک سامنے سے نہ اٹھالیا جائے دستر خوان سے نہ اٹھو۔

چیز لینے کا ادب

کسی سے جب کوئی چیز لو تو اس کو دکھا کر لو۔ (مثلاً کسی نے کہہ دیا کہ میرا صندوق کھول کر ایک روپیہ لے جاؤ تو وہاں سے نکال کر اسے دکھا دو اس میں بڑی مصلحت ہے۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی اچھی تعلیم دی ہے)

دعوت کھانے کا ادب

کھانا رکھا جائے تو پہلے قوم کا سردار شروع کرے یا کھانے کا مالک یا جو شخص مجمع میں سب سے بہتر ہو۔

طلب حلال

حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حلال روزی طلب کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے یعنی اس میں بھی بہت بڑا ثواب ملتا ہے۔

ناپسندیدہ حلال

حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز خدا تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے (اگر بلا ضرورت ہو)۔

حق کہو

حق بات کہو اگرچہ لوگوں کو تلخ (کڑوی) معلوم ہو۔

آسان روزہ

جو شخص تین کام کرے وہ آسانی سے روزہ رکھ لے گا۔ کھانا کھانے کے بعد پانی پیے

(پیاس کے غلبہ میں پیٹ بھر کر بہت سا پانی نہ پی جائے جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے) اور کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کرے (دوپہر کو ذرا آرام کرے)

ساقط کا نام

جو حمل گر جائے اس کا بھی نام رکھ دیا کرو۔

سر کٹ گیا تو تصویر نہ رہی

جب سر کٹ گیا تو تصویر نہ رہی یعنی وہ کراہت اور ممانعت کا حکم جو جاندار تصویر میں ہوتا ہے

عالم نافع

جس عالم کے علم سے مخلوق کو نفع پہنچے وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔

مروت وصلہ رحمی

جو شخص تمہاری عیادت (بیمار پرسی) کو نہیں آتا (تم) اس کی بھی عیادت کرو اور جو شخص تم کو تحفہ نہیں دیتا (تم) اس کو بھی تحفہ دو۔

جری گناہگار

جو شخص ہنستے ہوئے گناہ کرتا ہے وہ روتا ہوا دوزخ میں جائے گا۔ یعنی گناہ سے شرمندہ نہیں ہوتا ہے بلکہ بڑی جرأت اور بے باکی سے ہنسی مذاق اڑاتا ہوا گناہ کرتا ہے۔

محبوب کا ذکر

جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر بکثرت کرتا ہے۔

اہل بیت سے بھلائی

جو شخص میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی بھلائی اور احسان کرے گا میں اس کو قیامت میں (اس کا) بدلہ دوں گا۔

سچا عشق

عشق (صادق) میں مرجانے سے شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے عشق میں)

عصر کے بعد سونا

جو شخص عصر کے بعد سوئے اگر اس کی عقل ماری جائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے یعنی نہ اس وقت سوتا نہ عقل میں فتور آتا۔

دس محرم کا دن

جو شخص عاشورہ کے دن (۱۰ محرم کو) اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے (کھانے پینے کا سامان ہر روز سے کسی قدر زیادہ اور اچھا کرے) خدا تعالیٰ تمام سال اس پر وسعت اور فراغت کریں گے۔

استاد و شاگرد کی تعظیم

جس سے علم سیکھتے ہو اس کی تعظیم کرو۔ جس کو سکھلاتے ہو اس کی بھی توقیر کرو۔ یعنی جس طرح استاد کی تعظیم شاگردوں پر واجب ہے اسی طرح استاد بھی شاگردوں کو ذلیل نہ سمجھے۔

گھر کی برکت

جس گھر میں بچے نہیں ہوتے اس گھر میں برکت نہیں ہوتی۔

توبہ کیا کرو

تم خدا سے توبہ کیا کرو (دیکھو باوجود نبی ہونے کے) میں خود ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا۔

عفت کی حفاظت

تم زنا سے بچو گے تو تمہاری عورتیں بھی بچی رہیں گی۔

والد سے حسن سلوک

تم اپنے باپ سے اچھا سلوک کرو تمہاری اولاد تم سے اچھا سلوک کرے گی۔

مسواک کے فوائد

مسواک کرنے سے منہ صاف رہتا ہے اور خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

مقروض قیدی ہے

مقروض شخص قبر میں قیدی کی طرح پڑا ہوا خدا تعالیٰ سے رہائی کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ یعنی جب تک قرض ادا نہ ہو جائے یا قرض دینے والا معاف نہ کردے۔

سردار کی تعظیم

کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

میزبان کی رعایت

کسی کے گھر مہمان ہو تو ان کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھو۔ (شاید تمہارے روزہ سے ان کو دقت ہو۔)

مزدور کو مزدوری بتلا دو

مزدور کو مقرر کرو تو اس کی اجرت (پہلے ہی) بتلا دیا کرو (بعد میں) جھگڑا نہ ہو جائے۔

دنیا

پانی پر چلنے والا جس طرح کسی کے پاؤں خشک نہیں رہ سکتے اسی طرح دنیادار گناہ سے بچ نہیں سکتا۔

برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے۔

بہتر شخص

بہتر وہ شخص ہے جو آخرت کو دنیا کے لئے نہ چھوڑے اور دنیا کو آخرت پر نہ چھوڑے اور لوگوں پر بوجھ نہ بنے یعنی دینی کام کرنے کے ساتھ دنیا کے کاروبار کرتا رہے اور سب کا محتاج بن کر دوسروں پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

جاہل و بدکار سے بچو

بہت سے عابد جاہل ہوتے ہیں اور بہت سے عالم بدکار ہوتے ہیں۔ تم جاہل عابدوں اور بدکار عالموں سے بچتے رہنا۔

بڑا بخیل

بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

بکری پالنا

بکری پالنا برکت کا سبب ہے۔

جاہل مفتی

بغیر علم کے جو شخص لوگوں کو فتویٰ دے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

اچھا شخص

اچھا وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

آدمی کا اول و آخر

آدمی خاک سے پیدا ہوا ہے اور خاک ہی میں مل جائے گا۔

رحم کرو

تم اہل زمین پر رحم کرو خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

اللہ سے مانگو

تم حاجتوں کو خدا تعالیٰ سے مانگو یہاں تک کہ نمک بھی (اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔)

بڑا بھائی

بڑے بھائی کا رتبہ باپ کی طرح ہے۔

بڑی نالائقی

بازار میں کھانا بڑی نالائقی ہے۔

پہلے سلام بعد میں کلام

بات کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے جو شخص سلام کرنے سے پہلے ہی بات شروع کر دے اس کو جواب نہ دو۔

رزق

آدمی کی موت جیسے ہر جگہ اس کو تلاش کر لیتی ہے ایسے ہی اس کا رزق بھی ہر جگہ تلاش کر کے پہنچ جاتا ہے۔

دنیا وآخرت کا ساتھ

آدمی جن لوگوں کو دوست رکھتا ہے (دنیا اور آخرت میں انہیں کے ساتھ ہوگا)

ماں کا حق

اگر ماں اور باپ دونوں ایک ساتھ پکاریں تو پہلے ماں کو جواب دینا چاہئے۔

تحفہ دیا کرو

ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

عیال پر تنگی

اپنے اہل وعیال پر جو شخص (باوجود قدرت کے) تنگی کرے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض (جس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہو) اور ناپسندیدہ ہے۔

اے تاجرو!

اے تاجرو! جھوٹ سے بچتے رہو۔

باب ۳

معجزہ کیا ہے

معجزہ کی اقسام

معجزہ اور جادو میں فرق وغیرہ

معجزہ کیا ہے؟

معجزات کیوں دکھائے جاتے ہیں؟:

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں تشریف لاکر عالم انسانی کو ایک ایسے غیر محسوس عالم سے خبردار کرتے ہیں جو عام نظروں میں صرف غیر محسوس ہی نہیں ہوتا، بلکہ غیر معقول بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ اس عالم کے ماوراء ایک دوسرا عالم بھی ہے جو اس سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ پائیدار اور پر از عجائبات ہے اور یہ تمام عالم ایک ایسی ہستی کی مخلوق ہیں جو ان سب سے ماوراء ہے جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ کا وجود و عدم ہے۔ اس عجیب دعویٰ کے ساتھ وہ دوسرا عجیب دعویٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس "وراء الوراء" ہستی کی جانب سے وہ اس کے پیغمبر ہیں اور اب دارین کی فلاح و صلاح صرف ان ہی کی اتباع پر منحصر ہے۔

چونکہ انسان ہمیشہ سے صرف اپنے مشاہدات و تجربات پر یقین کرنے کا عادی رہا ہے اور محض عقلی طور پر کسی بات کا اگر وہ یقین کرتا بھی ہے تو اسی کا جو اس کے مشاہدات کا ثمرہ ہوتی ہے، اس لئے رسولوں کے ان غائبات پر جزم و یقین حاصل کرنے کے لئے وہ کسی نہ کسی سائنٹیفک طریقہ کا متلاشی رہتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے سامنے یہاں کوئی ایسا طریقہ موجود نہیں ہوتا اس لئے وہ دعوت انبیاء کی فوری تصدیق کرنے میں کچھ معذوری سی محسوس کرتا ہے اس لئے یہ ضروری ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لاکر دنیا کے سامنے ایک "جدید طریقہ استدلال" کا آغاز کریں جو عالم "غائبات" پر ایمان لانے کے لئے انسانی فطرت کو بہت آسانی کے ساتھ مطمئن کرسکے اور وہ یہی ہے کہ ان کی فطرت کے مطابق نئے

دلائل پیش کریں جن کا تعلق مشاہدات ہی سے ہو۔ ان ہی کا نام "معجزات و خوارقِ عادات" ہے۔ جب ایک سلیم الفطرت انسان اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اشیاء میں خواص و تاثیر کا جو اصول اس نے اپنے ذہن سے تراش رکھا تھا وہ خود باطل تھا تو اب اس میں ایک ایسی بالاتر طاقت کے تسلیم کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جو خود مادہ کا خالق ہو اور اس کے تمام خواص کا بھی خالق ہو، اور چونکہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کی تکذیب کر سکتا ہے اس لئے اس کو یہ یقین کر لینا آسان ہو جاتا ہے کہ جس طرح مادہ کے یہ خواص مادہ میں کسی کی قدرت کی جانب سے پوشیدہ رکھے گئے تھے اسی طرح اس کی قدرت سے سلب بھی ہو سکتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اس میں تمام "غیبیات" پر یقین کرنے کا رجحان پیدا ہونے لگتا ہے اور کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ اس کے دماغ میں ان سے کوئی انحراف باقی نہیں رہتا۔

پھر جب وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ ان عجائبات کا رشتہ ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہے تو اب اس کے لئے ان کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کرنے اور غیب کے صحیح ترجمان ہونے میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر معجزات و خوارقِ عادات بھی "عالم اسباب" ہی کے محکوم ٹھہریں تو پھر جس طرح تمام عالم ان ہی کے زیر اثر حرکت کر رہا ہے یہ بھی اسی جنس کی ایک نوع ہوں گے جن کا راز اگر آج نہیں تو کل فاش ہو کر رہے گا، جنہوں نے خوارقِ عادات کو "نوامیس طبیعیہ" ہی کے تحت لانے کی کوشش کی ہے انہوں نے اس طرف نظر نہیں کی کہ اس صورت میں پھر معجزہ و خوارق کو "آیات و دلائل" نبوت ٹھہرانے کا مطلب کیا رہے گا۔ اگر قادرِ مطلق کی قدرت کا متلاشی اس کی قدرت علی الاطلاق کے مظاہر کا مشاہدہ کرنا چاہے تو آخر وہ کہاں جا کر کرے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں "احیاء و اماتت" کے معجزات کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے تا کہ ان واقعات کی تصدیق کرنے والے دیگر خوارق عادات کی بھی تصدیق کر سکے، جنہوں نے ان حقائق کی قرآن کریم میں بھی تاویل کر ڈالی ہے انہوں نے قدرت علی الاطلاق کے ان مظاہر کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔

معجزات کا صحیح عنوان "آیات و براہین نبوت" ہے:

حافظ ابن تیمیہ نے اپنی متعدد تصنیف میں بہت اصرار کے ساتھ اس پر زور دیا ہے

کہ معجزات وخوارق کا صحیح عنوان ''آیات وبراہین'' ہیں اور یہی عنوان قرآن کریم اور سلف نے اختیار فرمایا ہے اور معجزہ کی صحیح حقیقت سمجھنے کے لئے یہی تعبیر آسان بھی ہے، لفظا آیت کا ترجمہ ''علامت اور نشانی'' ہے تو اب یہ ایک بالکل سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح ہر شے کی شناخت کے لئے کچھ مخصوص علامات ہوتی ہیں جس سے وہ شے بہت جلد اور آسانی کے ساتھ پہچان لی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی کچھ ایسی ''علامات و نشانیاں'' ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر بآسانی ان کی نبوت ورسالت کا یقین حاصل ہو سکتا ہے بس ان ہی کا نام ''آیات نبوت'' ہے، اور چونکہ یہ علامات ان کے ''فرستادۂ الٰہی'' ہونے کا واضح ثبوت ہیں اس لئے قرآن کریم نے ان کا نام ''برہان'' بھی رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''عصا اور ید بیضاء'' کے دو معجزات عطا فرما کر ارشاد ہوتا ہے: فذٰنک برھانٰن من ربک، لیکن یہ ظاہر ہے کہ علامت اور جس چیز کی وہ علامت مقرر ہو اس کے درمیان کوئی خصوصیت ہونی چاہئے تا کہ اس علامت کو دیکھ کر فوراً اس دوسری چیز کا یقین حاصل ہو سکے، منطق کی اصطلاح میں ایسی علامت کا نام ''خاصہ'' ہے، مثلاً ہم افق کی سفیدی کو دیکھتے ہیں تو فوراً طلوع نہار کا یقین حاصل کر لیتے ہی، اسی طرح افق پر تاریکی نمودار ہوتی ہے تو اس کو دیکھتے ہی ہم کو شب کی آمد کا یقین ہو جاتا ہے، پس جس طرح ان محسوسات اور ان کی علامات کے درمیان ایک ایسا محکم ''ربط'' موجود ہے کہ ایک کے وجود سے دوسرے پر استدلال کرنا معقول سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ ''نبوت ورسالت'' اور ان کی ''علامات وآیات'' کے درمیان بھی کوئی ایسا خاص ''ربط'' موجود ہو جس کو دیکھ کر ایک مادہ پرست کے لئے بھی نبوت ورسالت کی معرفت کا دروازہ کھل جائے، یہ ظاہر ہے کہ نبی ورسول کی ہستی خود اگرچہ محسوس اور مشہود ہوتی ہے لیکن اس کی نبوت ورسالت محسوسات اور مشاہدات میں داخل نہیں، یہ ایک ''غیبی'' حقیقت ہے اس لئے جو چیز اس کی علامت اور نشانی کی حیثیت سے مقرر کی جائے اس کو بھی ''عالم غیب'' سے کوئی صاف علاقہ ہونا چاہئے خود مادہ اور مادہ کے خواص میں یہ صفت موجود نہیں، وہ سب ایک عادی نظام کے تحت ہوتے ہیں اس لئے ان کو دیکھ کر نبوت کے اقرار کرنے کا کوئی داعیہ پیدا

نہیں ہوتا، لہذا قدرت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ ایسے خارق عادات افعال بھی ظاہر فرماتی ہے، جن کو فطرت انسانی "نوامیس طبعیہ" سے خارج دیکھ کر ایک دم چونک پڑتی ہے اور ان کے اسباب وعلل کی جستجو میں پڑ جاتی ہے اور جب ان کو "اسباب عادیہ" سے خارج دیکھتی ہے تو اس میں کسی "غیبی طاقت" کے اقرار کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، علم کلام کی اصطلاح میں ایسے ہی افعال کا نام "معجزات" ہے اگر یہ بھی ظاہری علل واسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط وعلاقہ کی دلیل کیوں کر بن سکتے ہیں؟ کفار ان کو دیکھ کر آج نہیں تو کل یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے تھے، اسی لئے انبیاء علیہم السلام یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ جتنے معجزات ان سے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب ان کی قدرت سے نہیں بلکہ "خدا کی قدرت" سے ہیں، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ان کا عنوان "علامات نبوت" رکھا ہے اور جن مؤلفین نے اس موضوع پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں انہوں نے اپنی مؤلفات کا نام "دلائل نبوت" رکھا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ "معجزہ" کے عنوان سے یہاں بہت سی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں جو سینکڑوں صفحات لکھنے کے بعد بھی سلجھ نہیں سکیں، ہم یہاں ان مباحث کا نقل کرنا موجب طوالت سمجھتے ہیں، بالخصوص جبکہ بڑی بڑی بحثوں کے بعد بھی ارباب قلم کا قلم کسی ایک رائے پر جم نہیں سکا، کوئی کہتا ہے "معجزہ" اگرچہ ان ہی اسباب وعلل کی ایک کڑی ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ان اسباب کا علم ہم کو اس وقت بھی حاصل ہو ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کے اسباب ہم کو معلوم ہو جائیں اور کسی کا خیال ہے کہ "وہ اس سلسلۂ اسباب ہی سے باہر ہوتا ہے" پھر ان بیانات کے ضمن میں جو مقدمات استعمال کئے گئے ہیں، ان سب کی انتہا بھی صرف تجربیات اور ظنیات پر ہے، بلکہ کسی کسی نے تو یہاں تک بھی لکھ ڈالا ہے کہ "معجزات کا وجود خارج میں تسلیم کرنا ہی کیا ضروری ہے، ہوسکتا ہے کہ صرف مخاطبین کے ذہنوں میں ایک صورت قائم ہو جاتی ہو اور دیکھنے والا اس کو یہ سمجھتا ہو کہ یہ اس کا خارجی وجود ہے" ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا سب کارخانہ "وجود خارجی" کے ساتھ قائم ہے پھر ان کی دعوت کے مخاطبین بھی سب خارج میں موجود ہوتے

تفصیلی نظر کرنی ایک طویل اور مستقل موضوع پر نظر کرنی ہے، لیکن جہاں تک اجمال سے دیکھا جاتا ہے وہ یا تو خود اس کی "خالقیت" سے متعلق ہیں یا ان "تصرفات" سے متعلق ہیں جو اس کی مخلوقات میں مقدور بشری سے خارج نظر آتے ہیں، مثلاً زمین کو نسل انسانی کے لئے قابل استقرار و رہائش بنا دینا اور اس غرض کے لئے اس کے اطراف و جوانب میں مناسب طور پر پہاڑوں کا نصب کر دینا، حیات حیوانی کی بقاء کے لئے اس میں پانی کے چشمے بہا دینا اور ایک ہی زمین میں اس کی مختلف غذاؤں کا سامان ودیعت فرما دینا، آسمان کو کسی ستون کے بغیر ایک مضبوط اور مزین چھت بنا دینا، آفتاب و ماہتاب کا انسانی معیشت کے مطابق ایک نظام مقرر پر طلوع ہونا اور غروب ہو جانا، انسانی کاشت کے لئے پانی کے معلق بادلوں کو مسخر کر دینا وغیرہ وغیرہ، یہ سب افعال وہ ہیں جو انسانی قدرت سے خارج ہیں، جب انسان اپنی علمی وسعت کے باوجود اس عظیم الشان اور غیر متبدل نظام کو دیکھتا اور کچھ سمجھ لیتا ہے پھر اس کی ذرہ برابر تبدیلی پر اپنے اندر کوئی قدرت نہیں رکھتا تو بے اختیار ہو کر کسی بالاتر ہستی کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی لئے ان کا نام "آیات الوہیت" رکھا گیا ہے، یعنی ایک "مافوق ہستی" کے وجود کے لئے شاہد صدیق ہیں۔

مذکورہ بالا یہ تمام آیات اگرچہ "مقدور بشری" سے خارج ہیں، مگر انسان ان کو "خارق عادت" نہیں سمجھتا اگرچہ یہ صرف ایک "مغالطہ" ہے کیونکہ بلحاظ حقیقت ہمارے اس "نظام عادی" اور خارق عادت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، پس جو نظام ابتداء عالم سے محض قدرت کی فیاضی سے ہمارے مشاہدہ میں چلا آتا ہے ہم اس کو "نظام عادت" سے تعبیر کرنے لگتے ہیں اور اسی کا نام "نوامیس طبعیہ" رکھ دیتے ہیں، اگر ابتداء سے عالم کی عادت اس کے برخلاف ہوتی تو اسی کو ہم "نظام عادی" کہنے لگتے، مثلاً اب جو "نظام ولادت" انسان کی دو صنفوں کے اتصال سے قائم ہے، ہم اس کو "طبعی نظام" سمجھتے ہیں، لیکن اگر ابتداء ہی سے انسانی پیدائش صرف ایک صنف سے ہوا کرتی تو یقیناً ہم اسی کا نام "نظام عادی" رکھتے، آخر بہت سے حشرات الارض اب بھی ایسے موجود ہیں جو اتصال جنسی کے بغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور دنیا اسی کو ان کا "عادی نظام" سمجھتی ہے، پس "عادی" اور "غیر

عادت'' کا فرق خالق کی نظر میں کچھ نہیں صرف ہمارے تجربے اور مشاہدہ کا فرق ہے۔

خرق عادت کا مفہوم:

تاہم قدرت ہمارے تجربات اور مشاہدات کے برخلاف بھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر بعض ایسے افعال ظاہر فرماتی رہی ہے جن کو ہم بھی خارق عادت سمجھتے ہیں، اگرچہ جب ''مجموعۂ عالم'' میں کچھ ''شخصیات بارزہ'' کے ذریعے بعض ایسے افعال کا صدور ہوتے رہنا عالم کی ''عادت'' میں داخل ہے تو پھر مجموعۂ عالم کے لحاظ سے ان کو بھی خارق عادت کہنا محل تأمل ہونا چاہئے۔ اب اگر ان کو ''خارق عادت'' کہا جا سکتا ہے تو صرف اس معنی سے کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں، بلکہ خاص خاص زمانے اور خاص خاص افراد کے دور کی ''عادت'' ہیں لہٰذا اب ایک بحث یہ بھی ضروری ہے کہ ''خرق عادت'' کا مفہوم کیا ہے؟ دیکھئے یہ کسوف وخسوف عالم روزمرہ کی عادات تو نہیں تاہم ان کو بھی ہم عالم کی ''عادت'' میں شمار کر لیتے ہیں اور ''خرق عادت'' نہیں کہتے اسی طرح ہمارے اصطلاحی خوارق کا ظہور بھی جب عالم کی مجموعی تاریخ میں مختلف زمانوں میں ثابت ہے تو ان کا نام بھی ''خرق عادت'' کیوں رکھا جائے، یہاں کسوف وخسوف کے اسباب معلوم ہوتے اور انبیاء علیہم السلام کے خوارق کے اسباب معلوم نہ ہونے سے ان کے خوارق عادت ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بالفرض اگر ہم کو کسوف وخسوف کے اسباب معلوم بھی ہوں تو کیا ان کے تغیر و تبدل پر کسی قسم کی نوع کی ادنیٰ قدرت بھی حاصل ہے؟ پھر جن اسباب عالم کا ہم کو علم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح وہ ''کل تک'' آج حرکت ارضی کی بناء پر درست ثابت ہوتی ہے اسی طرح وہ بات بطلیموس کی بناء پر بھی صحیح ثابت ہوتی تھی، مشاہدہ کا دعویٰ دونوں ہی نے کیا ہے، لیکن اس وقت ان دونوں فریق کے ''نظریات'' سے کوئی بحث کرنی نہیں ہے، ان میں جو بھی صواب پر ہو کہنا صرف یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ''متضاد اسباب'' کے ساتھ ان کے مسببات کا انضمام درست رہتا ہے تو اب اس لحاظ سے خرق عادت کا تذکرہ بھی ''مبہم'' بن جاتا ہے اب اگر خرق عادت کا کوئی مفہوم ہو سکتا ہے تو یہی کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں ہے، اس لحاظ سے کسوف وخسوف بھی خرق میں داخل ہوں گے اور اسی لحاظ سے حدیث میں ان کو بھی

"آیات الوہیت" میں شمار کرایا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبزادۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات پر جب کسوف شمس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف لاکر ایک بلیغ خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ ان الشمس و القمر ایتان من ایات اللہ الخ یعنی یہ آفتاب اور ماہتاب کسی کی موت پر ماتم کرنے کیلئے گہن نہیں لگتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی ایک کھلی ہوئی علامت ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو بڑے بڑے کرات جو کبھی کسی کے حکم کے تحت نظر نہیں آئے تھے، وہ بھی کسی قادر مطلق ہستی کے محکوم ہیں وہ جب ارادہ فرمائے تو ان کے اس نظام کو توڑ ڈالے۔

نظام فطرت اور نظام قدرت:

سلسلۂ "اسباب وعلل" جتنا بھی ہے وہ سب عالم کے لئے ہے، خالق عالم کے لئے نہیں کیونکہ خود عالم بھی اور اس کے اسباب بھی سب کے سب اس کی مخلوق ہیں، ہم نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے، حول میں ایک مقرر نظام دیکھا اور حق میں اس کو غیر متبدل پایا تو بس اٹھا کر اسی کا نام "نظام فطرت" رکھ ڈالا اور طرہ یہ کہ خالق کے حق میں بھی اس کو غیر متبدل قرار دے ڈالا، یہاں ایک حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ کہ دین اسلام میں نظام فطرت، نظام قدرت سے بالاتر نظام نہیں ہے بلکہ خود قدرت ہی نے "نظام فطرت" بنایا ہے یعنی اشیاء کی فطرت میں جو نظام بھی ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے یہ سب نظام، نظام قدرت کے ماتحت ہے، اسی لئے "فطرت" ہر وقت "قدرت" کی محتاج ہے، عالم میں اشیاء جس طرح خود مخلوق ہیں، اسی طرح ان کی فطرت بھی خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، آگ اگر جلاتی ہے تو بیشک یہ اس کی فطرت ہے مگر اس میں جلانے کی فطرت پیدا کس نے کی؟ اس کے خالق نے یہ آگ کی فطرت کا کوئی طبعی اقتضاء نہ تھا، اس لئے جب یہ ہے تو اگر وہ چاہے تو اپنے خلیل کی خاطر اس خاصیت کو بدل بھی سکتا ہے، دیکھئے آگ ہمیشہ جلانے کا کام کرتی تھی، مگر جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ سرد پڑ گئی، بلکہ ان کے حق میں سلامتی کی ایک محل سرا بن گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں ایک لاٹھی لئے کھڑے ہیں اور اس کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ان کے لئے سہارا اور بکریوں

کے لئے پتے جھاڑنے کا ایک معمولی سا آلہ ہے، یہاں ان کو کسی خاص جنگل کی لکڑی کے متعلق حکم نہیں ہوا کہ اس میں پھر سو طرح کے شبہات پیدا ہو جاتے، بلکہ اسی معمولی سی لکڑی کے متعلق ارشاد ہوا اس کو زمین پر ڈال دو پھر دیکھو کہ اس کا پیدا کرنے والا کس طرح اس کی فطرت بدل کر اس کو حیوان مہیب بنا سکتا ہے، اسی طرح پانی کی فطرت سیلان ہے، مگر اس کی یہ فطرت پانی کی طرح خود اس کی مخلوق ہے، اس لئے اگر وہ چاہے تو اپنے کلیم کے لئے اس کو انجماد سے تبدیل کر سکتا ہے، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری تو وہ پھٹ کر پہاڑوں کے دو ٹکڑوں کی طرح الگ الگ ہو کر کھڑا ہو گیا، قرآن کریم نے بھی فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور حدیث میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ ہر انسان کی فطرت اسلام پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی صلاحیتوں پر پیدا کیا گیا ہے کہ اگر خارجی اثرات اس پر اثر انداز نہ ہوں تو وہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہ کرے، اسی طرح آگ کی فطرت جلانا ہے تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کو اسی صفت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے کہ اگر مشیت الٰہی اس کے خلاف نہ ہو تو جب کوئی چیز اس میں ڈالی جائے تو وہ اس کو جلا دے۔

فطرت کے مفہوم میں ایک مغالطہ:

قائلین مادہ کے نزدیک اشیاء اور ان کی فطرت میں لزوم عقلی ہے، جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ آفتاب طلوع کرے اور دھوپ نہ نکلے، اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے موجود ہو اور اس کی فطرت اس سے متخلف ہو جائے، ان کے نزدیک فطرت اور اس کی تاثیرات یہ سب اضطراری ہیں، بلکہ کہیں غیر شعوری بھی ہیں، اسی لئے ''نوامیس طبعیہ'' اور قائلین فطرت کے نزدیک نظام عالم کے لئے کسی خارجی ''فاعل بالارادہ'' کی ضرورت ہی نہیں ہے، بس نظام عالم کے لئے خود اس کی فطرت ہی کافی ہے، اس کے بعد جب اسلامی دور آیا تو اس کے صحیح معنی سمجھے بغیر یہ لفظ مسلمانوں میں بھی مستعمل ہو گیا اور شدہ شدہ غیر شعوری طور پر دوسرا مقدمہ یعنی نظام فطرت کا کافی ہونا بھی ان کے ذہن نشین ہوتا چلا گیا، حتیٰ کہ جب کہیں فطرت کے ساتھ قدرت کا ذکر آتا تو اس کو فطرت کے مرادف سمجھا جانے لگا، حالانکہ دین اسلام میں ''نظام فطرت'' مخلوق ہے اور نظام قدرت کے تحت چلتا ہے، جب اسلامی عقائد اور اسلامی لٹریچر سے

یگانگی پیدا ہوئی تو کفر و اسلام میں جوڑ لگانے والوں نے یہ بہانہ تراش لیا کہ نظام فطرت اگرچہ نظام قدرت کے تحت سہی، مگر خود قدرت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اس نظام کو بدلے گی نہیں، حالانکہ اس پر بھی غور کر لینا ضروری تھا کہ اس مسئلہ کی شاخیں اور کہاں کہاں تک پھیلتی ہیں کیا صرف اتنا کہنے سے آئندہ بھی وہ قائلین فطرت کا ساتھ دیں گے کیا وہ اس عالمی نظام کو کسی "فاعل بالارادہ" سے مستغنی تسلیم کر لیں گے، کیا "خواص اشیاء" کو مادہ کا اقتضاء طبعی کہہ دیں گے؟ اگر نہیں تو پھر پیچھے لوٹ کر اصل سوال کا جواب سوچئے کہ کیا ہونا چاہئے، کیا یہ خواص اشیاء ان کی طبیعت کا تقاضا ہیں یا یہ کہ خالق کی حکمت کا تقاضا ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے فرق ضالہ کی ایک خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ وہ عجائبات قدرت کو خالق کا تصرف نہیں سمجھتے، بلکہ ان کو "قویٰ نفسانیہ" اور "اسباب طبعیہ" میں منحصر سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف جماعت حق ہے وہ ان اسباب کا انکار بھی نہیں کرتی، لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک ایسی بالاتر ہستی کا اقرار بھی کرتی ہے جو ہر ضابطہ و قاعدہ سے باہر ہے خود مادہ اور اس کے خواص سب اس کی قدرت کے ماتحت ہیں، وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی صداقت و اکرام کے لئے اپنی عام عادات کا خلاف بھی کرتی رہتی ہے اور اپنے مومن بندوں کی خاطر ایسے ایسے افعال بھی ظاہر فرماتی رہی ہے، جو ان کی قوت نفس اور جسم و روح کے تصرفات سب سے بالاتر ہوتے ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۶۶)

نظام فطرت کی تبدیلی ممکن ہے
اور نظام قدرت کی تبدیلی محال ہے

قرآن کریم نے جہاں کہیں "فطرت" کی تبدیلی کا انکار کیا ہے اس میں اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، اسی طرح فطرت عالم کی پیدائش میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، یہ ایک جگہ بھی نہیں فرمایا کہ وہ خود بھی اس کی تبدیلی نہیں کر سکتا، بیشک اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ سنۃ اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور نہ خود وہ اس کو بدلتا ہے، اس میں بھی الجھن بالکل بے وجہ ہے، قرآن کریم نے جا بجا قوموں کی اطاعت اور ان

کی نافرمانیوں کے عواقب بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ہماری اس سنت کی تبدیلی نہیں ہوتی اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ مطیعین اور عاصین کے ساتھ ہمارا یہی ہمیشہ سے دستور رہا ہے اور نہ وہ بدلا جا سکتا ہے اور نہ پلٹا جا سکتا ہے، اس کی تبدیلی یہ ہے کہ جو عاصین اور مستحق عذاب ہوں ان پر انعام کیا جائے اور جو مطیعین ہوں ان پر انعام کی بجائے عذاب نازل کیا جائے اور اس کی تحویل اور پلٹنا یہ ہے کہ مکذبین سے اس کا رخ پھیر کر غیر مکذبین کی طرف کر دیا جائے، لہذا عذاب آ کر رہے گا اور ضرور ان ہی پر آ کر رہے گا جو اس کے مستحقین ہیں، پھر استعمال کرنے والوں نے "سنت اللہ" اور "فطرت اللہ" دونوں کو ہم معنی سمجھ کر دوسری غلطی یہ کہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا شروع کر دیا، اور حکم درحقیقت "نظام قدرت" کا تھا وہ "سنت اللہ" کا سمجھ لیا، دین اسلام یہ کہتا ہے کہ "جو فاعل بالارادہ چاہے اس کی تبدیلی محال ہے" اور ہم کہنے یہ لگے کہ "جو نظام فطرت ہے اس کی تبدیلی محال ہے، حتیٰ کہ خود خالق کے لئے بھی" والعیاذ باللہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل اسلام بھی فطرت اور سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مگر ان کے نزدیک یہ سب "قدرت مطلقہ" کے افعال اور تصرفات ہیں، آخر ان کے عقائد کا ایک اہم رکن "قیامت" ہے جو اس تمام سلسلہ اسباب و عالم کے بکھر جانے ہی کا دوسرا نام ہے، ان کے نزدیک مادہ اور اس کے مقتضیات میں لزوم عقلی کہاں ہو سکتا ہے، یہ دونوں قدرت کی مخلوق ہیں اور اسی کی محکوم ہیں۔

آیات الوہیت کی دوسری قسم جو ہماری نظروں میں بھی خارق عادت ہیں

خلاق عالم نے عالم کے گوشہ گوشہ میں اپنی آیات الوہیت وخالقیت پھیلا ئیں تو اس لئے تھیں کہ انسان ان میں "تدبر و تفکر" کے راستے سے بہت جلد ان کو پہچان لیتا مگر ان سب میں سے گزر کر یہ کوتاہ عقل ایسی بھول میں جا پڑا جہاں جواہرات کی بجائے سنگریزے اس کے ہاتھوں میں آئے، اس نے اس پر از حکمت نظام کو دیکھا اور اس سب کو اٹھا کر ایک بے شعور

مادہ کے حوالہ کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس کارخانہ کا یہ سب اندرونی نظام خود اسی کی گردش سے گھوم رہا ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ اسی عالم میں وہ اپنی الوہیت کی کچھ ایسی نشانیاں بھی دکھلاتا رہے، جو خارق عادت ہوں تا کہ ان کو دیکھ کر اسباب کا سارا بھرم کھل جائے اور اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ مسببات کی دنیا اسباب کے ساتھ صرف ایک ظاہری اور کمزور رشتہ رکھتی ہے،ان کا قائم رکھنے والا در اصل کوئی اور ہی ہے،اس نے بنی آدم کو دو صنفوں کے اتصال سے پیدا فرمایا اور اس کو اس کی نسل کی سنت مستمرہ قرار دیا، پھر اس کو توڑ کر بھی دکھلا دیا، اور اس کی آنکھوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے اتصال جنسی کے بغیر پیدا فرما کر بھی دکھلا دیا،اب اس کی دو انواع جو باقی رہ گئی تھیں، ان کے متعلق یہ اطلاع دیدی کہ ہم پہلے ایسا بھی کر چکے ہیں، تخلیق کی ان چار قسموں میں سے یہ بات اس کی مرضی پر رہی کہ کس نوع کو وہ عالم انسانی کا دستور العمل بنائے اور کس کو اس کی خلقت سے پہلے ظاہر فرمائے اور اس کو عام عادت خرق کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے بھی دکھلا دے، ایک ناقص العقل انسان بھی اتنا تو سمجھ سکتا ہے کہ انسان جب عدم محض سے وجود میں آیا تھا تو جو دو قسمیں اس کے وجود میں آنے سے پہلے ظاہر فرمائیں یہی اس وقت کے مناسب تھیں کیونکہ اس کے سوا اور چارۂ کار ہی کیا تھا کہ سب سے پہلے اس کو بلا واسطہ یا صرف ایک صنف سے پیدا کیا جاتا، پھر جو نوع کہ عالم اسباب کے مناسب تھی وہ یہی نوع تھی۔ جو آج اس کی ”عادت“ ہے،اب خرق عادت کے لئے صرف ایک ہی قسم باقی تھی اس کو بھی پورا فرما کر دکھلا دیا گیا، مگر افسوس کہ مکذبین نے اس کو بھی تسلیم کرنے میں شبہ کیا فویل للذین کفروا من الخ،اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کو جس عنوان سے چاہیں تعبیر کریں، مگر قادر مطلق کے لئے نہ وہ پیدائش کچھ مشکل ہے، حضرت زکریا علیہ السلام خود بوڑھے اور بیوی بانجھ جب ان کو ایک مبارک نونہال کی بشارت ملی تو ششدر رہ گئے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو جب انتہائی پاکبازی اور نا کتخدائی کے عالم میں ایک مبارک فرزند کی بشارت پہنچی تو وہ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئیں، لیکن ان دونوں کو جو جواب ملا وہ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہ تھا، بلکہ صرف ایک ہی کلمہ تھا جو ان دونوں کے فطری تعجب کو ختم کرنے کے لئے کافی ہو گیا اور وہ یہ تھا ”ھو علی

ھیں "'ہمارے لئے یہ بھی بہت آسان ہے"۔ لیکن قدرت مطلقہ نے کبھی کبھی کسی ادنیٰ سے عجز کے بغیر اپنی عام عادت کو بھی خرق کر کے دکھلا دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جس طرح اس پر قادر تھا، اس پر بھی قادر ہے،اس کے نزدیک یہ دونوں باتیں آسان ہیں۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نمرود کا ایک مکالمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فہمائش کرتے ہوئے سب سے پہلے تو اپنے رب کی "علامت" میں یہی موت و حیات کا عادی نظام رکھا، لیکن اپنی غباوت سے جب وہ اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکا تو پھر اس کے نظام کے خرق کا مطالبہ کیا اور وہ یہ کہ اچھا تو پھر تو اس کے قائم کردہ نظام شمسی کو خرق کر کے دکھلا، یعنی مشرق کی بجائے مغرب سے آفتاب نکالدے، اس پر وہ لاجواب ہو کر رہ گیا، اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ خرق نظام اور نظام اگرچہ دونوں "علامات الوہیت" میں سے ہیں، مگر خرق نظام اور زیادہ بدیہی علامت ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ آفتاب مشرق کی بجائے ایک بار مغرب سے طلوع کرآئے گا، غالباً اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عالم کی عمر میں ایک بار یہ مشاہدہ بھی ہونا چاہیے کہ نمرود جس بات پر لاجواب ہو کر رہ گیا تھا رب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر بھی قادر ہے، پس جب خوارق کا وجود ہمارے مشاہدہ میں کسی انکار کے باوجود "آیات الوہیت" میں ثابت ہے اور ان میں ایسی علامت تو ایک بھی نہیں ہے جو بشری قدرت کے تحت ہو تو اب آیات نبوت کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہے، ان کو خوارق عادات سے نکالنے کی سعی کرنی بالکل ایک عبث اور خلاف واقع سعی ہے۔

آیات نبوت:

آیات نبوت کیا ہے؟ الٰہی قدرت کی وہ نشانیاں جن کو وہ انبیا علیہم السلام کی تصدیق کے لئے خرق عادت کے طور پر ظاہر فرماتی ہے، اب اگر آپ ان کے تمام معجزات کو قدرت کے ان افعال کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھیں جو انبیا علیہم السلام کے واسطے کے بغیر عالم میں موجود ہیں تو دونوں آپ کو ایک ہی جنس کے نظر آئیں گے، نہ وہ مقدور بشری ہیں نہ یہ مقدور

بشری ہوتے ہیں، اسی طرح جیسے وہ خارق عادت ہیں یہ بھی خالق عادت ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ جب وہ افعال کسی رسول کے واسطے کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں تو قدرت مطلقہ کے شاہد صدق اور "آیات الوہیت" کہلاتے ہیں اور جب رسولوں کے واسطے سے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے لئے شاہد صدق اور "آیات نبوت" کہلاتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ "معجزات" پر بحثیں کرنے والے اگر اس طرف بھی نظر کر لیتے کہ معجزات رسول کی طاقت سے نہیں خدا تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں تو آیات نبوت کو "نوامیس طبعیہ" کی بجائے "نوامیس الٰہیہ" پر قیاس کر کے دیکھتے اور یہ تمام بحثیں جو ایک محکوم مادہ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں، خود بخود ساقط ہو کر رہ جاتیں، اسی لئے امام رازی نے لکھا ہے کہ جس طرح رسولوں کی بعثت خدا تعالیٰ کی صفت "ملوکیت" کا تقاضہ ہے، اسی طرح رسولوں کے معجزات یہ صرف اس کی صفت "قدرت" کا تقاضہ ہیں جو شخص رسولوں کے معجزات کا قائل نہیں وہ درحقیقت حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا بھی قائل نہیں ہے۔

مؤلف تفسیر المنار ایک بلند پایہ روشن خیال محقق ہونے کے باوجود معجزات کی حقیقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"معجزہ کی حقیقت کے متعلق سب سے زیادہ مشہور اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظام کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے تاکہ یہ بات ثابت کر دے کہ نوامیس طبعیہ خود اس کے محکوم ہیں وہ ان کا محکوم نہیں جس طرح وہ چاہے ان میں تصرف کر سکتا ہے"۔ (ص ۳۱۵ ج ۱)

امور عادیہ کے درمیان عقلی طور پر کوئی لزوم نہیں اس لئے خرق عادت کو محال سمجھنا صحیح نہیں

امام شاطبی فرماتے ہیں کہ:

"انبیاء علیہم کی تشریف آوری سے قبل انسان اپنے ماحول میں چونکہ ہمیشہ اسباب و مسببات کا ایک مسلسل نظام مشاہدہ کرتا چلا آتا ہے اور کسی خارجی قدرت کے تحت اس کے محکوم

ہونے کا اس کو تصور بھی نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کے درمیان عقلی لزوم سمجھنے لگتا ہے اور اسی لئے وہ خرق عادت کو محال کہہ دیتا ہے، اگر کہیں انبیاء علیہم السلام تشریف نہ لاتے تو شاید اس کا علم ہمیں تنگ محدود ہو کر رہ جاتا لیکن جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر کچھ خوارق عادت بھی ظاہر فرماتے ہیں تو اب اسباب کا راز فاش ہو جاتا ہے اور ایک جدید علم بڑی آسانی کے ساتھ یہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان امور عادیہ کے درمیان لزوم عقلی کچھ بھی نہ تھا، بلکہ یہ صرف صانع حقیقی کی خالقیت کا ایک کرشمہ تھا جب اسباب میں تاثیر اسی نے پیدا فرمائی تھی تو یقیناً وہ اس کے سلب کرنے پر بھی قادر ہے، بھلا یہ کون ثابت کر سکتا ہے کہ آتش کا جلانا ایک دائمی تجربہ کے سوا کسی عقلی دلیل کا تقاضہ ہے، لہذا جب امور عادیہ کے درمیان یہ ارتباط کسی عقلی دلیل کا تقاضہ نہ ہوا تو اب خرق عادت کو محال سمجھنا بھی غلط ٹھہرا" (دیکھو الاعتصام ص ۲۸۰ ج ۲ و کتاب الفصل لابن حزم)

اگر آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات پر نظر ڈالئے وہ معاندین کی نظروں میں خواہ کتنے ہی خلاف عقل اور محال ہوں، لیکن قدرت مطلقہ کے قائلین کے نزدیک وہ سب معقول ہی معقول ہیں، ان کے کانوں میں ہر ہر معجزہ سے جو صدا آئے گی وہ صرف ایک ہی صدا آئے گی هو علی هين (ہمارے لئے یہ بھی بہت آسان بات ہے)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا حال دیکھئے تو وہ بھی حیرت انگیز ہے، قدرت نے یہاں ظہور اعجاز کے لئے کسی خاص بن کی لکڑی ان سے طلب نہیں کی، جس میں منحرف طبائع کسی مستور مادی خاصیت کا احتمال نکال کھڑا کرتیں، بلکہ جو عصا وہ اس وقت اپنے ہاتھ میں لئے کھڑے تھے، اسی کے زمین پر ڈالنے کا حکم دیا، عصا کا ڈالنا تھا کہ جو ابھی ابھی ان کی بکریوں کے ہانکنے اور پتے جھاڑنے کی لاٹھی تھی اور ان کے چلنے کا سہارا تھی وہ ایک خوفناک اژدہا بن گئی، جس قدرت کے لئے اس لکڑی کی پیدائش میں کوئی دشواری نہ تھی اس کے سامنے اس کے اژدھا بنا دینے میں بھی کوئی دشواری نہ ہوئی، پھر جب اس اژدھے کو ہاتھ میں اٹھانے کا حکم ہوا تو فطری ضعف کی بنا پر یہ مرحلہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے بہت خوفناک تھا، مگر قدرت کے سامنے جس طرح لاٹھی کا اژدھا بنا دینا آسان تھا، اسی طرح اژدھے کا پھر لاٹھی بنا دینا

آسان رہا، عام طور پر اس کو صرف ایک ہی معجزہ سمجھا جاتا ہے، مگر یہ بھی ان دو معجزوں پر مشتمل تھا، جس میں سے ہر ایک سے یہی آواز آتی تھی کہ ہو علی حین، کون ہے جو خالق کے ان خارق عادات افعال کو مادی قوانین کے شکنجے میں کسنے کی کوشش کر سکے؟ دیکھئے پانی کی اصل خاصیت سیلان ہے اور آگ کی خاصیت جلانا، مگر خدا تعالیٰ کے دو مقدس رسولوں کے لئے دونوں جگہ ان کی مادی خاصیتیں بدل دی گئیں یا نہیں؟ تعجب ہے کہ یہاں ہماری نظریں تقاضے فطرت کی طرف تو جاتی ہیں، تقاضائے قدرت کی طرف کیوں نہیں جاتیں؟"۔

قرآن کریم کی نظر میں معجزہ کی حقیقت

نصوص قرآنیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے، خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتا، اس کا ظہور بھی خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہوتا ہے، رسولوں کے ارادے سے نہیں ہوتا، رسولوں میں "معجزہ نمائی" کی کوئی طاقت بھی نہیں ہوتی اور معجزہ میں ان کی قدرت یا نفسی تاثیر کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ "اجمالی" اور "تفصیلی" دونوں حقیقتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں۔

معجزہ رسالت کی طرح موہوب الٰہی ہوتا ہے، رسولوں کے کسب سے نہیں ہوتا:

یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم جب معجزات کا تذکرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اسی تعبیر کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ رسالت کی طرح رسولوں کو اپنی طرف سے دے کر بھیجے جاتے ہیں، یہ حقیقت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سے بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جب ان کو نبوت عطا ہوئی تو اسی کے ساتھ ساتھ رب العالمین کی طرف سے ان کو خاص طور پر دو معجزے بھی مرحمت ہوئے اور ارشاد ہوا فذانک برہانان

یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رسولوں کو اپنی جانب سے رسول بنا کر بھیجتا ہے تو ضرور ان کو کچھ اشیاء عطا ہونی چاہئیں جن کو وہ اس عظیم الشان دعوے کے ثبوت میں بطور دلیل و حجت پیش کر سکیں، اسی لئے جب ان کو قوموں کی دعوت کے لئے بھیجا گیا تو ہمیشہ "برہان و حجت" دے کر بھیجا گیا ہے۔ اب آیات ذیل پر غور فرمائیے:

۱- وما منعنا ان نرسل بالآیت الا ان کذب بها الاولون (بنی اسرائیل)
اور ہم نے تو نشانیاں بھیجنی اس سے موقوف کیں کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔

۲- وما نرسل بالآیات الا تخویفا (ایضاً)
اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

۳- قل ان اللّٰه قادر علی ان ینزل ایة (الانعام)
کہہ دے کہ اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ نشانی اتارے۔

۴- وما تاتیهم من ایة من ایت ربهم الا کانوا عنها معرضین۔ (الانعام)
اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے تغافل کرتے ہیں۔

۵- انی قد جئتکم بایة من ربکم۔ (آل عمران)
بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں۔

۶- فلما جاء هم بایتنا اذا هم منها یضحکون (الزخرف)
پھر جب وہ (موسیٰ) ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا تو لگے ان پر ہنسنے۔
اسی طرح جب بھی کفار نے معجزات کی فرمائش کی ہے تو اسی معجزہ کو آیۃ کی بجائے کہا ہے کہ جس طرح پہلے رسولوں کو ان کے رب کی طرف سے ان کی نبوت کی کچھ نشانیاں اور معجزات ملتے رہے ہیں، آپ بھی اپنے رب کی طرف سے ہم کو کچھ نشانیاں دکھائیں۔

۱- لولا انزل علیه ایت من ربه (العنکبوت)
کیوں نہ اس پر اس کے رب سے نشانیاں اتریں۔

۲- لولا انزل علیه ایة من ربه (یونس)
کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔

۳- لولا یاتینا بایة من ربه (طٰہٰ)
یہ ہمارے پاس اپنے رب کی کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔

۴- لولا انزل علیه آیة من ربه۔ (الرعد)

کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔

ان سب آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نزدیک بھی معجزات رسول کا اپنا فعل نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی جانب سے دیکر بھیجتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی کسب کے بغیر "رسالت" وہی عطا کرتا ہے تو اس کیلئے براہین و حجج بھی اسی کو عطا کرنے چاہئیں، جیسا کہ ایک موقع پر جب جنگ کا میدان لشکر اسلام پر تنگ ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینک دی، قدرت خدا کا کرشمہ کہ ان میں کوئی فرد بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھ میں وہ جا نہ پڑی ہو آخر کار دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا، ظاہر ہے کہ یہ خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے ہی تھی مگر اس کا اعجازی کرشمہ آپ کی قدرت سے نہ تھا، اس لئے ارشاد ہوا:۔

وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔

اور خاک کی مٹھی جس وقت کو پھینکی تھی تو نے نہیں پھینکی تھی، لیکن اللہ نے اس کو پھینکا۔

گذشتہ آیات میں "ایجابی" نسبتوں کے ساتھ جب اس "سلبی" نسبت کو ملا لیجئے تو یہ حقیقت اور زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ معجزات خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتے، اسی طرح جب بھی رسولوں سے معجزہ کی فرمائش کی گئی ہے تو ان کو ہمیشہ یہی ایک جواب تعلیم کیا گیا ہے:۔

قل انما الآيات عند الله (الانعام و العنكبوت)

تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ کا ظہور ارادہ الٰہی پر موقوف ہے، رسولوں کے ارادہ پر معجزہ ظاہر نہیں ہوتا۔

رسولوں میں معجزہ دکھانے کی کوئی قدرت نہیں ہوتی اور نہ ان میں کسی نفسی تاثیر کا کوئی دخل ہوتا ہے:

کفار نے حسب عادت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خاص معجزات دکھانے کی فرمائش کی تو جواب میں یہ ارشاد ہوا۔

قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا

تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر بھیجا ہوا ایک آدمی ہوں۔

اسی طرح جب آپ کے قلب میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اگر ان کی حسب فرمائش معجزات دکھلا دیے جائیں تو شاید یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو تلطف آمیز لہجہ میں آپ کو یہ تنبیہ کی گئی۔

فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السمآء

فتاتیھم بآیة (انعام)

تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں ڈھونڈ نکالے، پھر ان کے پاس ایک معجزہ لا دے۔

آیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خاص معجزات کی فرمائش کی گئی ہے تو آپ نے ہمیشہ یہی ایک جواب دیا کہ "معجزات کا دکھانا میرے اپنے قدرت میں نہیں" بلکہ جب کبھی رسولوں سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا ہے تو اس وقت بھی وہ یہی اعلان کرتے رہے ہیں کہ معجزہ ہماری طاقت سے نہیں صرف حکم الٰہی سے صادر ہوا ہے۔ اگر معجزات آپ کے قبضہ میں ہوا کرتے تو احد کے میدان میں شکست کیوں ہوتی، بلکہ جنگ کی ضرورت ہی کیا رہتی اور دشمنوں پر ایک مٹھی کی خاک پھینک کر ہمیشہ فتح نصیب ہو جایا کرتی مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا جبکہ معجزہ آپ کی قدرت و اختیار کی چیز نہ تھی، اسی نکتہ کو سمجھ کر ہرقل نے جب ابوسفیان سے یہ سن لیا کہ آپ کو شکست بھی ہوتی ہے تو آپ کی رسالت کے دلائل میں اس کو بھی شمار کر لیا تھا۔ اسی طرح جب کبھی کفار کے اسلام قبول کرنے کا جذبہ آپ کے قلب میں زیادہ موجزن ہوا تو آپ کو یہی ارشاد ہوا کہ تم اپنی پوری جدوجہد صرف کر کے بھی تو نہیں کر سکتے کہ کوئی معجزہ لا کر ان کو دکھا دو۔ اس سے ثابت ہوا کہ معجزات میں رسولوں کی شخصی توجہ کو ادنیٰ سا بھی دخل نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات ان کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ قدرت الٰہی ان کے ہاتھوں سے کیا معجزہ دکھلانے والی ہے۔ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ اپنا عصا ڈال دو، انھوں نے عصا ڈال دیا، وہ اچانک وہ ایک خوفناک اژدہا بن گیا، موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹے تو ارشاد ہوا موسیٰ! ڈرو مت اور اپنا عصا پھر ہاتھ میں اٹھا لو۔ اب سوچئے کہ یہاں ان کی توجہ یا تاثیر نفس کا کیا دخل ہو سکتا تھا وہ تو یہ نہ جانتے تھے کہ کیا

سے خوفزدہ نظر آ رہے ہیں، اسی لئے ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد ہوا۔

سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ ...... ہم اس کو پھر پہلی فطرت پر لوٹا دیں گے۔
ہمارے لئے نہ وہ کچھ مشکل تھا نہ یہ کچھ مشکل ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ایک طرف فرعونی لشکر اور دوسری طرف خوفناک سمندر کی دو موتوں کے درمیان گھر گئے تو موسیٰ علیہ السلام کو یقین تو رکھتے ہیں کہ ضرور ان کو نجات ملے گی مگر ان کو کچھ خبر نہیں ہے کہ تقدیر اس کی صورت کیا پیدا کرے گی، کہ اچانک ان پر وحی آتی ہے۔

فاوحینا الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم (الشعراء)

ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو لاٹھی کا مارنا تھا کہ وہ پھٹ کر الگ الگ پہاڑ کے بڑے بڑے دو ٹکڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔

ظہور معجزہ کی یہ شکل یقیناً اس سے بڑھ کر تھی کہ سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے اس پر بالا عبور کر جاتے لیکن چونکہ یہاں نجات موسیٰ کے ساتھ دوسرا اعجاز "غرق فرعون" بھی دکھانا منظور تھا، اس لئے یوں ہی مناسب تھا کہ پہلے ایک کشادہ اور خشک راستہ بنا دیا جائے تاکہ فرعون اور اس کے ساتھی بھی بے کھٹکے اس میں قدم ڈال سکیں اگر سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کے عبور کر جانے کے بعد شاید فرعونیوں کو اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ ہوتی، اس لئے یہ معجزہ ایک ہی معجزہ (یعنی نجات موسیٰ علیہ السلام کا) کا بن کر رہ جاتا اور اب نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کا دوسرا معجزہ بھی بن گیا، اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن کریم نے نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کو علیحدہ کیوں ذکر فرمایا ہے، نیز جس طرح عصائے موسیٰ علیہ السلام دو معجزوں پر مشتمل تھا، یعنی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر اژدھے کا لاٹھی بن جانا اسی طرح یہ ایک معجزہ بھی دو معجزوں پر مشتمل تھا یعنی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر اژدہے کا لاٹھی بن جانا اسی طرح یہ ایک معجزہ بھی دو معجزوں پر مشتمل ہو گیا یعنی ایک بار سیال

ہے، لیکن جب اس کو نظم قرآن کے سامنے رکھا جاتا ہے تو وہ یہ وہم بھی نہیں گزرتا کہ یہ دونوں ایک ہی متکلم کے کلام ہو سکتے ہیں، صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کے متکلم بالکل الگ الگ ہیں، تعجب ہے کہ لغت ایک، کلمات ایک، نوع ترکیبی ایک، لیکن جب ان کو دو جگہ بالمقابل بشکل کلام دیکھا جاتا ہے تو دونوں میں نسبت تباین کی نظر آنے لگتی ہے، اگر قرآن پاک میں ذرا سا بھی آپ کا کوئی دخل ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جس کلام کو آپ نے خدا تعالیٰ کا کلام کہہ کر تلاوت فرمایا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر بھر کے کلام سے کہیں ذرا سا بھی ملتا جلتا نظر نہ آتا (ابواب صحیح ص ۵، ج ۲)

اب ایک ایک آیت کو حدیثوں کے دفتروں سے ملا ملا کر دیکھ لیجئے کیا مجال ہے کہ کوئی آیت قرآنی ذرہ برابر بھی کسی حدیث سے ملتی جلتی نظر آ سکے، اس لئے یہ سمجھنا کس قدر غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کے کسی عمل کا دخل ہو سکتا ہے۔

معجزہ کبھی اضافی نہیں ہوسکتا:

مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے اس میں رسول کی قدرت اس کے اختیار اس کے ارادہ اس کی توجہ و تاثیر نفسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر یہ فیصلہ بدیہی ہے کہ معجزہ کبھی اضافی بھی نہیں ہو سکتا یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ جو کل تک کسی نبی کا معجزہ ہو وہ مادی ترقی کے بعد معجزہ باقی نہ رہے۔ مثلاً دوسرے ملک کی آواز سن لینا اگر کل معجزہ تھا تو وہ "لاسلکی" کی ایجاد کے بعد بھی معجزہ رہے گا کیونکہ معجزہ کی حقیقت میں اس کا "بلاواسطہ اسباب ظاہری" ہونا رکن لازم ہے، لہٰذا اگر آج بھی آلات کے بغیر کوئی شخص دوسرے ملک کی آواز سن لیتا ہے تو بیشک وہ آج بھی معجزہ کہلائے گا اور اگر بالفرض کل جو آواز سنی گئی تھی وہ اسی لاسلکی اصول پر تھی خواہ اس وقت لوگوں کو اس کا علم تھا یا نہ تھا تو جس طرح وہ آج اس ایجاد کے بعد معجزہ نہیں کل بھی اس کو معجزہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے جتنے معجزات ہوئے آپ سب پر نظر ڈال جایئے، نبی کے فعل اور اس کے معجزہ کے درمیان آپ کو کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آئے گا اور اسی حیثیت سے ہمیشہ ان کو معجزہ سمجھا بھی گیا ہے، مثلاً ملاحظہ فرمایئے کہ انگلی

کے ایک اشارہ اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں کیا علاقہ تاثیر ہے، مثلاً لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدہا بن جانے میں کیا سببیت ظاہر ہے؟ اسی طرح آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابل پڑنے میں کیا علاقہ تاثیر کا دخل کہا جا سکتا ہے؟ لہذا یہ افعال جب بھی اسباب کی دنیا سے بالاتر ظاہر ہوں تو ہمیشہ انکو معجزہ ہی سمجھا جائے گا اور اسی حقیقت کو بتانے کے لئے علمائے کلام نے معجزہ کو "خارق عادت" سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ اس نظام ہی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے زمانے کے کسی اکتشاف سے ان کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، یہ کہنا صرف معجزہ کی حقیقت سے لاعلمی کا ثمرہ ہے کہ "زمانہ کی ترقیات کے ساتھ چونکہ ہر معجزہ کی مادی توجیہ نکل آنے کا امکان موجود ہے، لہذا معجزہ اضافی ہو سکتا ہے"، اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اکتشافات جدید معجزات کے اعجاز پر کچھ اثر انداز ہو سکتے ہیں تو کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں کہ جو شے کل تک کسی رسول کے رسالت کی دلیل تھی وہ زمانے کی ترقیات کے بعد اس کی دلیل باقی نہ رہے اور اس طرح معجزات کی توجیہات کے ظہور کے ساتھ ساتھ تمام رسولوں کی رسالت بھی مشتبہ ہوتی چلی جائے۔ والعیاذ باللہ۔

پھر اس کی بھی کیا ضمانت ہے کہ جن اسباب وعلل کے تحت کسی معجزہ کی آج توجیہ کی گئی ہے، آئندہ چل کر ان کی وہی تاثیر مسلم رہے گی پس اگر بالفرض آج کسی اصول کے ماتحت کسی معجزہ کی توجیہ کر بھی دی جائے تو یہ اطمینان کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ اس کے خلاف دوسرے جدید انکشافات کے بعد بھی وہ توجیہ قائم رہ سکے گی، اس کے علاوہ اگر چند معجزات میں یہ طفل تسلیاں کسی حد تک کارآمد ہو بھی جائیں تو اکثر معجزات میں توجیہات کی یہ ترقی بھی تمام ہو جاتی ہے، اب یہاں اس کا انتظار کرنا کہ شاید زمانے کے ترقیاتی آئندہ چل کر ان کی بھی کوئی نہ کوئی توجیہ منصہ شہود پر لے آئیں گی، ٹھیک ایسا ہی انتظار ہے جیسا کہ منکرین الوہیت کو آیات ربوبیت کے متعلق لگ رہا ہے، شمس وقمر کا یہ مقرر نظام، ہواؤں کی یہ الٹ پلٹ، سمندروں کے طوفان، زمین کے زلزلے اور آسمان کے بادلوں پر بھی قابو پا لینا ان کے نزدیک مستقبل قریب یا بعید میں متوقع ہے، ان کے نزدیک اس عام تسخیر کو "آیات الوہیت" میں سمجھ لینا بھی صرف اشیاء کے خواص وتاثیر سے بے علمی کا ثمرہ ہے، آیات نبوت

اور آیات الوہیت کی ان توجیہات کے نکالنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس سے پہلے قیامت کا انتظار کریں فانتظروا انا منتظرون۔

اب آپ یہاں ان چند کلمات کو سامنے رکھئے جو ہمارے دور میں منکرین معجزات کے لئے لکھے گئے ہیں، مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

''معجزہ صرف اسی حد تک معجزہ ہوتا ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا، ''اسکی'' کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر امریکا کا کوئی واقعہ معلوم کرلیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا، لیکن اب معمولی بات ہے''۔

اس کے جواب میں یہ لکھنا کہ:

''بے شبہ اس معنے کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیہ سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی اور مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہئے، لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیہ سے کیسے خالی ہو سکتا ہے .... لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے، بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے''۔

عبارت مذکورہ میں ایک طرف ''قطعی اور مختتم'' کی قید لگانا اور دوسری طرف اس کے بعد بھی ''کسی حد تک'' کا لفظ لکھنا اور آخر میں کسی معجزہ کے طبعی واقعہ ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کے معجزہ باقی رہنے کو تسلیم کرلینا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کی طرف سے ان جوابدہی کرنے والوں کے خود اپنے ذہن میں ہی معجزہ کی حقیقت منقح نہیں ہے۔

یا مثلاً ان لوگوں کے جواب میں جو معجزہ اور نظر بندی اور سحر میں کچھ فرق نہیں کرتے یہ کہنا کہ:

''معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت واوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلوں میں فوق العادت نہ

تک مجتمع ہو جاتے ہیں، اس کے حق میں معجزہ محض ایک طرح کی مزید تائید کا کام دے سکتا ہے۔"

اس عبارت میں بھی عجیب طریقے پر اپنے عجز و ضعف کا اظہار ہے کیونکہ یہاں معجزہ کو صرف ایک طفل تسلی کے درجے میں تسلیم کرلیا گیا ہے، حالانکہ شریعت میں اس کا دلائل نبوت رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معجزات دکھانے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ اس سے خصوصی حجت تمام ہو جاتی ہے، اب غور فرمایئے کہ قرآن کی نظر میں جس امر کو "قاطع حجت" سمجھا جائے اس کو دلائل کی فہرست سے خارج کر کے صرف ایک تائید کا مقام دے دینا کتنی نادانی ہے، درحقیقت یہ معجزہ کی تعبیرات حقیقت تک نارسائی کا نتیجہ ہے پھر فرض کرو کہ ان کی تعبیرات سے کسی سادہ لوح منکر کی تسلی ہو بھی جائے مگر کیا اس سے معجزہ کی وہ حقیقت بھی ثابت ہو سکتی ہے جو شریعت کی نظر میں اس کی صحیح حقیقت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر ایک دہریہ کو معجزہ کی حقیقت اور اس کا امکان سمجھانے کی کیا صورت ہے؟ تو ہمارے نزدیک نبوت اور الوہیت کے اثبات کے بغیر اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنا عبث ہے اور اگر یہ بھی کرنا ہے تو اس کا مختصر راستہ یہ ہے کہ پہلے خود اسی سے معجزات کے محال ہونے کا ثبوت طلب کیا جائے کہ آخر خرق عادت عقلاً محال ہے کیوں؟ اور اگر یہ ممکن ہے تو اس کا وقوع فرض کرنے سے کوئی محال کیسے لازم آ سکتا ہے؟ امام قرطبی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معجزہ کے لئے حسب ذیل پانچ شرائط لکھی ہیں جن سے اس کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

معجزہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس جنس کا ہونا چاہئے جس پر سوائے اللہ کے کسی کو قدرت نہ ہو۔

دوم یہ کہ خارق عادت ہو لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ رات کے بعد دن آئیگا تو یہ معجزہ نہیں ہوگا، اگرچہ اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں ہے لیکن یہ خارق عادت بات نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مدعی رسالت اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے کہنے پر یہ معجزہ دکھلا دے گا، مثلاً وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ میری تصدیق کے لئے اس پانی کو تیل بنا دے گا، یا جب وہ زمین کو حکم دے گا کہ وہ حرکت میں آجائے تو فوراً ہلنے لگے گی۔

چہارم یہ کہ وہ معجزہ مدعی رسالت کے دعویٰ کا مؤید بھی ہوتا کہ وہ اس کو اپنی نبوت کی دلیل بنا سکے، پس اگر کوئی جانور اس کے حکم سے بولنے لگے مگر یہ بولے کہ یہ شخص جھوٹا ہے نبی نہیں ہے تو اگرچہ نور کا بولنا خارق عادت ہے مگر اس کے دعویٰ کے برخلاف ہے۔

پنجم یہ کہ مقابلہ میں کوئی شخص اس کی مثل نہ لاسکے، اگر کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اس جیسا عمل دکھلا دے تو پھر بھی اس کو معجزہ نہیں کہہ سکتے ....

دجال اگرچہ ان شروط خمسہ کے مطابق عجائبات دکھلائے گا مگر وہ خدائی کا دعویٰ کریگا اور ظاہر ہے کہ ان دونوں دعووں میں بینا اور نابینا کا سا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ہزار خوارق دکھا کر بھی کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا، اس لئے خوارق عقلاً اس کے دعویٰ کے موید نہیں ہوسکتے، اس کے برخلاف اگر کوئی نبی خوارق دکھلائے تو نبی چونکہ انسان ہی ہوتا ہے اس لئے قدرت کسی کاذب کے ہاتھ پر بھی ایسے امور ظاہر نہیں کرتی ورنہ اس سے ایک باطل ، باطل کی تائید ہوگی اور معجزہ صرف حق کی تائید کے لئے ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ اور قدماء محققین کی ان نقول کی روشنی میں جو اس مضمون میں جا بجا پیش کی گئی ہیں، معجزہ کی اسلامی حقیقت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ میری تمنا یہ تھی کہ اگر اس کے متعلق متاخرین علماء کی رائے بھی معلوم ہو جاتی تو جدید وقدیم علماء کے اتفاق آراء سے یہ مسئلہ ہمارے لئے اور زیادہ قابل اطمینان ہو جاتا، خوش قسمتی سے ہماری نظر سے اس سلسلہ میں مولانا تھانویؒ کی ایک تحریر گزری جس میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ موجود ہے جو ان قدماء محققین کے کلمات میں مذکور ہو چکا ہے اور جو کچھ ہم نے ان کی مراد سمجھ کر اپنی جانب سے ان کی توضیح کی ہے وہ بھی تقریباً اسی طرح حضرت کی عبارت میں موجود ہیں، الحمد للہ کہ اب احقر کو یہ اطمینان ہے کہ جو کچھ میں نے سلف کی مراد سمجھی ہے، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک معجزہ کی حقیقت

''معجزہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو نہ صاحب معجزہ کی کسی قوت کو نہ خارجی قوت کو، وہ براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا

توسط اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے، جیسا صادر اول بلا کسی واسطے کے صادر ہوا ہے (یعنی فلاسفہ کے نزدیک) پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کر سکتا ہے، ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانہ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی تو دوسرے زمانے میں اس کے سبب خفی بتلانے سے اس کی تکذیب ہو جاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین مؤید نہیں ہو سکتا، وھذا کما تری یہی سبب ہے کہ معجزہ پر اس کے بظاہر ہم جنس کے ماہرین نے کوئی سبب خفی بتلا کر باقاعدہ شبہ نہیں کیا نہ اس کی مثل کو ظاہر کر کے مقاومت کر سکے، بالخصوص اگر نبی کی قوت اس کا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فرمائشی معجزات کی تمنا پر یہ نہ فرمایا جاتا فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتأتیھم بآیۃ اور استناد الی الاسباب الخفیہ کے احتمال پر معجزہ و دیگر عجائب طبعیہ میں کوئی فرق واقعی نہیں رہتا .... اور انضمام اخلاق و کمالات کے ساتھ جو اس کو دلیل کہا گیا ہے تو ان اخلاق کی مخصوص نوعیت کو پہچاننے میں جتنی غلطی ہو سکتی ہے، وہ معجزات کے متعلق غلطی ہونے سے کہیں زیادہ ہے (بوادر النوادر ص ۳۸۶ ج ۲)

حضرت قدس سرہ نے ان مختصر کلمات میں وہ سب کچھ فرما دیا ہے جو اس سے قبل کے اوراق میں لکھا جا چکا ہے، بلکہ ان کی تقریر و توضیح میں کچھ اضافہ بھی فرما دیا ہے، جملہ ۳ سے یہ صاف واضح ہے کہ معجزہ کبھی اضافی نہیں ہو سکتا اور انسان کے علم کے اضافی ہونے کے باوجود یہ حقیقت پھر اپنی جگہ ثابت رہتی ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اس کا سبب طبعی نہیں بتلا سکتا، پچھلے جملے میں اس کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ کسی نبی کے اخلاق و کمالات میں اگرچہ اعجاز کی کتنی ہی روح موجود ہو لیکن ان کا یہ اعجاز نظری ہوتا ہے، لہٰذا ان کو معجزہ بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا، اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حسی معجزات کا سطحی اور اخلاق و کمالات کا حقیقی معجزہ نام رکھنا ان کی صحیح تعبیر نہیں ہے، بلکہ بہت زیادہ غلطی میں ڈالنے والی ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز کی کتاب حجۃ الاسلام کے چند ضروری اقتباسات

حضرت مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "مدار نبوت تین باتوں پر ہے اول یہ کہ محبت اور اخلاص خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش نہ ہو، لہٰذا لازم ہے کہ انبیاء علیہم

السلام معصوم ہوں اور مرحبہ تقرب سے برطرف بھی نہ کئے جائیں، دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ وپسندیدہ ہوں اور اخلاق کا اچھا یا برا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا تعالیٰ کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو، جو خدا تعالیٰ کے خلق کے موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائیگا جو مخالف ہوگا وہ برا سمجھا جائیگا، تیسری بات عقل وفہم ہے۔

معجزہ ثمرہ نبوت نہ مدار نبوت:

الغرض اصل نبوت تو ان دونوں باتوں کی مقتضی ہے کہ پہلے فہم سلیم اور اخلاق حمیدہ اسقدر، رہے ہوں معجزات تو وہ نبوت کے بعد عطا فرمائے جاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جس نے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا۔

معجزات علمیہ وعملیہ:

معجزات عملی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں، اس صورت میں معجزات علمی اس کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسے علوم ظاہر کرے کہ دوسرے افراد اس کے مقابلہ میں عاجز آجائیں (ازص ۹۹ تاص ۳۰ مختصراً)

معجزات حدیثیہ کا ثبوت توراۃ وانجیل سے کم نہیں:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں تو توراۃ وانجیل کے مساوی ہیں کہ مضامین دونوں کے الہامی ہیں اور یہود ونصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ الفاظ توراۃ و انجیل کے بھی الہامی نہیں، مگر باوجود اس تساوی کے فرق ہے کہ اہل اسلام کے پاس حدیث کی سندیں من اولہٖ الی آخرہٖ موجود ہیں اور توراۃ وانجیل کی سند کا آج تک پتہ نہیں پھر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہو تو ان حدیثوں کے پیش کر دینے میں بھی حرج نہیں، جن کی ہمارے پاس کوئی سند نہ ہو، یہ کیا انصاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تو ان روایات کے بھروسہ پر تسلیم کر لئے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ان کی سندیں متصل ہوں تسلیم نہ کئے

جائیں۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ یہ سب مشق تحقیقیں نکالی جائیں، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں، عجب اندھیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جن کے مصنف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں اور راویوں کی کچھ تحقیق نہیں کرتے، حضرات نصاریٰ کے دل میں نقش کالحجر ہو جائیں اور نہ مانیں تو احادیث محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں۔

علاوہ بریں اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں تو "یہ دروغ گویم بر روئے تو" کا مصداق ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ سارے معجزات قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گزارش ہے کہ ایمان کے لئے ایک بھی کافی ہے، علاوہ ازیں مدار قبول صحت سند پر ہے، نہ خدا کے نام تک جانے پر اور جب یہ ہے تو احادیث نبویہ واجب التسلیم ہوں گی اور سنئے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزات دکھلانے سے انکار ہے، اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا ہی انکار ہے جیسا انجیل میں معجزہ دکھلانے سے انکار موجود ہے (از ص [illegible] تا [illegible] مختصراً)

معجزہ کی اقسام

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں معجزہ کی دو قسمیں تحریر فرمائی ہیں، حسی اور معنوی۔

۱۔ معنوی معجزات:

معنوی معجزہ سے مراد مدعی نبوت کے وہ نمایاں اوصاف و ملکات ہوتے ہیں جو قدرت کسی کسب کے بغیر شروع سے اس میں ودیعت فرماتی ہے، مثلاً اس کی صداقت و امانت، اس کے معالی اخلاق فطرت اس کے علو ہمتی اور اس کی تعلیم و تزکیہ وغیرہ، بے شبہ یہ سب امور ایسے ہیں جو خالق فطرت اور ایک مدعی نبوت کے درمیان رابطہ کے ثبوت کے لئے کافی ہیں، لیکن ادھر بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ جس دور میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں اس میں طغیان و فساد اور ضد و عناد کی باد صرصر اتنی تیز و تند ہو جاتی ہے کہ عام عقول یکسر غور و فکر سے عاری ہو کر رہ جاتی ہیں، باطل عقائد دماغوں میں اس طرح پیوست اور راسخ ہو جاتے ہیں کہ ان صفات و ملکات پر غور کرنا تو کجا اپنے عقائد کے خلاف ذرا سی آواز سننا بھی کسی کو گوارا نہیں ہوتا، ان حالات میں خود نبی اور اس کی تعلیمات و تزکیہ یہی چیزیں سب سے پہلے مورد نزاع بن جاتی ہیں اب ایسے بدمذاقوں کے سامنے بھلا ان امور کو بطور معجزہ و برہان کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں انسانی دماغ کے انحطاط و ارتقاء کے لحاظ سے ان سب امور کا کوئی خاص معیار مقرر کرنا بھی مشکل ہے، اعمال و اخلاق کا اگرچہ کچھ حصہ ایسا ہے جس میں کبھی کسی کو اختلاف نہیں رہا تو اس کا ایک حصہ وہ بھی ہے جس میں زمانہ، انسانی طبائع اور بلاد کے

اختلاف سے بڑا اختلاف رہا ہے، مثلاً "عریانی" بنی اسرائیل میں کوئی عیب نہ تھی اور عہد جاہلیت میں بھی اس کو ادنیٰ سی بد اخلاقی بھی تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ موجودہ دور میں آج تو بہت سے ایسے افراد ہیں، جو عریانی کو ایک فیشن سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ عہد جاہلیت میں جن امور کو شجاعت کا جوہر اور شرف کا معیار سمجھا جاتا تھا یہ وہی امور تھے جن کو اسلام نے بدترین جرائم اور بد اخلاقی قرار دیا ہے، رہا تعلیم کا مسئلہ تو آج بھی اس میں جتنے مختلف نظریات موجود ہیں، وہ محتاج بیان نہیں، اب رہی انبیاء علیہم اسلام کی نصرت و تائید تو یہ بھی گو ان کی حقانیت کا واضح ثبوت ہو، مگر اس کو بھی فیصلہ کن ٹھہرانا مشکل ہے، کیونکہ نصرت کے ساتھ ہزیمت کے واقعات بھی ان کی زندگیوں میں ملتے ہیں، بلکہ کوئی کوئی نبی ایسا بھی گزرا ہے، جس کے متبعین صرف معدودے چند افراد ہی ہوئے ہیں ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو اخلاق کا معاملہ قدرت کی ایک ایسی عام بخشش ہے، جس میں بہت سے کفار بھی شریک رہے ہیں، ان کا کوئی ایسا معیار مقرر کرنا جس سے انبیاء علیہم السلام کی فوقیت اس قسم کے انسانوں پر اعجازی رنگ میں ثابت کی جا سکے، الفاظ کی حدود میں سمانا مشکل ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک سطحی علم کا شخص کہیں تاریخ میں اس قسم کے افراد کا تذکرہ دیکھ لیتا ہے تو وہ بے جھجک ان کے متعلق نبوت کا حسن ظن کرنے لگتا ہے، حالانکہ ان چند اوصاف کے علاوہ اس کے پاس ان کے ایمان کے لئے بھی کوئی شہادت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے خلاف ان کے کفر کا ثبوت ملتا ہے، لیکن اس پر بھی اس کا قلم چلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے اس پہلو کو دبا دیا جائے، پھر یہ امر بھی قابل فراموشی نہیں ہے کہ "ملکات حسنہ" اور "اخلاق طیبہ" کا اعجاز صرف مشاہدہ کرنے والوں تک ہی محدود ہوتا ہے جو لوگ غائب ہوں، ان کے حق میں ان اخلاقی صفات کی صرف حکایت کرنی تشفی بخش نہیں ہوتی، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ان صفات کی اعجازی صورت کا تصور عام اذہان میں آنا مشکل ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے جب حضرت ابوذرؓ کے قاصد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس آکر ان سے بیان کیا کہ "میں نے ایک شخص دیکھا جو بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک ایسا کلام سناتا ہے جو شعر معلوم نہیں ہوتا" تو صرف اتنی بات سے ابوذرؓ کی تشفی نہ ہو سکی لیکن جب انہوں نے خود حاضر ہو کر آپ کے روئے انور کا مشاہدہ کر لیا تو اب ان کے سامنے ایک ایسا ظاہر و باہر معجزہ تھا، جس کے بعد

وہ کسی اور معجزہ کے محتاج نہ تھے، رخ انور پر نظر پڑی، حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

غالباً انہیں اسباب وعلل کی بناء پر جب انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے گو اپنی زندگیوں پر غور وفکر کی دعوت دی مگر اپنی صفات کو اپنا معجزہ بنا کر پیش نہیں فرمایا، ظاہر ہے کہ نبوت خود ایک عقلی شے ہے، آنکھوں سے نظر آنیوالی چیز نہیں، اب اگر اس کا ثبوت یعنی معجزات بھی صرف علمی اور عقلی رہ جائیں تو بتایئے کہ معجزات سے نبی کی معرفت میں سہولت کی بجائے کتنی الجھن اور بڑھ جائے، اس لئے انہوں نے اپنی قوموں کے سامنے ہمیشہ ایسے ہی معجزات پیش کئے ہیں جو بدیہی اور فیصلہ کن ہوں اور یہ وہی اشیاء ہو سکتی ہیں جو قابل بحث ہی نہ ہوں اور وہ صرف حس ومشاہدہ کی اشیاء ہیں جو کسی غور وفکر کی محتاج نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کی صفات اور اس کے اخلاق وملکات میں اعجاز کی روح نہیں ہوتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ منکرین اور خصوم کے سامنے ان کو بطور اعجاز پیش کرنا فیصلہ کن نہیں ہو سکتا۔

۲- حسی معجزات:

حسی معجزات وہ کہلاتے ہیں، جو قدرت الٰہی کے قاہرانہ افعال وعجائبات رسولوں کے ہاتھوں پر ان کے دعوے نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوں، ان کو حسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا ادراک کرنا کسی بڑی عقل وفہم کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ ادنیٰ سا حس وشعور بھی اس کے لئے کافی ہوتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ معنوی معجزات بھی نبی کی صداقت کا بڑا ثبوت ہوتے ہیں، مگر ان میں پھر غور وفکر کرنے کا محل باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف حسی معجزات ہیں، جب وہ اسباب ظاہری کا پردہ چاک کر کے سامنے آتے ہیں تو اب غور وفکر کا میدان تنگ ہونے لگتا ہے اور جتنا یہ میدان تنگ ہونے لگتا ہے، اتنا ہی ایمان لانے والوں کے لئے عذر ومہلت کا میدان تنگ ہوتا چلا جاتا ہے اور اب ایمان نہ لانا قابل معافی نہیں رہتا، بلکہ یہ قلوب پر مہر ہونے کی علامت ہوتی ہے، کیونکہ ان کا دیکھ لینا گویا قدرت علی الاطلاق کا مشاہدہ کر لینا ہے، اگر کہیں رسولوں کے ''توسط'' کا ذرا سا حجاب درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو شاید موت کے وقت ایمان لانے کی طرح ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان لانا قابل قبول نہ ہوتا اور خاص معجزات کی فرمائش کر کے پھر ایمان نہ لانا تو گویا عذاب الٰہی کو آخری دعوت دینا

ہے۔اس لئے معجزات کی یہ نوع روح اعجاز میں معنوی معجزات سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ معجزات اگر پیغمبر وقت کے فرستادۂ الٰہی ہونے کی دلیل ہیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کیلئے ''محسوسات'' ''معقولات'' سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل ہیں اس لئے معجزات حسی ہوں یا معنوی یہ دونوں قسمیں نبی کی صداقت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے وجود کی تصدیق کے لئے عالم میں حسی اور معنی دونوں ہی قسم کے دلائل پیدا فرمائے ہیں سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم) اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل و معجزات ظاہر فرمائے ہیں اور جس طرح خالق کی تصدیق کے لئے حسی آیات، معنوی آیات سے کچھ کم نہیں اسی طرح یہاں بھی حسی معجزات کا پلہ معنوی معجزات سے ہلکا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فہم و عقل کے لحاظ سے چونکہ انسانوں کے طبقات مختلف ہیں پھر کفر و شرک کے اثرات سے جو ہر عقل کا ادراک اور ناقص ہوجاتا ہے اور اس کا تمام ادراک اپنے محسوسات و مشاہدات ہی میں منحصر ہو کر رہ جاتا ہے اور ''مجردات'' کے فہم کی قابلیت بہت ناقص اور ضعیف پڑ جاتی ہے،اس لئے حکمت الٰہیہ کا تقاضہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ربوبیت کی معرفت کی طرح اپنے رسولوں کی معرفت کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل ظاہر فرمائے تاکہ اس وقت کے ہر طبقہ کے لئے سامان ہدایت میں سہولت پیدا ہو اور ایک جاہل کے لئے بھی ان کی معرفت میں کسی قسم کی دشواری باقی نہ رہے،اگر ایک طرف ذی فہم طبقہ ان کے صفات و اخلاق پر نظر کر کے ان کی نبوت کا یقین لا سکے تو دوسری طرف ایک کم فہم شخص کے لئے بھی ایمان و یقین کا سامان موجود ہو۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد   برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

لہٰذا یہاں ''حسی معجزات'' کو ہلکا کرتے کرتے شمار ہی نہ کرنا یہ ''باب معجزات'' میں ایک اصولی بلکہ خطرناک غلطی ہے۔

کتب کلام میں معجزہ اور نبوت کا ربط:

یہاں حدیث و قرآن کے بیانات سے صرف نظر کر کے علم کلام کے متقدمین نے صرف اپنے مقصد کی تائید اور معجزات کی تاویل کے لئے ایک اور منطق چلائی ہے کہ علماء کلام

کے نزدیک معجزات لوازم نبوت ہی میں سے نہیں اگر کوئی نبی ایک معجزہ بھی نہ دکھلاتا تو بھی اس پر ایمان لانا واجب ہوتا اور اس "علمی طریقہ" سے معجزات کے باب کو دھکا لگانے کی ایک اور سعی ناکام کی ہے، شاید ان کلمات کے لکھنے کے وقت ان کو اس بات سے ذہول ہو گیا ہوگا کہ ان علماء کے نزدیک حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی کوئی ضروری امر نہیں ہے، کیونکہ منعم حقیقی کی معرفت عقلاً واجب ہے، لہذا اگر ایک بھی نبی کی بعثت نہ ہوتی جب بھی حق تعالیٰ کا وجود تسلیم کرنا واجب ہوتا، اب فرمایئے کہ علماء کلام کے ان عقلی گھروں کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یا اس کی ضرورت میں کیا کوئی ادنیٰ سا تردد بھی کرنے کا حق رکھتا ہے، لہذا جس طرح منعم حقیقی نے اپنی معرفت کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر انبیاء علیہم السلام اور دیگر ڈرانے والوں کو بھیجا اور اتنی وسعت کے ساتھ بھیجا کہ ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وان من امة الا خلا فيها نذير

اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اب اگر اسی ذات وحدہ لاشریک لہ نے اپنی رافت و رحمت سے اپنے انبیاء و رسل کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر معجزات بھی دکھلائے تو پھر یہاں لزوم عقلی کا ایک اور شاخسانہ نکال کھڑا کرنے سے سوائے ان نعمات الٰہیہ کی ناقدری کرنے کے اور کیا فائدہ ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ حمد و ثناء کی زبان بے ساختہ کھل جاتی اور شکر کے دونوں ہاتھ بے اختیار اٹھ جاتے، انصاف کیجئے کہ جس قادر علی الاطلاق ذات نے حیلہ جو انسان کے لئے اس عذر کا موقع نہیں چھوڑا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ ما جاءنا من بشير ولا نذير (ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا) وہ ان کو یہ موقع کب دے سکتی تھی، جنہوں نے معجزات پر معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی یہی رٹ لگائے رکھی لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ (کیوں نہ دیا گیا اس کو مثل اس کے جو موسیٰ کو دیا گیا) اور کبھی یہ کہا لولا یاتینا بایة من ربه (یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی نہیں لے آتے) ایسے ہٹ دھرموں کے لئے بھلا آپ کے علم کلام کی "لزوم عقلی" یا "عدم لزوم" کی بحثیں کیا تشفی بخش ہو سکتی تھیں، حقیقت یہ ہے کہ علماء کلام کے یہ سب مباحث اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف عقلی

بحثیں تھیں، خارجی دنیا سے ان مباحث کا کوئی علاقہ نہیں، اسی لئے ان عقلی موشگافیوں کے باوجود اس کو کیا کیجئے کہ نبوت کی تاریخ سے ان میں ایسا لزوم ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی کی زندگی ان معجزات سے خالی نہیں ملتی" بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو نبی جتنا اولوالعزم ہوا ہے اس کے معجزات بھی اتنے ہی عظیم الشان ہوئے ہیں اور اسی تاریخ کی بناء پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ سے بھی معجزات طلب کئے گئے۔

فلیأتنا بآیۃ کما ارسل الاولون (الانبیاء)

اس کو چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے، جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں (معجزات) لیکر آئے تھے۔

اسی کیساتھ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ان الفاظ میں موجود ہے:۔

ما من نبی من الانبیاء الا اعطی من الآیات الخ

کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو کچھ نہ کچھ معجزات نہ دیے گئے ہوں۔

پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ "حسی معجزات اور نبوت کے درمیان کوئی ربط ہی نہیں ہے" ہاں یہ ضرور ہے کہ حسی معجزات خود انبیاء علیہم السلام کی صفات نہیں ہوتیں وہ قدرت قاہرہ کے افعال ہوتے ہیں جو رسولوں کے واسطہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا ظہور بھی خود رسولوں کی قدرت و اختیار سے نہیں ہوتا اور وہ قوموں کے لئے "اسوہ حسنہ" بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ قائم نہیں رہتے، اس کے برخلاف معنوی معجزات ہیں، وہ خود رسولوں کی صفات ہوتے ہیں اور ہمیشہ ان کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور مخلوق کیلئے بہترین نمونہ بھی ہوتے ہیں، امتوں کو ان کی اتباع کی دعوت بھی دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کلام نے حسی معجزات کو مقاصد نبوت میں شمار نہیں کیا اور ان معجزات میں اور نبوت میں تلازم نہیں لکھا مگر اسی کے ساتھ۔

علم کلام کی اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات نہیں:

ساتھ دوسری طرف سے اس سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ان کی اصطلاح میں

معجزات صرف ''حسی معجزات'' ہی کا نام ہے، ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ معنوی معجزات اور نبوت میں بھی کوئی تلازم نہیں ہے، کیا ہر نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ اخلاق و ملکات اور عمدہ تعلیم وتزکیہ کا مالک ہو، صدق وامانت کا مرقع ہو اور رحمت ورافت کا مجسمہ ہو؟ اگر اس میں یہ صفات نہیں تو یقیناً وہ نبی بھی نہیں پس اگر اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات ٹھہریں اور حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری معجزات ہوں تو پھر یہ دوسرا مسئلہ بالکل غلط ہو کر رہ جائے گا کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ جب نااہل قومیں اپنے رسولوں کی صفات دیکھ کر متاثر نہیں ہوتیں تو پھر ''شان مہر'' کی بجائے ''شان قہر'' کا ظہور ہوتا ہے، تاکہ اگر وہ ایک صحیح راستہ سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اب ڈر کر ہی ایمان قبول کر لیں اور درحقیقت یہ بھی رحمت کا ایک کرشمہ ہوتا ہے او ما نرسل بالآیات الا تخویفا۔

اس کے بعد جب کتب حدیث وسیر کا تتبع کیا جاتا ہے، تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی معجزات محدثین کی اصطلاح میں بھی صرف ''حسی معجزات'' ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس باب میں انہوں نے صرف آپ کے حسی معجزات ہی جمع کئے ہیں، حافظ ابن کثیر بھی معجزات کی تقسیم کر کے آپ کے معنوی معجزات کی طرف صرف دو تین صفحات میں اشارات کر کے چل دیے ہیں، اس کے بعد چھٹی جلد کا بڑا حصہ ان ہی حسی معجزات پر صرف کیا ہے، ان سب سے بڑھ کر جب قرآن پاک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے ساتھ سب سے زیادہ نمایاں انکے حسی معجزات ہی کا تذکرہ نظر آتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ حسی معجزات کو مادی اور ظاہری کے الفاظ سے تعبیر کرنا کس قدر غلط تعبیر ہے اور ان کلمات سے تو ایک مسلمان کی روح کانپ اٹھتی ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کیا یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ حسی معجزات خود رسولوں کے افعال نہیں ہوتے، بلکہ ہمیشہ الٰہی افعال ہوتے ہیں، کوئی قلم یہ تحریر کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی نظروں میں خود افعال الٰہیہ کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں ہے، والعیاذ باللہ۔

قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی حیثیت

ایک غلط فہمی:

بعض اہل علم کو یہ دیکھ کر کہ قرآن کریم معجزہ طلبی کی ممانعت کرتا ہے، یہ مغالطہ لگ گیا ہے کہ شاید یہ ممانعت اس لئے ہے کہ حسی معجزات میں اصل اعجاز کی روح نہیں ہوتی یا کمزور ہوتی ہے، اس کے بعد علم کلام میں یہ دیکھ کر کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، یہ مغالطہ اور زیادہ پختہ ہوگیا ہے، بلکہ زور قلم میں یہاں تک بھی نکل گیا ہے کہ حسی معجزات کی قرآنی نظر میں کوئی حیثیت و وقعت ہی نہیں حالانکہ سب سے پہلے ایک موٹی سی بات قابل غور یہی تھی کہ قرآن کریم جن معجزات کے مطالبہ کی ممانعت کرتا ہے کیا وہ رسولوں کے معنوی معجزات ہیں؟ اگر وہ معنوی معجزات نہیں صرف حسی معجزات ہیں اور ان ہی کے مطالبہ کی وہ ممانعت کرتا ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ صاف برآمد نہیں ہوتا کہ ہمیشہ سے معجزات صرف حسی معجزات ہی کو سمجھا جاتا تھا، پھر ان کے اعجاز کو پھیکا کرنا کہاں تک درست اور معقول بات ہے۔

حسی معجزات کی طلب کی ممانعت کی وجہ:

یہاں قرآن کریم کی اصل مراد سمجھنے سے پہلے اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہر رنگ کے رسول گزر چکے تھے اور ان کے ساتھ واضح سے واضح معجزات بھی ظاہر کئے جاچکے تھے جن کو دنیا یا تو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکی تھی یا ان کی تاریخ مستند طریقوں سے مسلسل منتقل چلی آئی تھی اور جس طرح ہر تاریخ آئندہ نسلوں میں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ جاتی ہے، اسی طرح ان معجزات کی تاریخ نے بھی انسانوں کے قلوب پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ دیئے تھے، پھر ان "فرمائشی معجزات" کے دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لانے والوں کا جو حشر ہوا وہ قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے، اس لئے منصفانہ نظر میں اب حسی معجزات پر زور دینے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ

رہی تھی، لہذا آخر میں عالم کی ہدایت کا جو دستور العمل تھا، خود وہی ایک مجسم اور دائمی بلکہ حسی اور علمی معجزہ بنا کر عالم انسانی کے سامنے بھیج دیا گیا، یعنی قرآن کریم اور جب بھی کسی نے حسی معجزہ کی فرمائش کی تو ان کو گذشتہ تاریخ کی طرف متوجہ کر کے تنبیہ کر دی گئی کہ جب واضح سے واضح معجزات پر بھی قوموں نے فائدہ نہیں اٹھایا تو اب پھر اس مطالبہ سے کیا فائدہ، پس قرآن کریم کا حسی معجزات کے مطالبہ سے منع کرنا ہرگز اس لئے نہیں کہ اس کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر اگر مخلوق اب بھی مخلوق اسی بحث میں الجھی رہی اور فرصت عمل کو ضائع کر بیٹھی تو پھر یہ ان کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا، کیونکہ اگر آج تک عاقبت نااندیش انسان اس فرصت کو ضائع کرتا رہا تو بعد میں پھر ایک بار ان کو فرصت عمل مل گئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ اب نہ کوئی رسول تھا، نہ کوئی شریعت اور اب یہ ان کے لئے آخری فرصت تھی، اس لئے ان کے بارے میں رحمت الٰہی کا تقاضہ یہی تھا کہ انسانی دماغ کو ان فضول مطالبات سے ہٹا کر اصل مقصود کی طرف متوجہ کر دیا جائے، اپنے اسی مقصد کی وضاحت خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی۔

وما منعنا ان نرسل بالأيات الا ان كذب بها الاولون. اور ہم کو نشانیاں (معجزات) کے بھیجنے سے صرف یہ امر مانع رہا ہے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا۔

ان تمام آیات کی روح تھی تو در حقیقت عالم انسانی کی سراسر ہمدردی وفلاح، اس کو فنا کر کے ان سب کا رخ بالکل دوسری طرف پلٹ دیا گیا ہے اور پھر اس کو اس طرح پھیلایا گیا ہے کہ عوام تو درکنار ایک مرتبہ تو سطحی علم والے شخص کو بھی یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں بھی ان حسی معجزات کی کوئی وقعت نہ ہوگی (والعیاذ باللہ) حالانکہ ان کی روح میں یہ عظیم الشان موعظت ہے کہ معجزات منکرین کے لئے ہوتے ہیں، پھر منکرین کی درشت طبائع ان سے مستفید بھی نہیں ہوتیں، لہذا یہ کتنا نامناسب ہے کہ اس کے نتائج وعواقب دیکھ لینے کے بعد بھی آج پھر اپنے آپ کو منکرین اور عاقبت نااندیشوں ہی کی صف میں کھڑا کر لیا جائے اور وہی مطالبات جاری رکھے جائیں جو ہمیشہ پورے کئے جاتے رہے ہیں، اور ان کے عواقب بھی ہمیشہ سامنے آتے رہے ہیں، اب اتنی کھلی ہوئی حقیقت کے بعد بھی معجزات

طلبی کی ممانعت سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ حسی معجزات کی بے وقعتی پر مبنی تھا کہاں تک صحیح ہے۔

قیصر روم اور ابوسفیان کے مکالمہ کی حقیقت:

اسی طرح قیصر و ابوسفیانؓ کے "مکالمہ" کو بھی اس حقیقت پر چپکانا کہ اہل کتاب کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہ تھی، بالکل خلاف واقع ہے، آئیے ملاحظہ فرمایئے کہ اس مکالمہ میں آپ کے متعلق جن اوصاف کا سوال کیا گیا ہے وہ کیا ہیں؟ یہی امور تو ہیں کہ آپ کے خاندان اور اس میں کسی بادشاہ کا ہونا، آپ کی راست بازی، آپ کا وفائے عہد، آپ کے جنگی نتائج اور آپ کے تعلیم و تزکیہ کی تفصیلات، فرمایئے، کہ اگر یہ نبوت کے حقیقی اجزاء ہوں تو کیا صرف ان کے ثبوت سے کسی کا نبی ہونا ضروری ہے، یا ان میں سے بعض کے موجود نہ ہونے سے کسی نبی کی نبوت سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا سلیمان علیہ السلام یوسف علیہ السلام بادشاہ نہ تھے، کیا کذب و عہد شکنی دنیا کے دوسرے افراد کے نزدیک بھی معیوب نہیں؟ خود اسی مکالمہ میں ابوسفیانؓ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ اگر کفار کی طعنہ زنی کا خطرہ مجھ کو لاحق نہ ہوتا تو اس موقعہ پر میں ضرور جھوٹ بول کر رہتا، اسی طرح شکست و فتح کا تذکرہ بھی دوسرے ملوک اور انبیاء علیہم السلام دونوں کی تاریخوں میں موجود ہے، وغیرہ وغیرہ، پس اس مکالمہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس کی بنیاد صرف اس پر تھی کہ معنوی معجزات ہی اصل معجزات ہوتے ہیں، حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، محض خوش فہمی ہے، ان صفات کو تو نبوت کے اجزاء حقیقی بھی نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جو نبی ہوگا اس میں یہ صفات ضرور ہوں گی، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہے کہ جس میں بھی یہ صفات موجود ہوں وہ ضرور رسول ہوگا، جیسا کہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی سے خوارق ظاہر ہوں، مگر یہ بالکل ضروری نہیں کہ جس سے بھی خوارق ظاہر ہوں بس صرف اتنی سی بات سے اس کو رسول بھی سمجھ لینا چاہئے، ان سوالات کی بنیاد پر در اصل اس پر تھی کہ ایک آنیوالے رسول کی بشارت پہلے سے کتاب سابقہ میں چلی آ رہی تھی، اور اس کی آمد آمد کا اہل کتاب کو انتظار لگ رہا تھا اور اس لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی سوالات کرتے تھے، جو ان کی کتب میں اس آنے والے رسول کے لئے مرقوم تھے، ان کے سامنے نبوت و رسالت کی عقلی کوئی بحث نہ تھی، بلکہ ایک آنے

والے رسول کی صرف معرفت کا سوال درپیش تھا، چنانچہ اسی گفتگو کے آخر میں خود قیصر کے اپنے بیان میں یہ نکتہ بصراحت موجود ہے وہ کہتا ہے کہ "میں پورے یقین کے ساتھ ایک رسول کی آمد کا علم رکھتا تھا مگر مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا" لہذا اس کے لئے صرف مختصر سا اشارہ کافی ہوگیا، قرآن کریم بھی اسی حقیقت کی بناء پر ان کو یہ الزام دیتا ہے اور آپ کی صفات میں صاف یہ کہتا ہے کہ:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل ...... وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو نبی امی ہے کہ جس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

بہرحال اہل کتاب کے سامنے اہم سوال یہی تھا کہ وہ آنے والے پیغمبر کو ان صفات پر جانچیں، جو ان کی کتابوں میں اس کی صفات بیان ہوئی ہیں، ان کے سامنے حسی معجزات کے اعجاز وعدم اعجاز کا کوئی سوال نہ تھا، ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ یہود ونصاریٰ ہی تو تھے جنہوں نے اپنے اپنے رسولوں سے وہ وہ احمقانہ معجزات طلب کئے ہیں، جن کو کسی رسول کی صداقت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا، اب آپ ایک بار ان کی تاریخ قرآن کریم میں اٹھا کر پڑھ لیجئے، اس سب کا اعادہ موجب طوالت ہوگا، اس لئے ہم یہاں اس کو نقل نہیں کرتے، اس کے بعد جب آپ کا دور آیا تو کیا انہوں نے ہی نے آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا؟

یسئلک اھل الکتب ان تنزل علیھم کتاباً من السماء (النساء)

اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ان پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اتار لاوے

کیا ان کا یہ سوال کرنا اسی معجزہ طلبی کی عادت پر مبنی نہ تھا؟ ان کے خیال کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ ان کو آسمان سے تورات عنایت ہوئی تھی، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جیسا پہلے نبیوں نے معجزات دکھائے ایسے ہی معجزات آپ بھی دکھائیں۔

فلیأتنا بایۃ کما ارسل الاولون

اس کو چاہئے کہ ہم کو کوئی ایسا معجزہ دکھائے جیسے پہلے رسولوں نے دکھائے۔

اس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہ تھی؟

حسی معجزات حقیقی معجزات ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حسی معجزات عوام اور خواص سب کی اصطلاح میں حقیقی معجزات ہوتے ہیں وہ کسی کے نزدیک بھی صرف سطحی اور ظاہری نہیں ہوتے خود قرآن کریم نے ان کا نام ''آیات'' ہی رکھا ہے یعنی ''معجزات وخوارق'' اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں، ان حسی معجزات ہی کا ذکر فرمایا ہے، محدثین نے بھی ان ہی کو ہمیشہ اعتناء کے ساتھ جمع فرمایا ہے اور کتب دلائل کا بیشتر حصہ ان ہی کے لئے وقف ہوا ہے، اہل کتاب اور منکرین کی طرف سے بھی ان ہی کا مطالبہ ہوتا رہا ہے اور اس بنیاد پر ہوتا رہا ہے کہ یہی وہ نوع تھی، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں میں ثابت ہوتی رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شق القمر، اسطوانہ حنانہ، انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابلنا، کھانوں میں برکت، پانی میں برکت وغیرہ وغیرہ جو تواتر سے ثابت شدہ واقعات ہیں، یہ سب آپ کے حسی ہی معجزات تھے، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں اور وہ آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر موجود نہ تھے؟

ان کے علاوہ آپ کی ولادت سے قبل یا ولادت کے وقت جن عجائبات کا ظہور ہوا تھا وہ سب حسی ہی واقعات تھے۔

حسی معجزات کی اسنادی حیثیت:

''اسنادی'' لحاظ سے جس درجہ کی اسناد تاریخی واقعات کے لئے ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ مضبوط اسانید باعتراف محدثین ان کے لئے بھی موجود ہیں، پھر محض ایک غلط بنیاد پر ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ان کو ''موضوع'' قرار دینا اور ان کے راویوں کے سر ''وضع'' کی تہمت لگا دینا اسلامی تاریخ پر کتنا بدنما داغ ہے، ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اسناد اعلی درجہ کی نہیں ہیں، مگر یہ لکھ دینا تو اسلامی تاریخ کے متعلق ایک بڑی جسارت ہے کہ:

''مثلاً آپ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا، کسریٰ وقیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا، شام کا ملک فتح ہوا، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب

آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتش کدہ فارس بجھ کے رہ گیا، نہر ساوہ خشک ہو گئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے"۔

اب سوچئے کہ صرف زور قلم میں آ کر محض اپنی بے تکی قیاس آرائی پر یہ لکھ دینا کہ واقعات تو یہ تھے، مگر راویوں نے ان کو خود معجزہ بنا لیا ہے، کیا یہ شرعاً واخلاقاً درست ہے؟ یہاں راویوں پر صرف ایک وضع ہی کی تہمت نہیں بلکہ ان کے سر اس حماقت کا الزام بھی ہے کہ جو واقعات آپ کے عہد نبوت کے بعد کے تھے، انہوں نے ان کو آپ کے زمانۂ ولادت کا بنا ڈالا۔

منکرین معجزات کی نفسیات:

اگر آپ ذرا غور کریں گے تو یہ تمام نتائج اسی کے ہیں کہ حسی معجزات چونکہ مادی دنیا کو ایک بڑا زبردست چیلنج ہوتے ہیں، اس لئے کمزور طبائع ہمیشہ ان کے مقابلے سے عاجز آ کر چاروں طرف کوئی نہ کوئی سہارا تکا کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ کسی قدیم رسم کا خاتمہ کر دینا یا اپنی سیاست سے کسی سلطنت کا فنا کر دینا یا علم و عدالت، صداقت و امانت اور عفت و دیانت اس نوع کا اعجاز تسلیم کرنا مادی عقول کے لئے بھی کچھ مشکل نہیں مگر یہاں دوسری مشکل یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ اعجاز دکھانا گو مشکل نہ ہو، مگر ان کی بناء پر نبوت کا تسلیم کرنا یہ سب سے بڑی مشکل ہے، اس کے برخلاف حسی معجزات ہیں جیسے چاند کا شق ہو جانا یا لکڑی کا تیغ بن جانا وغیرہ یہ ایسے معجزات ہیں جن کو "معقول ساقلہ" محالات میں سمجھتی ہیں، تعجب اور صد تعجب ہے کہ اگر دنیا میں یہی واقعات کسی اتفاقیہ صورت میں پیش آ جاتے ہیں تو کسی کے نزدیک بھی قابل انکار نہیں ہوتے، بلکہ ان کی تحقیقات کے لئے فوراً ایک کمیٹی بیٹھ جاتی ہے، لیکن جہاں ان حوادث کا رشتہ ذرا بھی مذہب سے وابستہ ہوتا نظر آتا ہے، بس فوراً وہ لغویات کی فہرست میں شمار ہو کر تحقیق سے پہلے قابل انکار سمجھ لئے جاتے ہیں، لہٰذا معنوی معجزات پر زور دینے والے صرف حسی معجزات کی حقیقت ناشناسی کے جرم کے ہی مرتکب نہیں بلکہ غیر شعوری طور پر "انکار" یا "تاویل معجزات" کی دلدل میں پھنس گئے ہیں اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے بہت سے معجزات کی حیثیت نظروں سے گرا کر ایک طرف تو مادی عقول کو اسلام کے قریب کر دیا ہے اور دوسری طرف علمی و اخلاقی معجزات کا پایہ نظروں میں بلند کر دیا ہے۔ ان هم الا یخرصون.

جاریہ کے خلاف نہیں، لیکن ان اسباب کے ظہور کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست ہو محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ ارادہ و مشیت الٰہی نے خاص ان موقعوں کے لئے بطور نشان کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہو جانا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا کرنا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب وعلل کی بناء پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جاسکتا ہے"۔

معجزہ کی مذکورہ بالا تحلیل پر نظر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معجزہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی ایک قسم بھی خارق عادت نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کبھی اس کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہیں ہوتا، اور کبھی نہ نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے نہ اس کے ظہور کا وقت، اور نہ اس کے ظہور کا طریقہ کار خارق عادت ہوتا ہے، بلکہ صرف اس کا قبل از وقت علم یہ خارق عادت ہوتا ہے اس بناء پر معجزات کی سب اقسام کا تجزیہ اور تحلیل کر کے یہ ثابت کرنا کہ یہاں نفس معجزات میں کوئی امر خارق عادت نہیں ہوتا، معجزات کی روح کو فنا کر دیتا ہے، پھر جس پہلو میں خرق عادت تسلیم کیا گیا ہے، وہ اس کا مادی پہلو ہی نہیں، ایک علمی سا پہلو ہے، مثلاً وقت یا طریق ظہور یا اس کا قبل از وقت علم ہونا ان میں بحث و نظر کو بہت گنجائش مل سکتی ہے، کیا اس تجزیہ و تحلیل کا حاصل قدرت کے بدیہی نشانات کو پھر نظری بنا دینا نہیں؟

پھر جب اس تقسیم کی تفصیل پر نظر کی جاتی ہے تو انسانی عقل اور متحیر ہو کر رہ جاتی ہے کہ کس بیباکی کے ساتھ اس میں نوح علیہ السلام کے طوفان کو عالم کی عادت جاریہ میں داخل کر لیا گیا ہے، وہ طوفان جس کی ابتداء ایک تنور سے شروع ہوئی، یعنی صرف آسمان ہی سے بارش نہیں ہوئی، بلکہ زمین سے بھی پانی ابل پڑا، وہ طوفان جس میں جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ عالم انسانی کی تمام آبادی کو محیط تھا وہ طوفان جو کفار کے اس طرح تعاقب میں تھا کہ اگر کوئی کافر پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تو اس نے وہاں بھی اس کو جا پکڑا، وہ طوفان جس سے پناہ کی صورت "رحمت" کے سوا "نبی" وقت کے سامنے بھی کوئی نہ تھی لا عاصم الیوم من امر اللہ

الا من رحم۔ اور وہ طوفان جس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ ایک ایک کافر کو ختم نہ کر لیا اور جب تک کہ اس کو خالق زمین و آسمان کا خطاب ان الفاظ میں براہ راست نہیں پہنچ گیا یا ارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی وغیرہ وغیرہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اس طوفان کو دنیا کی عادت جاریہ میں بھر گھسیٹا جائے یا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش کا آنا کتنا عجیب ہے کہ واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا صحابی تو اس معجزات بارش پر ششدر ہے وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ مدتوں سے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا۔ بس ادھر آپ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے اور ادھر ایک چھوٹی سی بدلی پہاڑ کے پیچھے سے اٹھی وہ تمام آسمان پر پھیلی اور ابھی آپ کے دعا کے ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے تھے کہ ریش مبارک سے بارش کا پانی ٹپکنا شروع ہو گیا۔ یہ موسلا دھار بارش اگلے ہفتہ تک مسلسل رہی یہاں تک کہ قحط کا شاکی اب بارش کا شاکی بن گیا۔ وہی ہاتھ پھر اٹھے اور وہی بادل جو حیرت میں ڈال دینے والی صورت سے آ گھرے تھے اسی حیرتناک صورت سے چھٹنے شروع ہو گئے۔ راوی پھر قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ بس جس طرف انگشت مبارک کا اشارہ ہوتا تھا تو وہ اسی سمت سے بادل پھٹ پھٹ کر مدینہ کے چاروں طرف کا رخ کرتے جاتے تھے جیسے کہ آپ کی دعا کے مطابق:

اللھم حوالینا ولا علینا

خدایا اب بارش ہمارے ارد گرد رہے اور ہم پر نہ ہو۔

بارش نے درمیان سے ہٹ کر مدینہ کا حلقہ باندھ لیا۔ راوی کا پھر حیرت سے بیان ہے کہ اب مدینہ کا نقشہ ایک تاج کی طرح تھا کہ درمیان سے مدینہ خالی تھا اور چاروں طرف بادل گھرے تھے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اگر آپ ہمت کریں تو اس کے متعلق بھی یہ کہہ ڈالیں کہ نہ یہ بارش خارق عادت تھی نہ وقت خاص پر اس کا ہونا یہ خلاف عادت تھا بلکہ جن اسباب و علل سے یہ بارش ہوئی تھی وہ خارق عادت تھے۔

مذکورہ بالا تقسیم میں "دنیا کا چھا جانا" بھی اسی دوسری قسم میں شمار کیا گیا ہے۔ اب اس باب کے دو ایک معجزات پیش نظر فرمائیے صحیح بخاری میں ہے کہ فتح خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا تو اس وقت ان کی آنکھوں میں تکلیف آشوب تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن مل دیا، پس ان کو ایسا معلوم ہوا کہ آنکھوں میں کبھی آشوب تھا ہی نہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ جو ابو رافع یہودی کے قتل کے لئے گئے تھے، واپسی پر زینہ سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور فوراً یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی ان کے چوٹ لگی ہی نہ تھی، اسی طرح سلمہ بن الاکوعؓ کے تلوار کا زخم لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دم کیا اور وہ بھی فوراً صحت یاب ہو گئے، ایک مرتبہ عثمان بن حنیفؓ نابینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بینائی کے لئے عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعا تعلیم فرمائی، وہ کہتے ہیں کہ اسی مجلس میں بینائی پیدا ہو گئی، کیا ان سب قسم کے معجزات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ فی نفسہ یہ واقعات خارق عادت نہ تھے اور ان واقعات کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہ تھا صرف اس کا سبب خارق عادت تھا؟

معلوم نہیں جو لوگ معجزات کے قائل ہیں ان کو معجزات میں اتنی تقلیل اور اتنی کتر بیونت کی ہمت اور اہمیت کیوں ہے؟ یہی حال ان زلازل اور آندھیوں کا ہے، جو منکر اقوام کی ہلاکت کے لئے نمودار ہوئیں، یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ پہلے ان کے متعلق صرف قرآنی پوری تفصیلات ہی کو سامنے رکھئے جو ان واقعات کی اس نے ذکر کی ہیں، پھر جو اسلوب بیان ان کے متعلق اختیار کیا ہے، وہ بھی پیش نظر رکھئے تو آپ پر بداہتاً واضح ہو جائے گا کہ یہ طوفان روزمرہ کے ہوائی جھکڑ نہ تھے، بلکہ کرہ ہوائی کا کوئی خاص تمرد تھا یہ زلزلے زمین میں معمول کے مطابق کسی بخار کی لہر کا اثر نہ تھے، بلکہ خدائی طاقت کا ایک انتقامی جھٹکا تھے، اس کے علاوہ یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جو واقعات عالم کی عادت جاریہ میں داخل ہوں ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ وہ کسی رسول کی تکذیب کا نتیجہ تھے، کیا منکرین پر کچھ حجت ہو سکتا ہے؟ چہ جائے کہ ان کو معجزہ قرار دیا جائے، یہاں صرف اسباب وعلل کی بحث اضافی یہ پھر ایک عقلی بحث ہے جس میں مخالف کے لئے بڑی گنجائش نکل سکتی ہے، اگر صورت واقعہ اور وقت کی بحث ختم کر دی جائے تو کیا ایک معاند کے لئے یہ تشفی بخش ہو سکتا ہے کہ اس بارش کے برسنے میں یا اس بیمار کی شفایابی میں صرف میری دعا کا دخل ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ "تمام تائیدات الٰہیہ" کے متعلق بھی یہ لکھ ڈالا کہ ان سب صورتوں میں نفس واقعہ، یعنی نفس فتوحات میں کوئی اعجاز کی صورت نہ تھی اور ان میں بھی منطقی تحلیل شروع کر دی اور درحقیقت ان تمام آیات ربانیہ کی روح فنا کر ڈالی ہے "غزوۂ بدر" کے متعلق جو آیات ہیں، آپ ذرا آنکھ کھول کر ان پر نظر ڈالئے، پھر خالی الذہن ہو کر "فتح حنین" کی آیات پڑھئے، مگر منصفانہ نظر سے، کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور دماغ میں آ سکتا ہے کہ یہ فتوحات کچھ خارق عادت نہ تھیں صرف ایک بخت و اتفاق تھا؟ اور بس اسی اتفاق کا نام یہاں خرق عادت رکھ دیا گیا تھا پھر ہمارے تعجب کی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت میں بہادر کفار کا مرعوب ہونا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ صرف یہ کہ اس کو معجزات میں شمار فرمائیں، بلکہ اس کو اپنی خصوصیات میں شمار کریں اور لکھنے والے اس کو بھی دنیا کے معمولی واقعات کی صف میں دھر گھسیٹیں، نامنصف قلموں نے تو صرف ایک آپ ہی کے ساتھ قدرت کی تائید کو عام واقعات میں داخل نہیں کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک عظیم الشان تائید کو بھی یعنی غرق فرعون کو بھی عالم کی عادت جاریہ میں داخل کرنے کی سعی کی ہے، اور اس کو بھی سمندر کے جوار بھاٹے کی ایک عام شکل کہہ کر ڈال دیا ہے۔

پیشگوئیوں کی غلط تحلیل:

اب رہیں انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں تو ہمیں بھی قطع برید کے لئے معترض لگا دینا بہت زیادہ تعجب خیز ہے، جبکہ خود اس کا عنوان ہی پیشگوئی ہے، یعنی دنیا کے معمول کے مطابق جو واقعات پیش آ مدہ یا پیش آمدنی ہیں، نہ صرف قبل از وقت بلکہ کسی کی تعلیم و علم کے بغیر ان کی اطلاع دے دینا، ظاہر ہے کہ اگر "نبی وقت" ان کی اطلاع نہ دیتا تو جو واقعات ان میں سے گزر چکے تھے، وہ تو گزر ہی چکے تھے اور جو آنے والے ہیں وہ پیش آ کر ہی رہتے، ان دونوں قسموں میں خود نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا اسی لئے کسی نبی نے خود ان واقعات ہی کو اپنا معجزہ قرار نہیں دیا ہے، پچھلی دونوں قسموں کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے، وہاں خود ان واقعات ہی کو معجزہ قرار دیا ہے اور ان میں بظاہر نبی کے تصرف کا دخل بھی ہوا ہے، مثلاً اگر نوح علیہ السلام منکرین کے حق میں عام ہلاکت کی بددعا نہ فرماتے، اسی

طرح دیگر انبیاء علیہم السلام خاص خاص عذابوں کا وعدہ نہ فرماتے تو نہ وہ طوفان آتا نہ وہ زلزلے اور آندھیاں آتیں، یہاں ان تمام تائیدات الہیہ کی بھی تحلیل کر ڈالنی درحقیقت ان کی اصل روح کو فنا کر دینی ہے، اگر اس تقسیم کی بجائے معجزات کی تقسیم یوں کی جاتی کہ بعض معجزات "علمی" ہوتے ہیں اور بعض "عملی" تو بہت صحیح اور مناسب ہوتا، یعنی بعض معجزات وہ ہوتے ہیں جن میں نبی کے تصرف کا کچھ دخل نظر آتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن میں نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ صرف علمی معجزات ہیں، جیسے نبی کی پیشگوئیاں وغیرہ، لیکن مذکورہ بالا تقسیم کی بناء پر تو اکثر معجزات میں اعجاز کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی اور جب وہاں ارادۂ الہیہ کا ظہور صرف عادت جاریہ کے ماتحت قرار دیا جائے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان معجزات کے "معجزات" ہونے کا ثبوت ہی کیا رہتا ہے؟ کسی واقعہ کے متعلق یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ "نفس واقعہ میں تو کوئی امر خارق عادت نہ تھا، صرف وقت خاص پر اس کا ظہور یا صرف اس کا طریق ظہور خارق عادت تھا" اس کے معجزہ ہونے میں کتنا تردد کا باعث بن سکتا ہے، اس کا مقصد غالبا یہ ہے کہ "تمام تائیدات الہیہ"، "اخبار غیب" اور "استجابت دعا" کی انواع جن میں ہزاروں معجزات داخل ہیں، ایسی سطح پر کھینچ لائے جائیں جن میں معقول مادیہ کے لئے کوئی تعجب کی جگہ باقی نہ رہے، مگر جبکہ ان کی تحلیل منطقی کرنے کے بعد خرق عادت کا "شاخسانہ" کسی نہ کسی مرتبہ میں پھر بھی لگا ہی رہے تو ایک فہیم انسان کے لئے اس تقسیم کا فائدہ تطویل مسافت کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

آیئے اب ان معجزات پر نظر کریں جن کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ ان میں مشیت الہیہ عالم کی عادت جاریہ کے خلاف پس پردہ نہیں بے پردہ ہو کر سامنے آ گئی ہے، اس کی مثالوں میں سے پتھر سے پانی کا نکلنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا شمار کیا گیا ہے۔

ہم کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے، کیونکہ پتھروں سے پانی نکلنا یہ بھی عالم کی عادت جاریہ میں داخل ہے، خود قرآن کریم میں ہے وان منها لما يتفجر منه الانهار وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء، وان منها لما يهبط من خشية الله۔

غیر ذی روح میں آواز کا پیدا ہو جانا تو آج کل ٹیلیفون، تار، گراموفون اور ریڈیو

وغیرہ میں عام بات ہے، اگرچہ وہ کسی ذریعہ سے ہو، اور سامری کے "گوسالہ" میں آواز کا پیدا ہونا اور اس کی علت اور سبب خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے، اسی طرح "شق القمر" کی توجیہ "تاویل معجزات" کے عنوان کے تحت ان ہی اوراق میں آپ کے سامنے آنے والی ہے، تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ جب کبھی معجزات کا ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ بحیثیت مجموعی کسی بھی تحلیل کے بغیر ان کو معجزہ تسلیم کیا گیا ہے اور کبھی ان کی تحلیل کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا، خدانخواستہ اگر اسی قسم کا تجزیہ اور تحلیل آیات قرآنیہ میں بھی شروع کر دی جائے تو نوبت الحاد تک بھی پہنچ سکتی ہے، اگر یہ تمام تفصیلات اور تقسیم کسی منکر معجزات کے قلم سے ہوتیں تو ہم کو کچھ تعجب نہ ہوتا، تاسف افسوس تو یہ ہے کہ یہ ایسے قلم سے نکلی ہیں جو منکرین کے مقابلے کے لئے میدان میں نکلا ہے۔ یفعل اللہ مایشاء و یحکم ما یرید۔

ایک اور مغالطہ کی اصلاح:

یہاں ایک اور "مغالطہ" کا رفع کر دینا بھی ضروری ہے جو نہ صرف عوام کو بلکہ بعض خواص کو بھی پیش آسکتا ہے، ایک انسان جب صفحات تاریخ میں خطرناک زلزلے اور خطرناک آندھیوں کا تذکرہ پڑھتا ہے اور کسی نبی کی تکذیب سے ان کا تعلق نہیں دیکھتا اور آج بھی جب تباہ کن طوفانوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ان اشیاء کو عالم کی "عادت جاریہ" سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ان کے متعلق کسی نبی کی تکذیب کا نتیجہ کہنے میں تامل کرنے لگتا ہے ادھر جب ایک مذہبی دماغ ان ہی واقعات کو انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی فہرست میں پاتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کے معجزہ بنانے کی کوئی ایسی معقول "توجیہ" پیدا کرے جو ایک آزاد دماغ کے لئے بھی قابل تسلیم ہو سکے۔

ہمارے نزدیک یہ فکر معجزہ کی صحیح حقیقت تک نارسائی پر مبنی ہے، سب سے پہلے تو ہمیں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان واقعات کو نبی کے معجزات سے الگ شمار کرنا ہی درست نہیں بلکہ یہ حوادث بھی نبی کی پیشگوئیوں میں داخل ہیں، حدیثوں میں آخر زمانے میں "زلازل" اور "حوادث" کی کثرت بصراحت موجود ہے اور اس کے اسباب تک بھی مذکور ہیں، پھر ان کو بھی کیوں نہ معجزات کی فہرست میں شمار کیا جائے، لیکن اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو پھر یہ

سمجھئے کہ معجزہ کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، معجزہ کی صورت وہ ہو سکتی ہے جو عالم کے اور واقعات کی صورت ہوتی ہے، لیکن اس کی حقیقت ہر جگہ اور ہمیشہ ان سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی ان سے متحد نہیں ہو سکتی۔ اس صوری اشتراک کی وجہ سے ہمیشہ مغالطہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک حقیقت کے انکشاف کا وقت نہیں آتا یہ مغالطہ باقی ہی چلا جاتا ہے، مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھئے جس کو عالم کی عادت جاریہ کے خلاف شمار کیا گیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہر فرمایا تو ساحرین فرعون نے اس کو یہی سمجھا کہ وہ بھی ان ہی کی سحر کی ایک نوع ہے حتیٰ کہ اس کے مقابلہ کے لئے ایک دن بھی مقرر کر لیا اور اپنی رسیاں لے کر آدھمکے اور ایسا تماشا دکھلایا کہ ایک مرتبہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعونیوں کی "غلط فہمی" کا خطرہ پیدا ہونے لگا، لیکن جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا اور دونوں حقیقتیں بالمقابل ہوئیں تو یہ بات صاف ہو گئی کہ معجزہ کی حقیقت کچھ اور تھی اور ساحرین کے تماشہ کی کچھ اور یہی وجہ تھی کہ فرعونیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے جو سب سے پہلے مقابلے کے لئے نکلے تھے، انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ معجزہ حقیقت میں ان کے تماشے سے بالکل علیحدہ حقیقت رکھتا ہے، پس صورت تو دونوں کی سانپ ہی کی تھی، مگر حقیقت میں دونوں کے درمیان وہی فرق تھا جو سونے اور ملمع میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش، زلزلے اور آندھیاں اور استجابت دعاء کو سمجھ لیجئے ان سب مقامات پر معجزہ اور حوادث جاریہ میں گو صوری اشتراک نظر آتا ہے مگر ان کی حقیقتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی، یہی وجہ تھی کہ جب کبھی گھٹا آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت میں پریشانی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے تھے، یہاں تک کے بارش ہو کر برس نہ لیتی تھی، آپ فرماتے تھے "عائشہ! مجھ کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ وہ بادل نہ ہوں جو" وافد عاد[1] لے کر اپنی قوم کے پاس گیا تھا" اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ مطمئن ہو جاتے اور یہ بات صاف ہو جاتی کہ یہ وہ خاص بادل تھے یا عالم کی عادت جاریہ والے بادل۔

---

[1] یہ شخص عادی قوم نے بارش کی دعا کے لئے روانہ کیا تھا، مکہ مکرمہ میں قدیم سے استجابت دعا کی جگہ مشہور تھی، مگر یہ کہ اس کی دعا پر وہ بادل اٹھے اس نے ایک سیاہ بادل کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ اس میں زیادہ پانی ہوگا، جب وہ اس کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آیا تو اس میں سے عذاب کی بارش برسی اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی ابلا، صحابہؓ نے اپنی اپنی ضرورت کے لئے اس کو محفوظ کرنا شروع کر دیا، مگر حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں تو کوشش کر کے جتنا مجھ سے ہو سکا اس کو پیٹ میں ڈالتا رہا، کیونکہ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ عام پانی سے الگ کوئی برکت والا پانی ہے، حضرت ابن مسعودؓ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وہ اس اعجازی پانی کو عام پانی سے ممتاز سمجھ رہے تھے، اسی حقیقت کو ادراک نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے علماء کو معجزات اور کرامات میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، آخر انہوں نے لکھا ہے کہ ولی کی کرامات جس نبی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہیں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتی ہیں، یہ بھی درست ہے لیکن حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ تنبیہ کی ہے کہ نبی کا ایک معجزہ کسی ولی کی مدت العمر کی کرامات کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہوتا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ولی کی کرامت گو نبی کا معجزہ سہی، مگر حقیقت اس کرامت کی پھر بھی اس معجزہ کے برابر نہیں ہوتی، جو نبی سے بلا واسطہ ظاہر ہوتا ہے، اس فرق کو ایسا ہی سمجھئے جیسا، وحی اور الہام، الہام اگرچہ نبی کے اتباع ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، لیکن پھر ''وحی'' کہاں اور ''الہام'' کہاں، وحی کی شوکت اور قطعیت کے مقابلے میں الہام میں نہ وہ شوکت ہوتی ہے نہ قطعیت نہ وزن نہ اتنی صفائی یہی وجہ ہے کہ وحی حجت ہے اور الہام حجت نہیں، اگر اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو بہت سے اشکالات رفع ہو سکتے ہیں اور اگر یہ حقیقت سمجھنی بھی آپ کو مشکل ہو تو ایک سیدھی سی بات یہ ہے کہ ''معجزہ'' اور ''آیات'' میں اصطلاحاً کچھ فرق ہے، آیت کا ترجمہ نشانی ہے پہلے گزر چکا ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے سب معجزات کا نام ''آیات'' رکھنا ہی پسند فرمایا ہے، اس لحاظ سے اس قسم کے زلازل اور آندھیاں وغیرہ تاریخی جتنے واقعات بھی ہیں وہ بہت آسانی کے ساتھ آیت (نشانی) کی فہرست میں آجاتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ جب یہی واقعات انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر ظاہر ہوں تو وہ ''آیات اللہ'' یعنی خدا تعالیٰ کے وجود کی نشانی اور آیات کہلاتے ہیں اور جب انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ظاہر ہوں تو وہ ان کی تصدیق کیلئے نشانی اور ''آیت نبوت'' کہلاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی ان غیر معمولی حوادث کا نام دنیا میں خدائی عذاب رکھا جاتا ہے اور اس قسم کے واقعات کو قرآن کریم میں جا بجا قدرت کی آیات کے ذیل میں شمار کر لیا گیا ہے۔

مُعجزہ اور جَادُو

قدرت نے اس عالم کو روز اول سے ”خیر وشر“ کا مجموعہ بنا کر پیدا فرمایا ہے کہ ایک طرف اپنے ”مقرب فرشتے“ پیدا کئے تو اس کے بالمقابل ”شیاطین“ کا ناپاک گروہ بنایا اسی طرح ایک انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت مبعوث فرمائی تو اس کے بالمقابل ”دجالوں“ کا ناپاک گروہ بھی ظاہر فرمایا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نبوت کے مقابلے میں کوئی دوسری شے پیدا نہ فرمائی جاتی، اور وہ ”کہانت وسحر“ تھی، خیر وشر کی ان مرکزی طاقتوں میں بھلا کیا مناسبت تھی، مگر اس ”دار الالتباس“ میں آ کر ان میں پھر اتنا التباس رہا کہ ایک ملعون جماعت نے مسیح ہدایت کو دجال قرار دے ڈالا اور دجال مسیح ہدایت ٹھہرانے کا فیصلہ کر لیا۔

ترجمان السنۃ کی جلد سوم میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ معجزہ وسحر میں کوئی التباس ہی نہیں ہے یہ دونوں چیزیں اپنی ماہیت، اپنے فاعل اور اپنی غایت ہر لحاظ سے ممتاز ہیں، معجزہ کا ظہور وتضرع وابتہال اور کلمات طیبہ وغیرہ سے ہوتا ہے اور سحر کا کلمات شرکیہ، نفسی توجہ اور ارواح خبیثہ کی استعانت سے، صاحب معجزہ قدسی صفات کا ہوتا ہے اور ساحر خبیث النفس، معجزہ کی غایت وغرض معرفت ربوبیت اور نجات آخرت ہے اور سحر کا مقصد متاع دنیا صاحب معجزہ کا انجام نجاح وفلاح ہے اور ساحرین کا خیبت وخسران۔

آپ نے دیکھا کہ یہ دونوں متقابل حقیقتیں کتنی علیحدہ علیحدہ وممتاز ہیں، لیکن اس دنیا کے نہاد میں چونکہ التباس رکھا ہوا تھا، اس لئے پھر ان میں اتنا التباس باقی رہ گیا کہ تصنیف کا قلم جتنی جتنی اس کی وضاحت کرتا رہا یہ مشکل نافہموں کے لئے اتنی ہی اور الجھتی چلی گئی مگر یہ کشمکش جتنی بھی رہی صرف ذہنی اور کاغذی حد تک ہی رہی اور جب بھی نبی و دجال اور معجزہ و سحر متقابل آ گئے تو یہ دونوں حقیقتیں نور وظلمت کی طرح ہر خواندہ وناخواندہ کے لئے ایسی ممتاز ہو گئیں کہ کسی کو ان کے درمیان کوئی اشتباہ باقی نہ رہا، اس لئے اگر آپ کے ذہن میں معجزہ وسحر

اشتباہ کی دنیا ۱۴

کے درمیان کچھ التباس باقی ہے تو اس کو ان کی حقیقتوں کا اشتباہ نہ سمجھئے بلکہ اس عالم کی فطرت کا نتیجہ سمجھئے تمیز اور امتیاز کامل کا مقام آخرت ہے، جہاں خیر و شر کے درمیان پورا پورا امتیاز بدیہی ہو کر سامنے آ جائے گا اگر یہ قطعی فیصلہ کلیۃً آج یہیں ہو جائے تو عالم غیب و شہادت کا فرق ختم ہو جائے، ثواب و عقاب کا سارا فلسفہ غیب کے ذرا سے پردہ ہی میں تو مستور ہے اس کے باوجود اگر آپ اس کو الفاظ کے حدود میں سمجھنا چاہتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ

(۱) معجزہ قدرت کا فعل اور ایک "آیت ربانی" ہوتا ہے اور سحر ساحر کا اپنا بنایا ہوا کھیل۔

(۲) معجزہ نبی کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہوتا کہ جب وہ چاہے دکھا سکے اور سحر ساحر کے اپنے ارادہ کے تابع ہوتا ہے اور جب وہ چاہے اس کو دکھا سکتا ہے اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر قرار دیا گیا تو جس طرح ہر بشری صنعت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح ان کے مقابلہ کرنے کے لئے بھی ساحرین کو دعوت دی گئی مگر جب ساحرین نے آ کر یہ دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا "معجزہ" قدرت بشری سے خارج ہے اور ایک "آیت ربوبیت" ہے تو وہ فوراً رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہو گئے، پھر اس فیصلہ کے لئے کوئی مدت خرچ نہیں ہوئی بلکہ جونہی معجزہ و سحر مقابل ہوئے بس فوراً اسی وقت دونوں حقیقتیں نور و ظلمت کی طرح ممتاز ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک اجمالی نظر جس سے معجزہ اور جادو وغیرہ کے درمیان امتیاز کرنے میں مدد ملتی ہے

(۱) کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی معجزہ کے اظہار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد کسی اظہار برتری تھا اور نہ کبھی عام مجمعوں کے لئے اس کا تذکرہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے ہاں اگر آپ کی پیشگوئی کے مؤید کوئی واقعہ اتفاقیہ طور پر ظاہر ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اس کو اپنی نبوت کی صداقت کے ظہور کے لئے بنگاہ احسان دیکھا ہے۔

(۲) یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزات کے لئے ہمیشہ

کسی بڑے مجمع کی تلاش کی تھی بلکہ سب مشیت ایزدی کبھی جماعتوں میں اور کبھی بہت ہی محدود افراد میں اور کبھی ایک ہی شخص کے سامنے معجزہ کا ظہور ہوا ہے، ایک بار قضائے حاجت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو درختوں کا بغرض "سترہ" اپنی جگہ سے ہٹ کر آجانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراغت کے بعد پھر ان کا اپنی اپنی جگہ واپس ہو جانا صرف اس صحابی کا بیان ہے جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات اس قسم کے بھی ہیں جن میں نباتات و جمادات وحیوانات نے از خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام یا حفاظت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا آپ کے کسی صحابی کے لئے حصہ لیا ہے اور ظاہری طور پر وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل نہ تھا، مثلاً مکڑی کا غار ثور پر جالا تننا یا شہد کی مکھیوں کا عامرؓ یا عاصمؓ کے جسم کی حفاظت کرنا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے برکات سے متعلق ہیں، جیسا کہ "لعاب دہن" سے حضرت علیؓ کی آنکھوں کا آشوب دور ہو جانا، سلمہ بن الاکوعؓ کی ٹانگ کا درست ہو جانا وغیرہ، مگر جب جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی ہوئے تو ایسے نازک وقت میں بھی پھر اس اعجاز کا ظہور نہ ہوا۔

(۵) کھانے، پینے میں برکت اور انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابلنے کی برکات خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بجائے اکثر سفروں میں یا دوسروں کے گھروں میں ظاہر ہوئی ہیں اور زیادہ تر اس کا فائدہ دوسروں ہی نے اٹھایا ہے۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک بھی باقی رہے ہیں اور بعض ایسے ہیں، جن کا ظہور ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا ہے، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت پہلی قسم کی اور "اخبار غیب" کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم کی مثال ہے، سحر میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں وہ ساحر کے وجود کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا جو حصہ "اخبار غیب" سے متعلق ہے اس میں عالم کے حوادث کے علاوہ اشراط ساعت، مبدأ و معاد اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اہم

حالات زندگی بھی شامل ہیں، جن میں قیاس وتخمین کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا، اور نہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ان کے متعلق لب کشائی کرسکتا ہے۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک بڑا حصہ آپ کی "استجابت دعا" سے متعلق ہے۔

(۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے، جو کسی شدید ضرورت میں ظاہر ہوا تھا مگر اس سے بڑھ کر ضرورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صرف صبر وسکون کی تلقین فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔

(۱۰) قرآن کریم کے علاوہ کسی اور معجزہ کے متعلق یہ یاد نہیں آتا کہ آپ نے کبھی کافروں کو اس کے مقابلے کی دعوت دی ہو۔

(۱۱) آپ کے معجزات میں کھانے پینے کی اشیاء میں برکت ہمیشہ اس وقت ظاہر ہوئی ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تھوڑا سا پانی یا کھانا وغیرہ منگالیا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ یونہی محض عدم سے کھانا یا پانی موجود ہوگیا ہو اور کھانے کے ڈھیر لگ گئے ہوں یا پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

اور اسی طرح جن بھی بسا اوقات لوگوں کے پاس ایسی کھانے پینے اور خرچ کرنے وغیرہ کی چیزیں لاتے ہیں جو وہ لوگوں کے اموال میں سے لیتے ہیں اور یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں جو ایک انسان چرا کر دوسرے انسان کے پاس لاتا ہے، لیکن جن یہ کھانے پینے کی چیزیں اس جگہ لاتے ہیں جہاں وہ نہیں ہوتیں، اسی لئے اس قسم کے تصرفات نبی کے تصرفات کبھی نہیں ہوتے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کی صورت تو یہ ہوا کرتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کسی برتن وغیرہ کے) پانی کے اندر دست مبارک رکھ دیتے تھے اور پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے (چشمے کی طرح) پھوٹ نکلتا تھا، یہ ہے وہ معجزہ جس پر نہ کوئی انسان قدرت رکھتا ہے نہ جن، اسی طرح تھوڑا سا کھانا (آپ کے ہاتھ لگانے سے) بہت سا ہو جاتا تھا، اس پر بھی نہ کوئی انسان قادر ہے نہ جن، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بطور معجزہ) غیب سے کوئی کھانے پینے کی چیز کبھی نہیں لائے، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعض صحابہؓ سے بھی کبھی اس قسم کے واقعات ظہور میں آئے ہیں، جیسا کہ حضرت خبیب بن عدیؓ کے پاس جبکہ وہ کفار کی قید میں تھے، انگوروں کے خوشے مہیا کر دیئے گئے، اس قسم کے امور حضرات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں (دیکھئے) حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں مگر ان کے پاس کھانے کی چیزیں (اور بے فصل میوے) مہیا کر دیئے جاتے تھے۔ (کتاب النبوت ص ۱۱۵)

غرض سحر اور عمل تنویم وغیرہ سب کسبی فنون ہیں ہر کسی کو کسب سے حاصل ہو سکتے ہیں اور دیگر ملکات کی طرح ہر وقت وہ انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں، ان میں آخرت کی فلاح کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور اسی لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق کی نظروں میں ساحر یا عمل تنویم کرنے والوں کا کوئی احترام نہیں ہوتا، سحر اور عمل تنویم کی تفصیلات معجزات کی مذکورہ بالا تفصیلات سے بالکل جدا ہیں۔

(۱۴) سحر کا بیشتر تعلق دنیوی معاملات یا دنیوی تصرفات و اخبار سے ہوتا ہے، ''مبداء و معاد'' سے اس کا تعلق بالکل نہیں ہوتا، اس کے برخلاف نبوت ہے کہ اس کا تمام تر تعلق مبداء و معاد سے ہوتا ہے، اس کی دعوت ''الوہیت و وحدانیت'' کی اور اسی طرح صفات الوہیت کی تفصیلات کے بیان کرنے سے ہوتا ہے، سحر کا ان اہم امور سے کوئی ادنیٰ راستہ بھی نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کے معجزات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح قرآن میں مذکور کیوں نہیں؟

ہمارے نزدیک یہ سوال ہی ساقط ہے سب سے پہلے تو اس لئے کہ اگر سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کیوں مذکور نہیں ہیں تو یہ سوال ہی لغو ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی معجزہ بھی مذکور نہیں" تو یہ غلط ہے، جبکہ حسی اور معنوی ہر قسم کے معجزات اس میں موجود ہیں، کیا شق القمر، معراج جسمانی اور عظیم الشان پیشگوئیاں وغیرہ وغیرہ اس میں مذکور نہیں، لیکن چونکہ اس مہمل سوال پر بھی علماء کا قلم اٹھ چکا ہے، بناء بریں چند سطریں ہم بھی یہاں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

پہلی وجہ:

ہمارے نزدیک انبیاء سابقین کے معجزات کا اہتمام قرآن کریم میں اگر کیا گیا ہے کہ اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ سب عملی تھے ان کا ثبوت مستقبل زمانوں اس کے سوا اور کیا تھا کہ خود وحی سماوی ان کی تصدیق کردیتی ورنہ وہ معجزات اپنے اپنے زمانوں میں ظاہر ہوکر خود بھی معدوم ہو چکے تھے اور گذشتہ امتوں کے ہاتھ میں ان کے ثبوت کے مستند ذرائع بھی سب معدوم ہو چکے تھے اس لئے اب یہی ایک صورت باقی تھی کہ قرآن کریم ان پر مہر تصدیق ثبت کرتا، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات کو تو خود دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر ہی رہی تھی اور مستقبل میں اس کے لئے انبیاء سابقین کے معجزات کی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات کی تصدیق کیلئے بھی کافی تھی، کیونکہ دونوں

ایک ہی جنس کے تھے، جب قرآن کریم نے ایک بار ان کی تصدیق فرمادی تو اب اس کی اہمیت کیا رہی کہ ان ہی انواع کے معجزات کا تذکرہ بار بار پھر کیا جاتا۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خیال ہی درست نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تذکرہ ان کے اصل مقصود ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے، بلکہ اصل مقصد انبیاء سابقین کا تذکرہ کرنا تھا اور جب ان کی نبوتوں کا ذکر کیا گیا تو اب ان کے دلائل نبوت کا ذکر کرنا بھی خود بخود لازم ہوگیا اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تھی اس کی تصدیق کے لئے ایک طرف قرآن کریم درخشاں ثبوت موجود تھا اور آپ کے دوسرے معجزات کے لئے تواتر اور احادیث معتبرہ گواہی دے رہی تھیں اس لئے آپ کی نبوت حال و مستقبل میں یکساں ثابت تھی آپ کے دوسرے معجزات کے ذکر کرنے کی احتیاج ہی کیا رہی تھی۔

تیسری وجہ:

انبیاء علیہم السلام کے جن معجزات کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے وہ ان کے خاص خاص معجزات ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا "خاص معجزہ" قرآن کریم ہے اس لئے جب ان کے عام معجزات قرآن کریم میں مذکور نہیں تو پھر آپ کے عام معجزات مذکور کیوں ہوں؟

چوتھی وجہ:

جب آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل یعنی سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا تو شاید اب حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے معجزات اسی نمبر پر نہ آئیں، خواہ اپنی اپنی جگہ وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے مگر ظاہر ہے کہ وہ پھر "افعال الٰہیہ" تھے اور یہ "کلام الٰہی" ہے اور جو نسبت کلام کو متکلم کے ساتھ حاصل ہوتی ہے وہ افعال کو نہیں ہوتی اسی لئے پہلی امتوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کا جو تعارف کرایا گیا تھا وہ اس کے خاص خاص افعال سے کرایا گیا اور جب ان میں کچھ استعداد پیدا ہوگئی تو آخر میں "تعارف ایزدی" کے لئے خود "کلام ایزدی" نازل ہوگیا جس سے بڑھ کر اس عالم میں رب العالمین کے تعارف کی کوئی اور صورت ممکن نہیں،

اس کے بعد اگر کوئی نمبر ہے تو وہ مشاہدہ کا ہے جو اس عالم میں ایک مقدس اور بزرگ ترین ہستی کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا اور وہ برگزیدہ ہستی وہی تھی جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ، لہٰذا ایسی ایک معجزہ ہر معجزہ سے مستغنی کرنے والا تھا۔

پانچویں وجہ:

انبیاء سابقین کی نبوت دائمی نہ تھی اور مستقبل زمانوں کے ساتھ ان کا تعلق بجز ان پر ایمان لانے کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا، اس لئے ان کو وہی معجزات عطاء ہوئے جو اپنے زمانوں میں ایمان لانے کے لئے کافی تھے، پھر ان کی نبوتوں کا دور ختم ہو جانے اور ان کے ان معجزات کے معدوم ہو جانے کے بعد یہ مناسب تھا کہ کم از کم ان کا تذکرہ بیان میں آتا رہتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی تھی، اس لئے آپ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جو دائمی ہو اور خود بے شمار[1] معجزات پر مشتمل ہو دوسرے معجزات جو آپ سے سرزد ہوئے وہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کی حد تک محدود رہے ان میں سے کچھ تو منکرین کی فرمائش پر ظاہر ہوئے جیسا ''شق القمر'' اور بہت سے کسی شدید ضرورت میں ظہور پذیر ہوئے، گو وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے، مگر پھر بھی آپ کی نبوت کے ثبوت کا اصل مدار نہ تھے، یہ شان تھی تو ایک قرآن کریم کی تھی، اب اگر ان سب حسی معجزات کو نظم قرآنی میں لے لیا جاتا تو مستقبل میں خود ان کا وجود باقی نہ رہنے کی وجہ سے ان میں عقلی بحثیں شروع ہو جاتیں اور بدنصیبوں کے لئے ان کے ایمان لانے میں نہ معلوم کتنی بیشمار رکاوٹوں کا باعث بن جاتیں اس لئے رحمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ایک بار ان کا مشاہدہ کرا کے حدیثوں تک ان کو محدود رکھا جائے اور ان سب کو قرآن کی قطعیت کے رتبہ میں نہ پہنچایا جائے، جہاں پہنچ کر چوں و چرا کا میدان ختم ہو جاتا ہے اس کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ ان حدیثی معجزات میں کافر نہیں خود مسلمان آج تک کتنا الجھ رہے ہیں، اگر یہ سب معجزات قرآن کریم میں مذکور ہو جاتے تو بولئے آج ان متکلمین مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا، اس کے برخلاف قرآن کریم ہی وہ آفتاب آمد دلیل آفتاب بن کر خود صفحۂ عالم پر جگمگا رہا ہے، جس کو دیکھ کر کفار بھی حیرت زدہ

---

[1] حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ تنہا قرآن کریم دس ہزار معجزات پر مشتمل ہے، (مقدمہ تفسیر) [illegible]

خاموش ہیں، اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اگر یہ فرسودہ کہانیاں ہیں تو جاؤ تم سب مل کر اس کا مثل، اس کی ایک سورۃ کا مثل، بلکہ ایک آیت ہی کا مثل لے آؤ، تاریخ سے پوچھو دیکھو دوسرے قسم کے معجزات میں شبہات نکالنے والے یہاں پہنچ کر کیسے مبہوت اور لاجواب کھڑے ہیں، اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کے ذکر کی حاجت ہی باقی نہیں رہی فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون۔

چھٹی وجہ:

چھٹی وجہ جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ ہے کہ ''کلام الٰہی'' دراصل دنیا میں یہ روح پھونک دینا چاہتا ہے کہ اب ''عجائب پرستی'' کا شوق ختم ہو جانا چاہئے، دنیا کی آنکھوں کے سامنے قدرت کے عجیب سے عجیب کرشمے آچکے اب ان کے بجائے ''خدا پرستی'' کا شوق پیدا ہو جانا چاہئے، کہ ان عجائبات کے ظہور کا اصل منشا، یہی خدا پرستی کا شوق تھا، جب اصل مقصد منظر عام پر آچکا ہے تو اب اسباب وذرائع کی طرف نظریں کیوں تک رہی ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کا ایک ایک کر کے تذکرہ کر دیا جاتا تو بقول ''دیوانہ راہ ہوئے بس است'' پھر دنیا اپنے اسی قدیم ذوق میں جا پھنستی، اس لئے جب اس قسم کے عجائبات کا تذکرہ آیا تو قصۂ ماضی بن کر آیا، اب خدائے تعالیٰ کی ''تازہ وحی'' آنکھوں کے سامنے ہے جس کی ایک ایک آیت سے عجوبہ پرستی کی بجائے خدا پرستی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے فسبحان اللّٰہ حین تمسون و حین تصبحون و لہ الحمد فی السموٰت والارض وعشیاً و حین تظہرون۔

ساتویں وجہ:

آخر میں ساتویں یہ وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ جتنے ''عملی معجزات'' ہیں ان میں اور سحر میں ہر پہلو سے امتیاز ہونے کے باوجود پھر ذرا سا التباس بھی موجود رہتا ہے، حتیٰ کہ آج تک کتب کلام وغیرہ میں ان کے درمیان کوئی ایسا واضح فرق مذکور نہیں ہے جس کے بعد مادی طبائع کے لئے بھی کوئی تشنگی باقی نہ رہے لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس میں اور سحر میں کسی قسم کا کوئی التباس ہی نہیں ہے، نہ سلیم طبائع کیلئے اور نہ مادی طبائع کے لئے یہی وجہ ہے کہ اس معجزہ پر کسی کی زبان کھل نہیں سکی کہ ''یہ بھی ایک سحر اور جادو ہے'' اس کے علاوہ جو اعتراضات اس پر کئے گئے، اس کی جواب وہی کا تکفل

خود قرآن کریم نے کر لیا ہے اور اس کے دندان شکن جوابات خود دیدیے ہیں، حتی کے بقول "دروغ گو را تا بخانہ باید رسانید" یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر یہ "قدیم افسانوں کا مجموعہ" ہے تو جاؤ تم بھی ایسے ہی "من گھڑت افسانے" بنا کر اس کے مقابلے پر لے آؤ، ان حالات میں اگر دوسری نوع کے عملی معجزات کے قرآن کریم استیعاب کی نیت کر لیتا تو یقیناً ان میں پھر بحث کھڑی ہو جاتی، آخر ضدی مزاجوں نے "شق القمر" کو بھی سحر کہہ ہی دیا۔

اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا اٰیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔

اس لئے مناسب یہ تھا کہ جو معجزہ خود ہزاروں معجزات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، اس کو اپنی نوع میں یکتا ہی رہنے دیا جائے اور اس میں دوسری قسم کے معجزات کا بار بار ذکر کر کے آپ کی نبوت میں کسی کے لئے لب کشائی کا موقع ہی باقی نہ رہنے دیا جائے، رہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے عملی معجزات تو ان کی طرف سے صرف اس مدافعت کو کافی سمجھا جائے، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جواب وحی میں ایک سے زیادہ بار کر دی گئی ہے، ان کے علاوہ اس مہمل سوال کے جو عیسائیوں کی طرف سے بے وجہ دہرایا جاتا رہا ہے اور جوابات بھی ہو سکتے ہیں، مگر ہم نے یہاں فرصت وقت کے لحاظ سے ان ہی چند جوابات پر کفایت کرنا مناسب سمجھا ہے۔

فریق مخالف کے دلائل کا تجزیہ:

ہمارے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے معجزات کی قرآن کریم میں مذکور نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ حسی تھے، اور حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ ہے کہ احادیث کے مستند ذخیروں میں ان کی موجودگی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے اور عدم اہتمام کی وجہ سے ان کو اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا کہ قرآن کریم میں ان کو جگہ دی جاتی (والعیاذ باللہ) اور یہ وجہ بھی نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پاس صرف وہی گنے چنے معجزات تھے، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اتنے "متنوع" تھے کہ ان کے تذکرہ کے وقت ایک ہی معجزہ کو بار بار دہرانے کی حاجت نہ تھی اور نہ یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر نہیں، بلکہ قدرت الہیہ کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لئے عام لوگوں کا خیال

ان کو دلائل محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

یہ سب وجوہات معجزہ کی حقیقت تک نارسائی اور ان کی تاریخ سے ناآشنائی کے ثمرات ہیں۔

ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں بڑی اہمیت ہے، بلکہ معجزات کے ذیل میں جب کہیں تذکرہ آتا ہے تو ان ہی کا آتا ہے، لہٰذا پہلی اور دوسری وجہ جو اسی پر مبنی ہے وہ دونوں صحیح نہیں اور یہ فقرہ تو کسی طرح نوک قلم پر آنے کے قابل نہیں ہے کہ "آپ کے دوسرے درخشاں معجزات صفات قرآنی پر آنے کے قابل ہی نہیں تھے" (والعیاذ باللہ) آخر یہ معجزات کیا قدرت مطلقہ ہی کے مظاہر نہ تھے؟ تیسری وجہ اس لئے صحیح نہیں کہ وہ اس پر مبنی ہے کہ انبیائے سابقین کے پاس گویا اتنے ہی گنے چنے معجزات تھے، حالانکہ قرآن کریم میں ان کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے یہ معجزات صرف وہی ہیں جو ہر نبی کو خاص خاص عطا ہوئے ہیں، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے علاوہ اور کوئی معجزہ کسی نبی سے ظاہر ہی نہیں ہوا اسی لئے، جب آپ آیات قرآنیہ پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ان میں جو معجزات ایک نبی کے ذکر کئے گئے ہیں، وہ دوسرے کسی نبی کے ذکر نہیں کئے گئے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہاں ان کے خاص خاص معجزات کا ہی ذکر کرنا مقصود ہے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب اپنے "خاص معجزہ" کا تذکرہ فرمایا ہے تو صرف ایک قرآن پاک کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایات میں صاف موجود ہے، کیا اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ آپ کے پاس بھی صرف ایک ہی معجزہ یعنی قرآن کریم ہے، پس جس طرح صحیح بخاری کی حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آپ کا خاص معجزہ قرآن کریم ہے، اسی طرح انبیائے سابقین کے معجزات کا مطلب سمجھ لینا چاہئے، ترجمان السنہ جلد ثالث میں حافظ ابن تیمیہ کی شہادت سے یہ گزر چکا ہے کہ "احیاء موتی" کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ثابت ہے، حالانکہ قرآن کریم میں ان کے معجزات میں اس کا کہیں ذکر نہیں پھر جب حسب بیان حافظ ابن تیمیہ "احیاء موتی" اولیاء کرام سے بھی کرامت کے طور پر ثابت ہے تو اس اولوالعزم نبی کے متعلق شک وشبہ کرنے کی کس کو گنجائش ہو سکتی ہے، اگر تھوڑا سا اس پر غور کر لیا جائے کہ ان خاص معجزات کی عطا کچھ

صرف بخت و اتفاق کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے الگ الگ ماحول اور جدا جدا فطری مناسبات کا ثمرہ تھی تو پھر ان کے ان معجزات کے خاص طور پر ذکر کرنے کی ایک لطیف وجہ اور بھی نکل آتی ہے، دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ایک طرف ان کی "درشت مزاج" قوم اور دوسری طرف ان کی "شان جلالی" کے کتنے مناسب تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، ان کے عہد "طبی ارتقاء" اور ان کی "شان روحانیت" سے کس قدر ملتے جلتے تھے، اس تناسب سے یہ معجزات ان کو عطا ہوئے تھے اور اسی تناسب سے وہ قرآن کریم میں مذکور بھی ہوئے ہیں، اگر یہ بات او پیش نظر رہیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کی کتب و صحف کے صرف خلاصوں ہی پر اکتفا کیا گیا حالانکہ یہی ان کے سب سے عظیم کمالات تھے تو اب ان کے عام معجزات کے احاطہ و استیعاب کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، لہذا صرف ان کے چند گنے چنے معجزات کا تذکرہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ ان کے علاوہ ان کے پاس کچھ اور معجزات نہ تھے، تاریخ انبیاء علیہم السلام سے بڑی غفلت ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کثرت میں سب سے بڑھ کر تھے مگر یہ لکھنا صحیح نہیں کہ "دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں کثرت ہی نہ تھی، اس لئے ان کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دوہرایا گیا ہے" یہ فقرہ بھی حقیقت سے کتنا بعید ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دوہرایا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات خود قرآن کریم نے شمار کر کے نو معجزات بتلائے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بھی متعدد انواع شمار کرائی گئی ہیں، اگر ان انواع کے الگ الگ وقائع اور افراد شمار کئے جائیں تو خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ان کی تعداد کیا ہوگی، ان کثیر التعداد معجزات کو صرف ایک سوال کے جواب کے سید ھا کرنے میں حذف کر کے اس طرح ادا کر جانا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے پاس کچھ معجزات ہی نہ تھے، کتنی بڑی خطرناک غلطی ہے، یہی غلطی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تشکیک ثابت کرنے کی ایک بنیاد بن گئی ہے۔

چوتھی وجہ سب سے زیادہ عجیب ہے کسی نبی کے معجزہ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی تو اعجاز کی اصل روح ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب معجزات میں "باذن اللہ" کی قید لگی ہوئی ہے اور یہی قید ان کے معجزات ہونے کا سب سے واضح ثبوت ہے، عجیب بات ہے

کہ اگر یہ کھلے ہوئے "قدرت مطلقہ" کے افعال (جن سے قوت بشری عاجز ہو) عوام کی نظروں میں بھی دلائل نبوت نہ ہوں تو پھر یہ دلائل ہیں کس کے لئے؟ اہل علم وفہم تو پہلے ہی ان کے متلاشی نہیں ہوتے ان کی نظریں سب سے اول "اخلاق و تعلیم" پر جاتی ہیں اب اگر یہ عوام کی نظروں میں بھی دلائل باقی نہ رہیں تو پھر ان کا فائدہ کس طبقہ کے لئے ہوگا؟ اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچئے کہ اگر ان کی نظروں میں یہ افعال معجزہ نہ تھے تو پھر وہ ان ہی معجزات کی انبیاء علیہم السلام سے فرمائشیں کیوں کیا کرتے تھے، پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ آپ کے معجزات کی نسبت آپ کی ذات ستودہ صفات سے کچھ نہ تھی، حضرت مولانا نانوتوی "حجۃ الاسلام" میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر آپ کے معجزات کی برتری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر میں سے پانی نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی نکلنے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی صلی اللہ علیہ وسلم منبع فیوض الانہار ہے...... علی ہذا القیاس کنوئیں میں آپ کے لعاب دہن ڈالنے سے پانی کا زیادہ ہو جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے اور فقط یونہی روٹیوں کا زیادہ ہو جانا...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا...... ہاں یہ مسلم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا ان کے تقرب پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے...... اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور بگڑی ہوئی آنکھ کا اچھا ہو جانا بیماریوں کے یونہی اچھا ہو جانے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا، کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں (حجۃ الاسلام ص ۳۴، ۳۵ مختصراً)

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ ذات نبی کی طرف معجزات کی نسبت بھی جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں نمایاں تھی اتنی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں نمایاں نہ تھیں اب ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کون سے عوام تھے جو یہ نسبت دیکھ کر ان کو دلائل محمدی شمار کرنے کی طرف مائل نہ ہوتے تھے، شاید عوام کے پردہ میں کہیں یہ کچھ خواص ہی نہ ہوں۔

ندانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد   کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف:

آپ کی بعثت سے قبل کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا تھا کہ وہ "شاہان تخت نشین ہوں" یا "راہبین گوشہ نشین" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کے لئے بھی آپ کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی، اہل کتاب اس کو چھپانے کی ہزار کوششیں کرتے تھے مگر چھپا نہ سکتے تھے، اسی بناء پر قرآن کریم میں جابجا ان کو قائل کیا ہے اور اس تعارف کے کتمان وتحریف کا مجرم بھی قرار دیا ہے، علماء نے اس موضوع پر کئی مستقل تصانیف فرمائی ہیں اور کتب شروح وتفاسیر میں جہاں جہاں اس پر ضمنی بحث آگئی ہے اس کا تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے لائق تلمیذ کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے، حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سو مقامات سے بھی زیادہ بشارات موجود ہیں جن کا تھوڑا سا تفصیلی تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بھی کیا ہے، لیکن جن لوگوں کو کتب سابقہ کا مطالعہ حاصل نہ ہو وہ

حافظ موصوف کی بات کو کب باور کر سکتے ہیں وہ تو اس کو "مبالغہ" یا "خوش عقیدگی" کہہ کر ٹال دیں گے، ہم یہاں صرف صحیح بخاری کی چند حدیثیں اور قرآن کریم کی چند آیات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جن سے آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ کتب سابقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، حتی کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو اس طرح تشریف لائے جیسا کہ پہلے سے ایک "بڑی متعارف شخصیت" تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ "ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جبریل علیہ السلام کے نزول کے حالات سن کر فوراً آپ کی رسالت کی شہادت دی اور کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لے کر نازل ہوا تھا" اس کے بعد آپ کی حیات طیبہ کے ایک جزئی واقعہ یعنی ہجرت کا بھی اس طرح ذکر کیا گویا آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کے سامنے ہے اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا "اے کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوتا تو آپ کی جو خدمت مجھ سے بن پڑتی میں بھی اس کو سو جان سے ادا کرتا"۔ "وطن" قدرۃً محبوب ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر رہا نہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تاثر کے انداز میں ان سے پوچھا "او مخرجی ھم" "کیا میری قوم مجھ کو وطن سے بے وطن کرے گی" اب اندازہ فرمایئے کہ "نبوت" اور "نزول ملک" کا معاملہ کوئی معمولی بات نہ تھی جس کا فیصلہ صرف ایک مختصری سرگذشت پر فوراً کر دیا جاتا، مگر یہاں یہ زبردست نصرانی عالم یہ فیصلہ اس طرح فوراً کر گزرتا ہے، گویا اس کے نزدیک وہ ایک طے شدہ بات تھی اور اس ضمن میں آپ کی زندگی کے ایک ایسے جزئی واقعہ کا بھی ذکر کر جاتا ہے، جو آپ کی فتح و نصرت کا ایک "نیا باب" تھا۔

اسی طرح ہرقل و ابو سفیان کی گفت و شنید بھی صحیح بخاری میں موجود ہے، اس کے حرف حرف سے آپ کو یقین ہوتا چلا جائیگا کہ ہرقل کے علم میں ضرور آپ کی بعثت کا وقت آچکا تھا اور بڑے اضطراب کے ساتھ وہ آپ کی آمد کا منتظر تھا، اسی لئے یہاں وہ آپ کا "نامہ مبارک" کھولتا بھی نہیں اور چند تحقیقی سوالات شروع کر دیتا ہے اور کسی بحث و تجسس کے بغیر وہ بھی اسی فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جن کی آمد کا اس کو انتظار لگ رہا تھا، سوال و جواب کے بعد آخر میں وہ یہ تصریح بھی کر دیتا ہے کہ "کتب سابقہ سے مجھ کو آپ کی بعثت کا پورا یقین پہلے سے حاصل تھا"، اس کے آخری فقروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس

کا قلب آپ کی بزرگی اور عظمت و شان سے کس درجہ مسحور تھا، وہ کہتا ہے: اگر ہو سکتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پہنچتا اور آپ کے مبارک قدم اپنے ہاتھوں سے دھوتا"۔

نجوم کے ماہرین کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف:

یہ واقعہ بھی صحیح بخاری میں ابن ناطور کی زبانی منقول ہے، شاہ ہرقل "علم نجوم" کا بھی ماہر تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بہت سراسیمہ حال اٹھا اور دریافت کرنے پر بڑی پریشانی کے ساتھ اس نے یہ کہا کہ "جو قوم ختنہ کرتی ہے، ان کا بادشاہ ظاہر ہو گیا"، ابھی یہ گفت و شنید چل رہی تھی کہ ادھر سے شاہ غسان کا قاصد بھی آ پہنچا اور اس نے خبر دی کہ "عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے"، اسی دوران میں ہرقل نے ایک دوست کو اس کے متعلق لکھا، جو رومیہ میں اسی کی نظر کا عالم تھا، اس نے بھی شاہ روم کی رائے سے موافقت کی، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ علم نجوم رکھنے والے آپ کی بعثت کے اثرات ستاروں میں بھی مشاہدہ کر رہے تھے، یہ بحث یہاں نہیں ہے کہ شرعاً خود یہ علم نجوم کی حیثیت کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ طوائف و مذاہب ہوں یا کاہن و نجومی، وہ آپ کی بعثت سے قبل صرف آپ کی معرفت ہی نہیں، بلکہ آپ کی زندگی کے جزئی جزئی واقعات کی معرفت، حتیٰ کہ آپ کا "وقت بعثت" اور "دار الہجرت" کی معرفت بھی تفصیلی رکھتے تھے، کیا یہ معرفت صرف "وجدانی" اور استعارہ و کنایات والی پیشگوئیوں سے حاصل ہو سکتی تھی؟

ہر قسم کے لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف تھا:

سلمان فارسی کی سرگزشت کا اجمالی تذکرہ بھی بخاری میں موجود ہے، وہ کس طرح احبار و رہبان کی مسلسل ہدایت کے تحت مدینہ طیبہ پہنچے اور کس طرح مدینہ طیبہ کو دیکھ کر پہلی نظر میں پہچان گئے کہ یہ مقام وہی ہے جو آپ کا "دار الہجرت" ہے، شاہ تبع کا سینکڑوں سال قبل مدینہ طیبہ سے گزرنا اور آپ کی یہاں تشریف آوری کی بشارت دینا سیرت کے مسلم حقائق میں سے ہے، غرض آپ کی بعثت کے اثرات سے خدا تعالیٰ کی کوئی مخلوق نہ تھی جو متاثر نہ ہوا، اگر خدا تعالیٰ کے آسمانوں میں آپ کا ذکر خیر ہو رہا تھا تو اس کی زمین پر بھی آپ کی آمد کی بشارتوں کا غلغلہ بپا ہوا تھا، آسمانوں پر شیاطین کی بندش سے "جنات اور کاہنوں" میں الگ ایک کھلبلی پڑی

ہوئی تھی، اس کا ثبوت بھی قرآن اور صحیح حدیثوں میں موجود ہے اس کے علاوہ متفرق طور پر شیاطین کی سراسیمگی اور ان کی گفتگو کا تذکرہ حدیثوں میں مروی ہے، اور در حقیقت ایک ایسے اولو العزم رسول کے لئے جس کے بعد پھر کوئی اور رسول نہ ہو ایسے ہی تعارف کی ضرورت بھی تھی۔

قرآن کریم کی صراحتیں:

اب ان صحیح حدیثوں کے ساتھ قرآن کریم کی آیات قطعیہ بھی ملاحظہ فرمایئے اور ان کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمالیجئے کہ "کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کیا صرف استعارات وکنایات اور اجمالی پیشگوئیوں کی صورت میں ہوگا؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی خاص خاص صفات کا تذکرہ تورات وانجیل میں موجود تھا اور اتنی وضاحت کے ساتھ موجود تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کا مصداق کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا اور یہ تذکرہ بھی اشارۃً نہیں بلکہ صاف صاف لکھا ہوا موجود تھا، جس کے لئے کسی بڑی فہم ودانائی کی ضرورت بھی نہیں، بلکہ صرف آنکھوں سے ان کا دیکھ لینا ہی کافی ہے، اور یہ تمام نوشتے ابھی تک ان کے پاس موجود بھی ہیں، ارشاد ہے:-

(۱) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہٗ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ (الاعراف)

جو ہمارے اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جن کی بشارت وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ رسول ان کو اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کام سے ان کو منع کرتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور سخت احکام کے بوجھ جو ان کے سروں پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ان سب کو ان پر سے دور کرتے ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی مشہور تصنیف میں اسی آیت کے تحت نقل کرتے ہیں کہ

بعض بادشاہوں کے پاس آپ کی تصاویر تک موجود تھیں اور اس روایت کو قابل اعتبار قرار دیتے ہیں، جیسا کہ تفصیلی معجزات کے بیان میں آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۲) وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جآءھم ما عرفوا کفروا بہ. (البقرۃ)

اور پہلے تو وہ کافروں کے مقابلہ میں آپ کے وسیلہ سے فتح و کامیابی کی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب ان کے پاس وہ ذات آ گئی جسے دیکھ کر پہچان گئے تو وہ لوگ ان کا انکار کر بیٹھے۔

(۳) الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابنآء ھم. (الانعام)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اسی طرح ہمارے ان پیغمبر کو بھی پہچانتے ہیں۔

دنیا میں باپ اور بیٹے کی معرفت سے زیادہ کوئی اور رابطہ معرفت نہیں ہوتا، پھر جبکہ قرآن کریم نے اس آخری رابطہ معرفت کو استعمال کیا ہو تو اس کو ''استعارہ'' اور ''مجاز'' کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(۴) ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف)

اور میں ایک پیغمبر کی خوشخبری دے رہا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا اسم مبارک ''احمد'' ہوگا۔

آیت سورۃ الصف سے معلوم ہوا کہ آپ کی بشارت آپ کی خاص خاص صفات کے علاوہ آپ کے نام کے ساتھ بھی دی گئی تھی اور اسی تنبیہ کے لئے یہاں ''اسمہ'' کے لفظ کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔

تنبیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتائی گئی ہے، لہذا ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی بعثت کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوتا کہ ''بعدیت'' کا لفظ صادق آ جائے یہی وجہ ہے کہ کتب سابقہ

میں آپ کی بشارت کے ساتھ یہ بھی تنبیہ کی گئی تھی کہ اس رسول پاک اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ صحیح حدیث میں بھی انا اولی الناس بعیسی ابن مریم لیس بینی و بینہ نبی کا لفظ آیا ہے اس نکتہ کو اہمیت سے سمجھ لیجئے اس طرف کم از کم پان ہیں جو متوجہ ہوئے ہوں (ملاحظہ فرمایئے ترجمان السنۃ ج۳ ص ۳۰۰ حدیث نمبر ۱۰۶۸)

اس میں مغیرہ بن شعبہ ایک بڑے پادری کے بیان میں آپ کے اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صفات اور آپ کی امت کی صفات خاصہ کے ساتھ یہ بھی نقل کرتے ہیں "ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے"۔ اس پادری کے بیان کی تصدیق آج آپ کے سامنے اس نص قرآنی میں موجود ہے، اس کے بعد آپ کو حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کی انا اولی الناس بعیسی بن مریم لیس بینی و بینہ نبی اہمیت محسوس ہوگئی ہوگی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی تنبیہ فرمائی ہے کہ میرے اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں، ہمیشہ اس نفی کی اہمیت دل میں کھٹکتی ہی رہی، کیونکہ دو رسولوں کے درمیان کسی نبی کے ہونے نہ ہونے کی بحث چنداں قابل اہتمام معلوم نہ ہوتی تھی، مگر جب آیت بالا پر نظر گئی تو اب یہ واضح ہوگیا کہ جو رسول بشارت عیسوی کا مصداق ہو اس کے لئے یہ اعلان کرنا کتنا ضروری تھا، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشارت میں "میرے بعد" کا لفظ فرمایا تھا تو آپ کا یہ اعلان کرنا بھی بہت ضروری تھا کہ "ان کے بعد میں آنے والا رسول میں ہی ہوں"، وللہ الحمد، پھر جب مغیرہ ابن شعبہ کی حدیثوں میں پادریوں کے بیان میں بھی ان کا تذکرہ دیکھا تو اس کی اہمیت اور بڑھ گئی اب جس رسول کے متعلق اتنی اتنی سی بات مذکور ہو اس کے دوسرے حالات کے تذکرہ کو آپ خود ہی قیاس فرمالیں کہ کیا وہ "استعارات اور مجاز" کے رنگ میں ہی ہوگا فیا للعجب و لضیعۃ الادب۔

خلاصہ یہ کہ آیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات و انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خاص صفات کا نقش اتنا مکمل کھینچ دیا گیا تھا کہ اہل کتاب اگر آپ کی صورت دیکھنا چاہیں تو ان کے

آئینہ میں صاف صاف دیکھ سکتے تھے، اتنی صاف کہ آپ کی معرفت کو اگر بیٹوں کی معرفت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔ شاید قرآنی لفظ "مکتوبا" میں بھی اس طرف کچھ اشارہ نکلتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے نصرانی بادشاہوں کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر موجود ہونے کی روایت اسی آیت کی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس پر معتبر ہونے کا حکم بھی نقل کیا ہے۔ تفاسیر میں منقول ہے کہ "جب کسی نصرانی سے مسلمانوں کے بعد یہ سوال کیا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تم کو فی الواقع اولاد کی سی ہی معرفت حاصل تھی" تو انہوں نے جواب دیا "بلکہ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر کیونکہ اپنی اولاد کا یقین تو ہم کو صرف ایک عورت یعنی اس کی والدہ کے بیان پر ہوتا ہے جس کی دیانت اور صداقت میں شبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو ہم کو ان "مصحف سماویہ" کے ذریعہ سے حاصل تھی جس میں شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

آپ کے اسی سابق تعارف کی بناء پر کتب سیر وتاریخ سے "اہل کتاب کا آپ کا منتظر رہنا بلکہ معین وقت پر تلاش کے لئے نکل کھڑا ہونا" بھی ثابت ہے، اور آپ کے اسی تعارف کی وجہ سے ظہور قدسی سے قبل اہل کتاب میں بڑی گرما گرمی سے آپ کا چرچا تھا" بلکہ ایک دوسرے کے مقابلے کے وقت آپ کے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ کی دھمکیاں دیا بھی ثابت ہے، اگر یہ تعارف غیر معمولی اور اتنا عام نہ تھا تو تمام مدینہ ہمہ وقت آپ کے ظہور کے انتظار میں آسمان کی طرف نظریں لگائے کیوں بیٹھا تھا؟

کیا اب بھی شبہ کی گنجائش باقی ہے؟

ہم یہاں صحیحین کی ان احادیث اور آیات قرآنیہ کا پورا استیعاب کرنا باعث تطویل سمجھتے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے سامنے آپ کے تعارف کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا تھا بلکہ ان ہی چند احادیث اور آیات کی روشنی میں یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ ان حالات میں کیا یہ لکھنا ممکن ہے کہ "کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف صرف مجمل اور استعارات وکنایات کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے؟" پھر یہاں یہ لکھ ڈالنا کتنا تعجب انگیز ہے اور بعید از حقیقت ہے کہ:

"اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا، چنانچہ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل علماء یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھی جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھا کرتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی، تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشگوئیاں حقیقت میں موجود تھی اور وہ آج بھی ہیں، لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف اور موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا ہے"۔

وہ روایات جن سے آپ کی تصاویر کا ملوک اور راہبین کے پاس ہونا ثابت ہوتا ہے، آئندہ آپ کے سامنے آنیوالی ہیں اور محدثین نے جو حکم ان پر لگایا ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والا ہے اسکے بعد یہ فیصلہ آپ خود فرما سکتے ہیں کہ ان روایات کو کیا صرف دروغ گو راویوں کی وسعت کا نتیجہ کہہ دینا آسان ہے؟

شاید یہاں آپ کے ظہور سے قبل آپ کی تصاویر میں یہ شبہ کھٹکے کہ جب ابھی تک آپ عالم وجود میں تشریف فرما ہی نہ ہوئے تھے تو پھر یہ آپ کی تصاویر کیسی؟ پھر یہ کہنا تو اور زیادہ مشکل ہوگا کہ یہ تصاویر ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس تھیں، گویا ایک طرح سے وہ بھی آسمانی تحائف میں داخل تھیں، آل موسیٰ علیہ السلام کے تحائف تو تابوت سکینہ میں محفوظ رہ سکتے ہیں جس کو خدائی فرشتے لئے پھرتے ہوں۔

وبقية مما ترك ال موسیٰ

پھر کیا تعجب تھا اگر یہ تصاویر بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں میں سماوی طور سے موجود ہوں، لیکن جب فن تصویر کشی کا کمال یہ ہو کہ کسی شخص کا حلیہ غائبانہ کھینچ دیا جائے بلکہ تخیل کا مصور کرنا تو آج بھی موجود ہے تو پھر ہمارے انکار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اگر اسانید کے ساتھ ان تصاویر کا ثبوت نہیں ملتا ہے تو کم از کم تاریخی درجہ میں اس کو تسلیم کر لینے میں کوئی کلام نہ ہونا چاہئے۔

تواتر معجزات

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ "یہ خیال محض غلط ہے کہ حدیثوں میں جتنے معجزات مذکور ہیں وہ سب کے سب ظنی ہی ہیں، بلکہ بہت سے معجزات ایسے بھی ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔

تواتر عام:

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بعض معجزات کا تواتر تو عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے اور بعض کا تواتر صرف خاص افراد ہی کو معلوم ہے، مثلاً آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا، یا تھوڑا سا کھانا بڑی بڑی جماعتوں کے لئے کافی ہو جانا یا ایک کھجور کے درخت کا جس کو "حنانہ" کہتے ہیں، آپ کے فراق میں گریہ وزاری کرنا اس قسم کے معجزات اعلیٰ درجہ کے تواتر سے ثابت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزات بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے ظاہر ہوئے، جن کی تعداد بالاتفاق اتنی عظیم الشان تھی کہ یہ تعداد دوسرے متواتر امور کے لئے جمع نہیں ہو سکی، یا مثلاً حدیبیہ کے کنویں کا پانی جب خشک ہو گیا اور ایک قطرہ بھی اس میں باقی نہ رہا تو صحابہؓ کے صورت حال عرض کرنے پر آپ نے اپنے وضو کا پانی کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، اس کے بعد فوراً پانی میں وہ کثرت نمایاں ہوئی کہ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اس سے بخوبی سیراب ہو گیا، اسی طرح کا واقعہ غزوہ ذات الرقاع، غزوہ تبوک اور خیبر سے واپسی میں بھی پیش آیا جن میں لشکر کی تعداد ہزاروں تک تھی ان مواقع پر چونکہ صحابہ کی بڑی تعداد ایک ہی جگہ جمع تھی، اس لئے بیک وقت اس کے مشاہدہ کرنے والے اور نقل کرنے والے اس کثرت کے ساتھ موجود تھے کہ دوسرے متواترات کے لئے نہیں ہو سکے اس قسم کے تواتر کو تواتر عام کہتے ہیں۔

تواتر خاص:

تواتر کی دوسری قسم، تواتر خاص ہے، اس کا علم ہر شخص کے لئے ضروری نہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام کا وجود جو جماعت ان کی قائل ہی نہیں ہے اس کو ان کے اسمائے مبارکہ کی بھی کوئی

اطلاع نہیں ہے جیسا کہ بہت سے مسلمانوں کو جو تاریخی معلومات نہیں رکھتے وہ اپنے بہت سے خلفاء اور ملوک کے ناموں سے بھی آشنا نہیں اور نہ ان کو مشہور معرکوں کی خبر ہے، جو خود مسلمانوں سے گزر چکے ہیں، مثلاً جنگ یرموک، واقعہ حرہ، فتنہ ابن المہلب، فتنہ ابی الاشعث وغیرہ حالانکہ اصحاب تاریخ کی نظروں میں یہ سب واقعات تواتر سے ثابت ہیں" خلاصہ یہ کہ بعض خبریں جو غیر اصحاب کے فن کے نزدیک خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں وہ خود اصحاب فن کے نزدیک متواتر ہوتی ہیں، مذہبی دنیا کے لحاظ سے اگر دیکھئے تو بہت سے علماء کو ان واقعات کی کوئی خبر تک نہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تواتر سے ثابت ہو چکے ہیں، اسی طرح اہل فن کو لے لیجئے تو اس فن کے کارنامے اس فن والوں کے نزدیک آپ کو تواتر سے ثابت ملیں گے، حالانکہ دوسرے لوگوں کے کان بھی ان سے آشنا نہ ہوں گے، دیکھئے اطباء میں جالینوس، بقراط، محمد بن زکریا وغیرہ، فن ہیئت میں بطلیموس، ثابت بن قرہ اور ابوالحسین صوفی، اہل نحو میں سیبویہ، اخفش، مبرد، زجاج، فراء و کسائی، اہل تجوید میں ابو عمرو، ابن کثیر، حمزہ، کسائی، ابن عامر، یعقوب، اسحاق، خلف بن ہشام اور ابو جعفر اور اسی طرح جملہ فنون میں جو جو اس کے ماہرین گزرے ہیں ان کے جو جو کارنامے خود ان فن والوں کے نزدیک ثابت ہیں، دوسرے اصحاب فن بسا اوقات ان کو مبالغہ آمیز داستانیں تصور کر سکتے ہیں، اس کا باعث ان واقعات کا خفا اور عدم ثبوت نہیں بلکہ اپنی اپنی توجہ اور التفات کا فرق ہے جس کی توجہ ان خبروں کی طرف ہوگئی اس کو ان کے "تواتر" کا علم ہو گیا اور جس نے اس طرف توجہ نہ کی وہ اپنی اسی لاعلمی کے عالم میں پڑا رہا اور اگر زیادہ جسارت پر اترا تو ان کا مضحکہ بھی اڑانے لگا۔

فائدہ:

اس موقعہ پر یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ بعض باتیں عوام کی محض خوش عقیدگی کی بناء پر بھی مشہور ہو جاتی ہیں، مگر خود ان کے مشاہدہ کرنے والوں میں ان کی کوئی شہرت ثابت نہیں ہوتی تو اس قسم کی شہرت اور تواتر ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا، بالخصوص جب کہ اس کے برعکس تواتر ثابت ہو مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کے علاوہ کوئی اور حج بھی کیا تھا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ آپ کے مشاہدہ

کرنے والوں میں ایک شخص بھی اس کا راوی نہیں ملتا، دوم جو اس فن کے ماہرین ہیں ان کے نزدیک اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے، اس قسم کی جتنی خبریں ہیں وہ جاہلوں کے نزدیک اگرچہ کتنی بھی مشہور ہوں مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔

تواتر معنوی:

تواتر کی تیسری قسم تواتر معنوی ہے، یعنی اگر واقعات پر علیحدہ علیحدہ نظر کی جائے تو ان کو تواتر کا رتبہ حاصل نہ ہو لیکن کسی ایک مشترک بات پر یہ سب واقعات متفق ہوں، جیسا خالد بن ولیدؓ اور عنترہ کی ''شجاعت'' کی داستانیں یا حاتم و معن بن زائدہ کی ''سخاوت'' کی حکایات، یا امرء القیس، نابغہ اور غالب و ذوق و داغ کے ''اشعار'' یا عمر فاروقؓ اور نوشیرواں کا ''عدل و انصاف'' ان سب کے واقعات اگرچہ علیحدہ علیحدہ تواتر سے ثابت نہ ہوں، مگر ان کے مجموعہ پر نظر کرنے سے ان کی اپنی اپنی صفات میں باکمال ہونا اس درجہ متواتر ہے کہ آج عوام میں بھی یہ شخصیتیں ان صفات میں ضرب المثل ہیں اگر آپ یہاں اسنادی تواتر کا مطالبہ کریں تو اس کا ثبوت مشکل ہے۔

استفاضہ:

تواتر کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کوئی واقعہ کسی بڑے مجمع کے سامنے پیش آئے پھر وہ اس کو دوسروں کے سامنے بیان کرے اور اسی طرح ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے بیان کرتا چلا آئے جس میں کسی سازشی روایت کا احتمال بھی پیدا نہ ہو سکے اور کسی سے اس کا انکار بھی منقول نہ ہو تو اس کو بھی ''متواتر'' کہا جائے گا اور یہ بھی اس کی صحت و صداقت کا بدیہی ثبوت ہوگا، اس تواتر کا نام ''استفاضہ'' ہے، قرآن کریم اور شریعت مطہرہ کا ایک بڑا حصہ بطریق استفاضہ بھی ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور اس کے بعد عہد صحابہ میں قرآن کریم اور شریعت کا بڑا حصہ پڑھنے پڑھانے والوں کے اور عمل کرنے والوں کے سامنے آتا رہا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کی ''روایات'' اور ''عمل'' کو کسی انکار کے بغیر تسلیم کرتا رہا، پس یہ صورت بھی یقین کرنے کے لئے کافی ہے، یہاں بھی اگر آپ اس حصہ کی روایت

کیلئے علیحدہ علیحدہ شہادت طلب کریں تو اگرچہ وہ متواتر نہ ہوگی، لیکن طبقہ بہ طبقہ روایات کے لحاظ سے متواتر کہلائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس معجزات کا ثبوت تو اس درجہ متواتر ہے کہ اس میں مسلمان و کافر کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کافروں کی ایک اچھی مردم شماری ایسی ملتی ہے جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہی کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی، اگرچہ فہیم اور سمجھدار طبقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہوا، جیسا کہ بادشاہوں اور عمائد کفار کی تاریخ سے ثابت ہے لیکن جن طبیعتوں میں اس باریک بینی کی استعداد نہ تھی وہ پہلے صرف ان "خوارق" ہی سے متاثر ہوئیں اور اگر وہ اسلام میں داخل نہ ہوئیں تو کم از کم ان کی قائل ضرور ہوگئیں، آج بھی جو مخالفین اسلام منصف ہیں اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ رکھتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے "خوارق" کے قائل نظر آتے ہیں، اگرچہ ان معجزات کے اس وقت سامنے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور ان کو اپنے دائرہ فہم میں لانے کی سعی کر رہے ہوں۔

اب رہ گئے آپ کے خاص خاص معجزات تو ان میں بھی ایک بڑا حصہ وہ ہے جو تواتر کے ان چاروں طریقوں سے ثابت ہے اور ان میں سے ایسے ایسا معجزہ تو بہت ہی کم ہے جس کو شہرت کا کوئی نہ کوئی درجہ حاصل نہ ہو۔

اس کے بالمقابل جب آپ دوسری قوموں کے نقل کردہ "عجائبات" بلکہ اہل کتاب کے اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے "معجزات" کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے موازنہ فرمائیں گے تو بشرط انصاف آپ کو یہ روز روشن کی طرح ثابت ہوجائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہر اعتبار سے اور ہر میزان میں ان سب سے زیادہ درخشاں اور وزنی ہیں، ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ دنیا کے ملوک و سلاطین کے واقعات کا یقین جن جن طریقوں سے حاصل ہوا ہے آپ کے معجزات کا ثبوت ان سب سے زیادہ محکم اور واضح طریقوں سے موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ ان پر غور و خوض کی نظر ہی نہ ڈالی جائے۔ (دیکھو الجواب الصحیح [illegible])

معجزات کی تعداد

ذات نبوی سرتاپا معجزہ ہی معجزہ تھی:

حق یہ ہے کہ چشم بینا کے لئے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات از سرتاپا "آیت نبوت" اور معجزہ ہی معجزہ تھی۔ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ عوام کی نظریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف چند غیر معمولی واقعات ہی کا نام "معجزہ" رکھنا چاہتی ہیں بے شبہ آپ کے علمی کمالات و اخلاق اور آپ کے دیگر ممتاز خصائل و شمائل کے مقابلے میں دوسرے قسم کے معجزات وہ نسبت بھی نہیں رکھتے جو ایک قطرہ دریا کے سامنے رکھتا ہے۔ مگر جب اس قطرہ کو علیحدہ اٹھا کر دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے۔ سچ کہا ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے کہ "اللہ تعالیٰ نے جس طرح عالم میں اپنی ربوبیت کی معرفت کیلئے فرش سے لیکر عرش تک آیات ونشانیاں پھیلائی ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے لئے بھی آیات نبوت عالم کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دی ہیں جن کو اگر کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا" (دیکھو الجواب الصحیح ص ۱۴۸ ج ۴)

بیشک جس عہد میمون کے عام برکات یہ ہوں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ہو کہ "ہم کھانا کھاتے تھے اور اپنے کھانے کی تسبیح کی آواز اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے" اس زمانے کے معجزات اور آیات کا بھلا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی مثال ٹھیک ایسی سمجھئے جیسی سمندر کی متلاطم موجوں کی کہ ان کا اندازہ وہ شخص نہیں لگا سکتا جو خود ان موجوں میں پڑا کھیل رہا ہو ان کا اندازہ وہ شخص لگا سکتا ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر دور سے ان کا تماشہ دیکھے، اسی طرح صحابہ کرامؓ کا حال تھا وہ جس عہد مبارک میں تھے، اس میں آیات و معجزات کا بحر ذخار موجیں مار رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک جو ان تمام معجزات و برکات کا سرچشمہ تھی، وہ خود ہمہ وقت ان کے مشاہدہ میں جلوہ گر تھی ان حالات میں ان کی توجہ کی دوسری طرف کیسے منعطف ہو سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ معجزات کا

بہت بڑا حصہ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، عبادات، اور اشراط ساعت وغیرہ کے ابواب میں ضمنی طور پر ذکر میں آ جاتا ہے اس کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ وہ بھی ہے جو کسی معمولی واقعہ کے ضمن میں اتفاقی طور پر کسی کی زبان پر آ گیا ہے جیسا دو صحابیوں کا آپ کی مبارک محفل سے ایک تاریک شب میں نکلنا اور راستہ میں ان کے عصا کا روشن ہو کر ان کے لئے مشعل راہ بن جانا، یا اور تسبیح طعام جیسے واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں، پھر تسبیح طعام کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ کا بیان صرف ایک اپنے گھر کا نہیں ہے، بلکہ اس انداز میں ہے گویا اس وقت یہ ایک عام بات تھی، اس کے باوجود ان واقعات کا اور اس قسم کے دوسرے واقعات کا کوئی چرچا صحابہ کے درمیان عام طور پر آپ کو نہیں ملے گا، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے ثبوت اور معجزہ ہونے میں کوئی ضعف تھا، بلکہ اصل بات یہی تھی کہ اس وقت ان کی تمام تر توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ کے لائے ہوئے دین کے جمع کرنے کی طرف رہا کرتی تھی، اس لئے ان کی حیات میں معجزات کا موضوع ایک مستقل موضوع بنتا تو کیسے بنتا، یوں بھی دنیا کا طریقہ ہے کہ دنیا کی کسی عظیم شخصیت کے فضائل و کمالات کا باب ہمیشہ اس کی وفات کے بعد ہی مرتب ہوا کرتا ہے۔ پھر یہاں ایک بڑا حصہ تو وہ ہے جو جرح و تعدیل کی زد میں آ کر ساقط ہو چکا ہے اور بقیہ ایک حصہ وہ بھی ہوگا جو ہم تک پہنچ ہی نہیں سکا اس کا اندازہ ہی کیا لگایا جا سکتا ہے، ان حالات میں جو معجزات قید روایت میں آ چکے ہیں ان کو ایک بحر بیکراں کے چند قطرات ہی کہنا چاہئے۔

معجزات کی تعداد ۳۰۰۰ ہے:

اب وہ نشانیاں اور آیات دیکھئے جو قید و ضبط میں حد ثبوت کو پہنچ چکی ہیں تو ان کی تعداد حافظ ابن حجرؒ نے ایک ہزار سے تین ہزار تک لکھی ہے (فتح الباری ص ۴۲۷ ج ۶)

یہ تعداد دیکھنا اتنی بڑی تو نہ تھی کہ اس کی "نسبت" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم القدر رسول کی طرف "مبالغہ آمیز" سمجھی جاتی اگر ایک ہزار کا عدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت ہی پر پھیلا جائے تو ہفتہ میں صرف ایک معجزہ اور اگر پوری عمر پر پھیلایا جائے تو ایک ماہ میں تقریباً ایک معجزہ کا اوسط آتا ہے اور اگر اس میں آپ کی ولادت سے قبل کے

عجائبات بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ اوسط بھی مشکل سے آئیگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ذوق نہ رکھنے والے اصحاب پر یہ عدد بھی گراں ہے وہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں صرف آپ کے "اخلاق وشمائل" ہی کا ایک باب نظر آئے اور دوسرے عجائبات جو ہر نبی کی زندگی میں ثابت ہوتے ہیں وہ یہاں سے قلم زد کر دیئے جائیں ورنہ کم از کم ان کو پھیکا ضرور کر دیا جائے۔ انا للہ۔

درحقیقت "اصحاب دلائل" نے آپ کے معجزات کی یہ تعداد صرف تکثیر معجزات کے شوق میں جمع نہیں کی بلکہ اس لئے جمع کی ہے کہ وہ حقیقتاً تھی ہی بہت، بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انہوں نے یہاں اس کے برعکس اور تقلیل کی سعی کی ہے، اگر وہ صرف عام شہرت پر اکتفا کر لیتے اور "اسانید" کی قید و بند اٹھا دیتے تو یہ باب آپ کو اس سے کئی حصے زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا، مگر افسوس ہے کہ آج مذکورہ بالا عدد بھی ہماری نظروں میں کھٹکتا ہے اور "خرق عادت" کا ہوا سر پر اس طرح سوار ہے کہ مستند سے مستند معجزات میں بھی ہمارا قلم کتر بیونت کی مقراض لگائے بغیر نہیں رکتا، ممکن ہے کہ کسی کے دماغ پر یہاں وزن اس کا بھی ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا عدد قرآن پاک میں صرف نو ہی بتایا گیا ہے، اس لئے ہمارے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا جو عدد لکھا ہے وہ صرف آپ کی "خوش عقیدگی" ہوگی حالانکہ سرے سے ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ مذکورہ بالا عدد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے "مجموعہ معجزات" کا عدد ہے، بلکہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عدد صرف ان خاص معجزات کا ہے جو خاص طور پر ان کو عطا ہوئے تھے، اس کے علاوہ جو دیگر معجزات ان سے ظاہر ہوئے ہیں، ان میں تمام کا عدد نہیں ہے، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ جو خاص طور پر آپ کو مرحمت ہوا وہ صرف ایک قرآن پاک ہے اور اسی لئے صحیح بخاری کی حدیث میں آپ نے اسی ایک معجزہ کو ذکر فرمایا ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے عدد سے "گھبرانے" سے قبل اگر یہاں محدثین کی "اصطلاح" کا تھوڑا سا لحاظ کر لیا جائے تو شاید اس گھبراہٹ میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے، اصل اصطلاح کے لحاظ سے معجزہ صرف ان خارق عادت امور کا نام ہے جو کسی نبی و

رسول کے ہاتھ پر اس کے دعوئے نبوت کی تصدیق کیلئے ظاہر ہوں، جو خوارق اس کے دعوئے نبوت سے قبل ظاہر ہوں، اصل اصطلاح میں وہ معجزہ نہیں "ارہاص" کہلاتے ہیں، اس کے بعد پھر آپ کے دیگر عام فضائل و کمالات پر بھی معجزہ کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور ان علمی "توسعات" کی بنا پر معجزات کا باب اور زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے یہ تمام "توسعات" کتب دلائل کے ادنیٰ ملاحظہ سے واضح ہو سکتے ہیں، بلکہ اس کے بعد بہت سے وہ اعتراضات جو صرف اس نکتہ کے فروگذاشت کرنے سے پیدا ہو گئے ہیں رفع ہو جاتے ہیں، مثلاً آپ کے فضائل کے بہت سے وہ واقعات جو معجزہ کے صرف اپنے دماغی معیار پر نہ اترنے سے پیدا ہو گئے ہیں اور اس لئے ان کو دنیوی معمولی واقعات کی فہرست میں داخل کر دیا گیا ہے وہ سب رفع ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہاں جو مذکورہ بالا "توسع" حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے، اگر اس کا بھی لحاظ کر لیا جائے تو پھر معجزات کا نقشہ کچھ اور ہی بدل جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ تکثیر معجزات کے شوق میں صرف "متساہل مزاج" محدثین مبتلا نہیں ہیں، بلکہ "متشدد" سے متشدد مزاج بھی اس میں گرفتار ہیں، حافظ موصوف لکھتے ہیں:۔

آیات نبوت کا ظہور صرف رسول کی زندگی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے چہ جائے کہ اس کے دعوئے نبوت کے ساتھ خاص ہو یا "تحدی" اور مقابلے کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ بعض علمائے کلام کا گمان ہے، بلکہ آیات نبوت اس کی زندگی میں، بلکہ اس کی ولادت سے قبل اور وفات کے بعد بھی ظاہر ہوتی ہیں (الجواب الصحیح ص ۲۳۹ ج ۴)

دوسری جگہ اور وسعت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشاں علامات صداقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعثت کے دوران میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی، بلکہ وفات کے بعد قیامت تک جاری ہیں۔ (الجواب الصحیح ج ۲ ص ۲۰۲)

اب اندازہ فرمالیجئے کہ اگر آیات نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معجزات بھی شمار کر لئے جائیں جو تا قیامت ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہیں گے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا عدد کیا ہوگا، عجیب بات ہے کہ یہاں شق صدر کو معجزات کی فہرست میں

شمار کرنے سے کسی کا قلم بھی نہیں رکا، حالانکہ یہ واقعات ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں بھی پیش آیا تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کو سب ہی نے معجزانہ ولادت میں شمار کیا ہے، حالانکہ وہ بھی ولادت سے قبل کا واقعہ ہے، پھر اگر یہ کوئی معجزہ ہے تو حق جل شانہ کی قدرت کا معجز نما نمونہ ہے، یہاں ضرورت کیا تھی کہ اس کی تاویلات پر خامہ فرسائی کی جاتی؟ جس خدا نے کسی تاویل کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کو دونوں صنفوں کے بغیر صرف حرف "کن" سے پیدا فرمادیا تھا، اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے پیدا فرمادیا، اس کے باوجود اس کو ان عام معجزات کی فہرست میں شمار کرنا جو انبیاء علیہم السلام سے بظاہر خود صادر ہوئے ہیں کیا یہ اسی توسع پر مبنی نہیں جو حافظ موصوف نے سطور بالا میں تحریر فرمایا ہے؟

اسی طرح آپ کے مختون پیدائش کا شمار بھی ایک نادر خصوصیت کے ذیل میں آ گیا ہے، بشرطیکہ یہ ثابت کردیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی ایسی ولادتیں ہوتی رہی ہیں، رہی آپ کے بعد مختون ولادت تو بعد کے دور میں اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر آج بھی ایسے مولود کا لقب عام و خاص عرف میں "رسولیہ ولادت" مشہور ہے، اس ولادت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر قیاس کرنے کی گنجائش ہے، علماء نے لکھا ہے کہ آپ سے قبل عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام کسی نے نہیں رکھا تھا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ قریب آتا گیا تو چند لوگوں نے اس تمنا میں کہ اس نام کا مبارک اور اولوالعزم مولود ہمارے گھر میں پیدا ہو، اپنے بچوں کا یہ نام رکھنا شروع کردیا تھا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق دنیا میں سب سے پہلا نام ہونے کی شہادت تک خود قرآن پاک نے دی ہے۔ لم نجعل له من قبل سميا۔

اس قسم کے معجزات میں قلم کی شدت دکھانے سے کسی خاص حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا اور اگر اس کو عشق نبوت کا اثر بھی کہا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے اس کو عیب بھی نہیں سمجھا جاسکتا، اگر جابر بن سمرۃؓ صحابی نے (عشق نبوی میں ڈوب کر) حسب روایت ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین کہہ دیا تو کسی نے ان

کی تہذیب نہیں کی بلکہ لاکھوں نہیں بے شمار قلوب کو ان پر "غبطہ" ہے کہ کاش عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تڑپ کا کوئی ذرہ ان کو بھی نصیب ہو جاتا، عالم میں محبت اور حقیقت کے بازار گو الگ الگ ہیں مگر کوئی میدان ایسا بھی ہے جہاں یہ دونوں دریا ایک جگہ جا کر مل جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ہی حقیقت کا گوہر ہاتھ لگتا ہے، اور جو اس حقیقت کا پیاسا ہو اس کو محبت کی موجوں میں کھیلنا ہی پڑتا ہے، ومن لم یذق لم یدر۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی

حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت اس کے درپے ہوئی ہے کہ جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں، تلاش کر کے ان کا صحیح عدد لکھے تو انہوں نے ان کی تعداد دس ہزار سے متجاوز بیان کی ہے، جیسا کہ آپ کے خط میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

یہ بیان ایک "متبحر عالم، حافظ حدیث" کا ہے جس پر غلط جذبہ محبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ بھی ایک کتاب میں جو "مولود خوانوں" کی صرف گرمیٔ محفل کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ منکرین کی تردید کے لئے تالیف کی گئی تھی، اب اگر ان جیسے حضرات بھی کسی خوش فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں تو ہم کو بھی اس کا شکار ہونا چاہئے، بقول مرشدیؒ:

ان کان رفضا حب آل محمد فلیشهد الثقلان انی رافضی

معجزات کی تعداد سے گھبرانے والوں کی غلط فہمیاں:

یہاں یہ تنبیہ کر دینی بھی ضروری ہے کہ معجزات کی تعداد شمار پر حیرت کرنے والوں نے ایک طرف تو معجزات کا مفہوم ہی اپنے ذہنوں میں بہت محدود قرار دے لیا ہے، دوسری طرف "معجزہ" اخبار غیب" کو اس فہرست سے جدا کیا یا خارج سمجھ لیا ہے، مثلاً

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ "غیوب" میں تاریخ کے معلوم یا غیر معلوم واقعات کے سوا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا جیسے پیدائش عالم سے حالات، حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا واقعہ، ابلیس کی عداوت اور شجر ممنوعہ کے کھانے کے سبب وسوسہ اندازی اور اس میں کامیابی، حضرت

آدم علیہ السلام کا زمین پر نازل ہونا، نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دینا اور ان کی بد دعا سے خارق عادت پانی کے طوفان سے ان کی قوم کا تباہ ہو جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کا واقعہ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا مفصل تذکرہ پھر فرشتوں کا مہمان کی صورت میں ان کے پاس آنا اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی ان کو بشارت دینا، پھر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور مصر میں ان کی "امارت" اس کے بعد "حکومت" کی مفصل سرگذشت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ معرکہ آرائیاں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی مناجات اور سرگوشیاں اور ان کے معجزات عصا، ید بیضاء، مینڈک، جوں، خون کا عذاب، دریائے نیل کا دو ٹکڑے ہو جانا فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا صحیح وسالم پار لگ جانا، بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ فگن رہنا اور ان کے لئے "من وسلویٰ" کا نازل ہونا، ان کے پانی کے انتظام کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک پتھر پر اپنا عصا مارنا اور اس سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا، بنی اسرائیل کا گوسالہ پرستی کرنا اور ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے بعض کا بعض کو قتل کرنا، ایک قاتل کی سراغ رسانی کے لئے گائے کے ذبح کا حکم ملنا اور اس کے گوشت کا میت کی لاش کے ساتھ لگا دینا اور قاتل کا سراغ لگ جانا، ایک بڑی جماعت کا موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑنا اور سب پر موت واقع ہو جانا اور پھر ان کا جی اٹھنا، ایک شخص پر سو سال تک موت کا طاری رہنا پھر اس کا زندہ ہونا، حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے فرزند یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور اس کے سوا بنی اسرائیل کے دوسرے واقعات وحالات کا مفصل تذکرہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات اور اپنی قوم کے لئے ان کا دعا کرنا، ان کا "بجسدہ العنصری" زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور آخر زمانہ میں نازل ہونا اور ان کی حیات طیبہ کے دوسرے مفصل حالات، اس کے علاوہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور دوسرے صالحین اور نیک لوگوں کے تذکرے وغیرہ وغیرہ پھر ان سب کا ایسے ماحول میں بیان کرنا، جہاں ان واقعات کا عالم کوئی نہ تھا، خود "امی" تھے اور

ساری قوم بھی امی تھی، مزید براں یہ کہ سب جانی دشمن، اس لئے اگر خفیہ طور پر ان معلومات کو حاصل فرماتے تو اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہ راز مخفی رہ سکتا، چنانچہ قرآن کریم نے متعدد سورتوں میں اسی معقول بات کی طرف توجہ دلائی ہے، سورۂ یوسف کے آخر میں اشارہ ہے:

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک و ما کنت لدیھم اذا جمعوا امرھم و ھم یمکرون.

یہ بعض غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے، جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کیا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔

سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیلات بیان فرما کر ارشاد ہوا:

تلک من انبآء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا فاصبر ان العاقبۃ للمتقین۔

یہ قصہ من جملہ اخبار غیب کے ہے، جس کو ہم وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں، اس کو اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم، سو صبر کیجئے یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سرگذشت کا ذکر فرما کر ارشاد ہے:

ذلک من انبآء الغیب نوحیہ الیک و ما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون .

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جن کی وحی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے، جب وہ اپنے قلم ڈالنے لگے کہ کون مریم علیہا السلام کی کفالت کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت سے سرفرازی کا واقعہ ذکر فرما کر ارشاد ہوا:

وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسیٰ الامر وما کنت من الشاھدین۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغربی جانب میں موجود نہ تھے، جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آیات بالا کے نزول کے بعد تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ "آیات بالا کے سننے کے بعد کسی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ ہم ان واقعات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جانتے چلے آئے ہیں" یا فلاں شخص نے آپ کو ان کی تعلیم دی ہے" ظاہر ہے کہ اس قسم کے خفیہ راز مدت دراز تک پوشیدہ نہیں رہا کرتے اور بالفرض اگر وہ عام لوگوں پر پوشیدہ رہیں بھی تو آپ کے خاص اصحاب سے تو اس راز کا پوشیدہ رہنا ناممکن تھا، لیکن یہاں تو جو جتنا زیادہ خاص تھا وہ آپ کی تصدیق میں اتنا ہی زیادہ پیش پیش تھا، بھلا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اگر العیاذ باللہ وہ آپ کو کاذب جانتے تو وہ آپ کی خاطر اپنا دین ترک کر دیتے، اہل وطن اور قوم کے طعنے سہتے اور اپنی ساری عیش و عشرت کو خاک میں ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدا کاروں میں داخل ہو جاتے، بیشک کسی کسی نے آپ پر دوسروں سے تعلیم حاصل کرنے کی تہمت لگائی ہے مگر اس کی حیثیت صرف ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ پر مجنون و ساحر کے افترا کی ہے، قرآن کریم نے ان سب کی مفصل تردید کر دی ہے۔

(۲) وہ معجزات جو اشراط ساعت کی خبروں کے متعلق ہیں، ان میں علی الخصوص امام مہدی کے ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال اکبر کے مفصل حالات، ان میں سے ہر ایک واقعہ بیسیوں پیشگوئیوں پر مشتمل ہے، اور ان میں سے امام مہدی کی حدیثوں کے علاوہ اکثر صحیحین میں موجود ہیں، اور امام مہدی کی حدیثیں بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

(۳) وہ پیشگوئیاں جو "عالم غائبات" سے متعلق ہیں، مثلاً جنت دوزخ، حشر و نشر اور حساب و کتاب وغیرہ، اسی طرح وہ تمام غائبات جو "عالم برزخ" سے متعلق ہیں وہ سب غیوب ہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے، اور کم از کم ایک مسلمان کے لئے تو واجب التسلیم ہیں اور پہلے دو نمبر تو ایسے ہیں جو ساری دنیا کے لئے بھی معجزہ ہیں اہل کتاب نے آ کر بھی کچھ سوالات ایسے کئے ہیں جن کا تعلق قصص ماضیہ سے اور بعض بعض کا "حشر و نشر" کی کیفیات سے تھا اور ان کا جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے ہیں اور بعض اسلام بھی قبول کر چکے ہیں۔

(۴) معراج کا ایک واقعہ ہی خود بہت سے معجزات پر مشتمل ہے، جیسا کہ اصحاب سیر پر مخفی نہیں ہے، لیکن اس کو بھی بمشکل ایک معجزہ تسلیم کیا گیا ہے، کاش کہ اس کی تفصیلات کو پھیلایا جاتا اور بتایا جاتا کہ یہ ایک معجزہ ہی کتنے کتنے عظیم معجزات پر مشتمل تھا، یہ تو وہ معجزات ہیں جن میں سے اکثر کو اصولاً نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان میں سے نمبر اول کے معجزات تو تمام قرآن کریم کے بیان کردہ ہیں، عام محدثین نے ان ابواب کے لئے علیحدہ علیحدہ عنوانات بھی قائم کر دیے ہیں، پھر جب خاص خاص موضوعات پر تصانیف کا دور آیا تو بہت سے محدثین نے معجزت کا باب اپنے اپنے مذاق کے مطابق مستقل طور پر بھی قائم کیا ہے، کتب ستہ کا اہم موضوع چونکہ ابواب احکام تھے، اس لئے ان میں اس موضوع کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جیسے شخص نے "علامات نبوت" کا باب رکھا ہے، مگر اس میں صرف چند ایک معجزات ہی کے ذکر کرنے پر کفایت کر لی ہے، حالانکہ ان ہی کی کتاب میں بیسیوں معجزات اور موجود ہیں جو دوسرے ابواب کے ضمن میں پھیلے پڑے ہیں، لہذا کتب ستہ میں بہت سے صحیح معجزات کا تذکرہ نہ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ ان کے نزدیک ثابت شدہ نہیں ہیں، بڑی غلط فہمی ہے، ان کے علاوہ بہت سے جزئی معجزات اور بھی ہیں جن کی طرف نظریں نہیں گئیں، یا ان کو مصلحتاً نظر انداز کر دیا ہے، ہم نے ان سب کو نمونۂ معجزات میں ذکر کیا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ سب خارق عادت اور معجزات کی تعریف میں داخل ہیں، اب سوچئے کہ اگر اس سارے ذخیرہ کو بھی آپ کے "اخبار غیب" کے معجزات میں شمار کر لیا جائے تو پھر معجزات کی تعداد میں کتنا عظیم الشان اضافہ اور ہو جائے گا، ہم ہرگز اس کے درپے نہیں ہیں، کہ آپ کے معجزات کی فہرست خواہ مخواہ بڑھا دیں، صرف شکوہ ان کا ہے جنہوں نے آپ کے معجزات کے استقصاء کا دعویٰ کر کے پھر چند اوراق میں ان کو محصور کرنے کی خواہ مخواہ سعی کی ہے۔

معجزات کو کم کر کے دکھلانے کی کوشش

ناقابل تحسین کوشش:

اس میں شبہ نہیں کہ موضوع روایات ملا ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی کثرت کا دعویٰ کرنا کوئی مستحسن عمل نہیں، بلکہ "مستند معجزات" کو مشتبہ بنا دینے کے مرادف ہے، لیکن مستند معجزات کو گرا کر تقلیل معجزات کی سعی کرنی بھی کوئی محبوب عمل نہیں ہے، بلکہ یہ بھی صحیح معجزات کو مشتبہ بنانے کا ایک نیا طریقہ ہے، یہاں پوری علمی جرأت کے ساتھ پوری "احتیاط" غیرت بھی درکار ہے، یہ کتنا مسدود ظن ہے کہ تقلیل معجزات کی بنیاد زیادہ تر اس پر قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی حقیقت کو مشکوک کر دیا جائے حتیٰ کہ معجزہ کا اتفاقی ہونا تسلیم کرا لیا دیا جائے کہ "علمی ترقی کے بعد کسی زمانے میں چل کر مادی قوانین کے تحت ہر معجزہ کی توجیہ کرنی بھی ممکن ہے" پھر کسی معجزہ کی ثبوتی صورت کی "تقلیل" کر کے یہ کوشش کی جائے کہ قدرت کے ان قاہرانہ نشانات میں کوئی ایک بھی ایسا نہ بچ سکے جو دنیا کے روز مرہ کے حوادث کی صف میں شامل نہ کیا جا سکے یا کم از کم ان کی قریبی صف میں جگہ نہ پا سکے اور اس طرح قدرت کے ان جلوہ ہائے قاہرانہ مظاہر کو بھی روز مرہ کی مادی قوانین کے تحت داخل کر دیا جائے اور معجزات کی تمییز حقیقت صرف نام کا ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے اس کے بعد معجزات کی معنوی قسم پر اتنا زور صرف کر دیا جائے کہ حسی معجزات کا نام صرف ظاہری اور سطحی رکھ کر نہ صرف ان کی نظروں میں بھی ان کو گرا دیا جائے بلکہ یہاں تک بھی لکھ مارا جائے کہ "قرآن کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی

نہیں ہے" پھران ناقص بحثوں کو اس انداز میں پھیلایا جائے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جو حصہ کہ "حسی معجزات" کا ہے اگر چہ وہ مستند ہو مگر اس کی وقعت نظروں سے خود بخود گر جائے، اس کے بعد ان کا کچھ حصہ تو اسنادی بحثوں کی لپیٹ میں لے لیا جائے اور جو حصہ بچا کھچا رہ جائے اس کو بڑی آسانی سے من مانی تاویلات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

طریقۂ واردات:

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کو اور ضابطہ شکل دینے کے لئے طرح طرح کی صورتیں اختیار کی جائیں، مثلاً:-

(۱) معجزات کی صحت کے لئے وہ معیار مقرر کرنا جو صحیحین کی حدیثوں کا ہے اور جو اس معیار پر ثابت نہ ہوں ان میں سے اکثر پر جمہور محدثین کے خلاف غیر معتبر ہونے کا حکم لگا دینا۔

(۲) علمائے رجال میں سے صرف ان کی رائے کو ترجیح دینا جنہوں نے اس کے راوی پر جرح کی ہے اور دوسروں کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا۔

(۳) معجزات کی روایات میں سے صرف اسی ایک پہلو کو نمایاں کرنا جس میں اعجاز کی کوئی بات نظر نہ آئے اور اس کے دوسرے پہلو کو جس میں کھلا ہوا اعجاز موجود ہو نظر انداز کر دینا۔

(۴) ایک ہی نوع کا معجزہ اگر متعدد روایات میں مذکور ہو تو کسی دلیل کے بغیر ان سب کو ایک ہی واقعہ قرار دینا حالانکہ جب ایک نوع کے متعدد افراد بھی مسلمہ طور پر ثابت ہیں تو کسی دلیل کے بغیر دوسرے مقامات میں جزم کے ساتھ یہ حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ" یہ معجزہ آپ سے متعدد بار ظہور پذیر نہیں ہوا" یہی وجہ ہے کہ جب تک اس کا ثبوت نہیں ملتا، حافظ ابن حجرؒ جیسے شخص ایک ہی نوع کے چند معجزات پر یہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ سب واقعات درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں، لیکن جو لوگ تقلیل معجزات کے درپے ہیں وہ اس حافظ الدنیا کے متعلق بھی اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں:-

"چار موقعوں کو (یعنی شق صدر کے) حافظ ابن حجرؒ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق وتطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے، لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے، پھر دوبارہ پاکی وطہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا"۔

لیکن اگر شق صدر روایات سے متعدد بار ثابت ہوتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صرف عقلی بات اسی وقت دل میں کھٹک سکتی ہے جبکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے عام "قانون تدریج" سے قطع نظر کرلی جائے، یوں کھٹکنے والوں کے دلوں میں تو یہ بات اس سے پہلے کھٹکے گی کہ جب یہ ممکن تھا کہ آلودگی کا یہ حصہ جو شق صدر کے بعد آپ کے صدر مبارک سے علیحدہ کیا گیا اگر وہ شروع سے پیدا ہی نہ کیا جاتا تو پھر اس شق صدر کی ایک بار بھی ضرورت کیا تھی۔

غالبًا کچھ اسی ذوق یکتائی کی بناء پر یہاں شق صدر کو بھی صرف ایک ہی بار تسلیم کیا گیا ہے، حالانکہ دوسرا واقعہ آپ کی طفولیت کا صحیح مسلم سے ثابت ہے، مگر جب کسی بات کا انکار کرنا ہی ٹھہر گیا ہو تو پھر اس کے لئے راستہ نکال لینا بھی کیا مشکل ہے۔ حیرت ہے کہ یہاں شق صدر کے اس واقعہ کا بھی انکار کردیا گیا ہے جس کو جمہور محدثین نے صحیح مسلم وغیرہ کی بنیاد پر تسلیم کرلیا ہے، اور جس میں بعض محدثین سے کچھ تردد منقول ہے، اسی کو ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، یعنی اگر معراج کے واقعہ کو ان بعض محدثین کے تردد کی وجہ سے مشکوک سمجھ لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت کا واقعہ بھی صحیح مسلم سے ثابت ہے، آپ کی تحقیقات کی بناء پر مشکوک سمجھ لیا جائے تو پھر شق صدر کا ایک واقعہ بھی باقی نہیں رہتا، جو بلا تردد متفقہ طور پر قابل تسلیم ہوسکے اور اس طرح آپ کا یہ ظاہری باہر معجزہ ہی معدوم کردیا جائے۔

یہاں کچھ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی، بلکہ مزید براں شق صدر کو صرف ایک روحانی واقعہ بنانے کی بھی سعی کی گئی ہے، اس لئے اس کا عنوان "شق صدر" کی بجائے "شرح صدر" بدل دیا گیا ہے جس کا دوسرے لفظوں میں نام "علم لدنی" رکھ دیا گیا ہے، پھر اس علم لدنی کو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک انعام بتلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممتاز صفت سے انکار کی یہ آخری سعی بھی کرلی گئی ہے، اس کا نام "شق صدر" کی تحقیق نہیں بلکہ ایک ثابت شدہ حسی اور تاریخی واقعہ کی تحریف ہے، جیسا کہ تاویلات معجزات کی بحث میں اس کی تفصیل ابھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والی ہے۔

(۵) بعض معجزات کی چھانٹ چھانٹ کرکے وہی روایات نقل کرنا جو اس باب میں سب سے زیادہ "استنادی" لحاظ سے ساقط ہوں اور جن کو محدثین نے معتبر قرار دیا ہے ان کی طرف اشارہ تک نہ کرنا اور اس طرح گویا واقعہ کی اصلیت ہی کا انکار ذہن نشین کرانا۔

(۶) بعض محدثین نے کسی مضمون کو موضوع کہہ دیا ہے ایسے مقام پر صرف "وضع" کا حکم نقل کر دینا اور جن محدثین نے تلاش کر کے اس کو دوسری قابل اعتماد سند سے ثابت کیا ہے اس کا "اخفاء" کرنا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "فضلات" پر امام بیہقی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، حالانکہ دارقطنی کے "افراد" میں اس کی ایک قابل اعتبار اسناد بھی موجود تھی۔

(۷) فضائل و معجزات کے باب میں جمہور محدثین کے خلاف اعتبار وہ وہی معیار مقرر کرنا جو عقائد و احکام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہئے کہ اگر بالفرض کچھ "تسامح" کر کے آپ کے معجزات میں تکثیر کی سعی کرنی محدثین کا کوئی جرم ہے تو پھر بھی یہ جرم اتنا خطرناک جرم نہیں ہے، جتنا کے دلائل نبوت پر تنقید کی مقراض لگا کر اس میں تقلیل کی سعی کرنا خطرناک ہے، یہاں صرف ایک ہی جانب کو یہ سمجھ لینا کہ ہم نے کوئی احتیاط کا قدم اٹھایا ہے، یکطرفہ نظر ہے، حیرت ہے کہ "ابوطالب کی جاں نثاری کا دم بھرنے والے" دلائل نبوت کے باب میں اس قدر سرد کیوں نظر آتے ہیں۔

نامبارک کوشش کے نتائج و عواقب:

دنیا اور تاریخ دنیا کا یہ ایک بدیہی طریقہ ہے کہ جب وہ کسی غائب شخصیت کے جاہ و حشم کا سکہ قلوب پر جمانا چاہتی ہے تو وہ اس کے کارناموں اور صفات جمیلہ ہی کا ذکر کر کے جماتی ہے، اب اگر دیگر ادیان سماویہ کے متبعین کے سامنے "نبی امی" کا کوئی معظم اور موقر نقشہ لایا جا سکتا ہے تو وہ آپ کے یہی معجزات ہیں، لہٰذا یہاں ثابت شدہ معجزات کے حذف و تقلیل و تاویل کا نتیجہ یہ لازماً ممکن ہے کہ دیگر مذاہب کے متبعین کے سامنے آپ کی غیر معمولی شخصیت کہیں معمولی نظر نہ آنے لگے، ظاہر ہے کہ اس وقت خود آپ بنفس نفیس دنیا کے سامنے تشریف فرما نہیں ہیں، اب ایک طرف ہمارے سامنے یہود موجود ہیں اور دوسری طرف نصاریٰ جن کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خاتم الانبیاء ہونے کا گمان ہے اور جن کے معجزات کلام اللہ میں بصراحت موجود ہیں، اب اگر اس رسول امی کے معجزات کو بے وجہ زیادہ پھیکا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا جو انجام ہو نکل سکتا ہے اس کی طرف بھی ہماری نظریں کچھ نہ کچھ اٹھنی چاہئیں۔

تاویلِ معجزات

ولادت کے وقت کے معجزات میں تاویل:

انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے باب میں آ کر جس کا عنوان ہی معجزات ہو ان عجائبات کی کوئی تاویل بھی نہ کی جاتی جو کسی رسول کی سیرت میں ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ جب اس قسم کے بلند روحانی انسانوں میں اس قسم کے عجائبات ہونا مسلمات میں سے ہو تو اب اگر کہیں ان کا ادنیٰ سا ثبوت بھی ملتا ہے تو وہ کافی ہونا چاہیے، اسکو تحقیق سے تحت "سرہان" لگانا اور اس کو جھوٹ و افترا قرار دینے پر اتر آنا نہ یہ علم کی بات ہے، نہ عقل کی، پھر اگر ان کی تاویل کرنی ناگزیر ہی ہے تو کم از کم وہ ایسی تو ہونی چاہیے کہ سو فیصدی نہ سہی پچاس فیصدی تو ان الفاظ کا مصداق باقی رہ جائے، ان کی ایسی تاویلات کرنا کہ جس کے بعد ان الفاظ کا کوئی مصداق باقی نہ رہے اس کا نام "تاویل" نہیں، انکار بھی نہیں بلکہ "تحریف" ہے، مثلاً جن روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کچھ عجائبات کا ثبوت ملتا ہے جیسے حضرت آمنہ کا دیکھنا کہ ان سے ایک نور جدا ہوا یا مثلاً اس شب میں کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گر جانا یا آتشکدۂ فارس کا گل ہو جانا اس کے متعلق یہ تاویل کہ:

"اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا، بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی" ۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو اہم واقعات ہونے والے تھے، مثلاً بت پرستی کا استیصال، قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا فنا ہو جانا، ایران کی آتش پرستی

کا خاتمہ، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتشکدہ فارس بجھ کے رہ گیا وغیرہ۔

اب اس سے اندازہ فرمایئے کہ آپ کی ولادت کے کچھ عجائبات تو صرف شاعرانہ انداز کی نذر ہو گئے اور کچھ وہ تھے جو مستقبل میں ہونے والے تھے، تو فرمایئے کہ جن عجائبات کا ہر ممتاز شخصیت کی ولادت پر ثابت ہونا مسلمات میں سے رہا ہے، اس سرتاج عالم کی ولادت میں ان میں سے کونسا واقعہ تھا جو رونما ہوا؟ کیا بالفاظ دیگر اس کا حاصل صاف انکار کرنا ہی نہیں؟ یہاں طفل تسلی کے لئے یہ کہہ دینا کہ وہ واقعات یہاں بھی ضرور ظہور پذیر ہوئے ہوں گے، مگر ان کا ثبوت ہمارے پاس کچھ نہیں، یہ کتنا مضحکہ خیز ہے، مخالفین کے نزدیک اس کی حیثیت صرف ایک خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہے اور جب وہ میلاد خوانوں کی من گھڑت ہی ٹھہری تو پھر مسلمانوں کے لئے بھی ان میں جاذبیت کیا ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ اس قسم کی خلاف واقع باتوں سے اس عالم کے سردار کی ولادت کو ان تمام عجائبات سے خالی کر کے دکھایا جائے جو روحانی رہنما تو درکنار معمولی افراد کی ولادتوں پر مسلم طور پر ثابت ہوتے ہیں، پھر کیا کسی میں یہ ہمت ہے کہ وہ کسی کی سیرت میں ان عجائبات کا ثبوت اس سے زیادہ مستحکم طور پر پیش کر سکے، جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے موجود ہیں۔

''شق صدر'' میں تاویل:

یا مثلاً ''شق صدر'' یوں تو وہ متعدد مرتبہ ثابت ہے، لیکن دو مرتبہ صحیحین میں بھی مذکور ہے اور جمہور محدثین کا یہی مختار ہے، اس کے متعلق یہ تحریر کرنا:۔

''بعض محدثین اس کو ایک ہی واقعہ سمجھتے ہیں، یعنی وہ صغر سنی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت کی روایت کو اس کے صحیح مسلم میں موجود ہونے کے باوجود اپنی رائے سے مجروح قرار دے ڈالنا اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے شق صدر کے دو واقعات کو جو صحیحین سے ثابت ہیں پہلے تو ایک واقعہ قرار دیا جائے اور وہ بھی اس

طریق سے کہ معراج کے واقعہ کو تو بعض محدثین کے اختلاف سے کمزور بنا دیا جائے اور دور طفولیت کے واقعہ کو خود مجروح کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہاں جو ایک واقعہ بچ رہے وہ بھی زیر بحث آجانے کی وجہ سے مشکوک بن جائے اور اس کے بعد یہ لکھا جائے کہ:۔

"ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے......... رب اشرح لی صدری......... انبیاء علیہم السلام جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اسی کا نام "علم لدنی" ہے۔ جس کا ثبوت سب انبیاء علیہم السلام میں ملتا ہے۔" چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا۔"

اس مضمون کو اتنے پیچ دار طریقے سے پھیلایا گیا ہے کہ جس سے صحیح مفہوم اخذ ہونا ہی مشکل ہو جاتا ہے، مگر اس تمام رام کہانی سے جو نقش آخر میں ذہن میں قائم ہو کر رہ جاتا ہے وہ یہی ہے جو ان سطور میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

اب غور فرمایئے کہ اس تاویل کے سیدھا کرنے کے لئے پہلے کس طرح متعدد واقعات کو صرف ایک واقعہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی، پھر اس کو روحانی معاملہ ذہن نشین کرنے کے لئے یہ طرح ڈالی گئی ہے:۔

"صحیح مسلم کی اس روایت میں ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کس عمر میں بھی ہوا مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا............ یا ایسا ہی اس روایت میں حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو نظر آتے تھے......... علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا اس کی حالت

میں واقعہ کی یہ صورت کیوں کر تسلیم ہو سکتی ہے"۔

صحیح مسلم کی اس روایت سے ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں بھی شق صدر کا ثبوت ملتا ہے، دوسری طرف اس واقعہ کا جسمانی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، لیکن چونکہ مقصد اس کا انکار کرنا ہے اس لئے پہلے تو کسی دلیل کے بغیر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس واقعہ کا تعلق روحانی عالم سے تھا مگر یہاں ایک تو شق صدر کا لفظ ہی اسکے خلاف نظر آتا تھا، دوسرے حضرت انس کا اپنا عینی مشاہدہ اس کی تردید کے لئے کافی تھا، اس لئے حضرت انسؓ کے اس عینی مشاہدہ کو تو اس طرح رد کر دیا گیا کہ "اس واقعہ کو اور صحابہ نقل نہیں کرتے" حالانکہ جسم کا جو حصہ اکثر اوقات ملبوس رہتا ہے اور عام مجمع میں اس کے کھولنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے، اس کا مشاہدہ کرنے والا حضرت انسؓ جیسا طویل الصحبت کوئی بے تکلف خادم ہی ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اس وقت اس کے ہمہ وقت مشاہدہ میں نہ آنے کی وجہ سے اگر اس کے بیان کا عام اہتمام نہ ہوا تو کیا اس شخص کے عینی مشاہدہ کا انکار کر دینا معقول ہوگا، جو دس سال کی خدمت میں اپنا بار ہا کا مشاہدہ بیان کرتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کا یہ مشاہدہ صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، اس کا حاصل بھی وہی "معتزلہ کی تائید" نکلتی ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لئے اس کا متعدد طریقوں سے مروی ہونا بھی لازم ہے" پھر اس بناء پر آپ کی جو جو صفات صرف ایک صحابیؓ سے ثابت ہیں ان سب ہی کا انکار کرنا لازم ہوگا، اس مقام پر یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اگر یہاں حضرت انسؓ کے مساعد کوئی شہادت نہیں ہے تو کیا ان کے اس صریح اور واضح بیان کے مخالف کوئی شہادت اس کی تردید یا تشکیک کی موجود ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو فرمائیے کہ یہاں ایک عینی مشاہدہ کی تکذیب کی ہمت پھر کیسے کی جائے؟

اب رہا شق صدر کا لفظ تو اس کے روحانی معاملہ بنانے کے لئے یہ بنیاد قائم کی گئی، ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، حالانکہ صحیح حدیثوں میں شق کا لفظ ہی موجود ہے، اور پھر شرح صدر کا لفظ بہت آسانی کے ساتھ علم لدنی پر حمل کر کے اس کا نکتہ بھی تراش لیا گیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور طفولیت میں شق صدر تو صحت ہی کو نہ پہنچا اور جو شب معراج میں پیش آیا وہ ایک روحانی انعام ٹھہرا، اب انصاف فرمائیے کہ اگر ساری شریعت پر غور کرنے کا

ڈھنگ بھی پڑ جائے تو دین کی صورت کیا سے کیا بن جائے گی؟ پھر اس تاویل میں حضرت شاہ ولی اللہ کو زبردستی اپنا شریک ٹھہرا لینا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے جیسا کہ یہ لکھتا کہ:

"علمائے ظاہر تیں اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے حقیقت ہیں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملک کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے (ج ۲ص ۲۰۵)

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

لیکن اس کو کیا کہئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اسی حجۃ اللہ کے معجزات کے باب میں آپ کے صدر مبارک میں ٹانکوں کے نشانات کا نظر آنا خود ہی بصراحت بیان کرتے ہیں، پھر اسی کتاب میں ان کے نزدیک معراج اور معراج کے تمام واقعات کا آپ کے جسم پر پیش آنا صاف صاف الفاظ میں موجود ہے:

آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے بعد جہاں تک خدا نے چاہا اور یہ تمام سیر آپ کے جسم مبارک کے لئے تھی اور بیداری کی حالت میں تھی، لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔

عجیب بات ہے کہ تاویل کرنے والے حضرات شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت خود معراج کے باب میں لکھتے ہیں تو وہاں اس کو اس طرح نقل کرتے ہیں، گویا وہ خود اس کے قائل نہیں ہیں:

''ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم وروح کے یہ گونا گوں احوال ومناظر خود ان ہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالح کا عقیدہ رکھتے ہیں''۔

لیکن جب وہی شق صدر کے باب میں تفصیلی بحث کرنے پر آتے ہیں تو بقول خود حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہم خیال بن کر ''علماء محدثین'' کی نظروں کو سطحی قرار دیتے ہیں، جیسا کہ پہلی عبارت سے ظاہر ہے۔

ہم یہاں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال بھی ٹھیک وہی ہے جو سلف صالحین کا خیال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بلند پایہ محدث ہو کر حدیثی باب میں وہ سلف سے علیحدہ ہو سکتے جب وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ سب واقعات آپ کے جسم اور بیداری کے ہیں تو اب صرف چند اصطلاحات کی بناء پر ان کو سلف سے علیحدہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے، عالم مثال کے باب میں شاہ صاحب یہ تصریح بھی فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اس قسم کی باتوں کے متعلق یہ خیال رکھے کہ یہ سب باتیں صرف بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں، جن سے مقصود کچھ اور ہے اور وہ صرف اسی احتمال پر بس کرے، میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا''۔

ان تصریحات کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور سلف صالح میں سرمو بھی کوئی فرق نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ صوفیائے کرام اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بہت سے ظاہری واقعات کی بھی اسی طرح تعبیر ہوتی ہیں جیسا کہ عام لوگوں کے نزدیک عالم خواب کی مرئیات کی، اس حقیقت کو انہوں نے بہت جگہ استعمال کیا ہے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں کی مینڈھ پر اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، صدیق اکبرؓ اور ان کے بعد عمر فاروقؓ آئے تو آپ نے ان دونوں کو اپنے برابر بٹھا لیا، اس کے بعد عثمان غنیؓ آئے تو ادھر جگہ نہ تھی، وہ سامنے آ کر دوسری طرف

بیٹھ گئے، ظاہر ہے یہ واقعہ بالکل بیداری کا اور جسمانی واقعہ تھا جس کی تفصیلات روایات میں موجود ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بیٹھنے کی اس اتفاقی صورت کے لئے بھی عالم تقدیر میں ایک تعبیر تھی اور وہ ان اصحاب کے آئندہ قبور کی صورت تھی، یعنی شیخین کی قبروں کا موجودہ نشست کی طرح آئندہ آپ کے ساتھ ہونا اور حضرت عثمان غنیؓ کی قبر ان تینوں صاحبوں سے علیحدہ ہونا، چنانچہ آئندہ اسی طرح ان کی تعبیر ظاہر ہوئی۔

اسی بناء پر معراج اور شق صدر کی بیداری کے واقعات ہونے کے باوجود پھر انہوں نے ان کی خاص خاص تعبیرات بھی بیان فرمائی ہیں، ان واقعات کو خارج میں اور جسمانی طور پر تسلیم کر لینے کے بعد صرف ان کی تعبیرات ذکر کرنے یا اس کا نام عالم برزخ رکھنے سے ان کو سلف کے مخالف سمجھنا ان کے طریق سے ناواقفی ہے، اگر یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام کی مفصل تشریح کریں تو بے وجہ طول ہوگا کیونکہ جب ان معجزات کو ان ہی تفصیلات کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ میں درج فرما لیا تو اب تمام بحثیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

اچھا اگر آپ شاہ ولی اللہؒ کے اس واقعہ کے عالم برزخ اور عالم مثال میں کہنے سے ان کو اپنا شریک حال بنانا چاہتے ہیں تو کیا یہ بھی دکھلا سکتے ہیں کہ انہوں نے ''شق صدر'' کی حقیقت صرف ''شرح صدر'' اور ''علم لدنی'' بنا کر رکھ دی تھی؟ لہذا ان کا حوالہ دینے سے آپ کو کیا فائدہ؟ بہت سے بہت اگر کوئی احتمال پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ بقول آپ کے ''علماء ظاہرین'' کے خلاف اس کو جسمانی واقعہ قرار دے کر اس کی کوئی تعبیر بھی سمجھتے ہیں، یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ وہ نا کموں کے چشم دید نشانات کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہیں، اور شق صدر کی آپ کی ذاتی خصوصیت کو ایک عام علم لدنی کا واقعہ سمجھتے ہیں، جس میں حضرت خضر علیہ السلام بھی پہلے سے شریک ہیں، جیسا کہ وعلمنه من لدنا علما سے ظاہر ہے، حالانکہ ان کی نبوت میں بھی بہت اختلاف ہے۔

اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شق صدر کی پوری سرگذشت نقل کر کے آپ کے سامنے رکھ دیں تا کہ پہلے آپ مفصل واقعہ اور صورتحال کا اندازہ کر لیں اور اس کے بعد اس واقعہ کی صرف علم لدنی ہونے کی تشریح کے متعلق خود فیصلہ کر لیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل تماشا دیکھنے میں مشغول تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں سے خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تھا شیطان کا حصہ (جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اسکو سی دیا اور اپنی جگہ رکھ دیا، بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قتل کر دیئے گئے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق پڑ تھا، انسؓ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں چند امور بتفصیل مذکور ہیں (۱) اس واقعہ میں ایک فرشتہ کی آمد (۲) اس کا آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لٹا دینا (۳) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چاک کر کے اس میں سے تھوڑے سے جمے ہوئے خون کا ٹکڑا نکال پھینکنا (۴) اور یہ کہہ کر پھینکنا کہ یہی وہ حصہ ہے، جس کی وجہ سے شیطانی تاثیر ہوتی ہے (۵) پھر اس قلب کو سونے کے ایک طشت میں آب زمزم سے دھونا (۶) پھر چاک شدہ حصہ جسم کو سینا اور جوڑ دینا اور قلب مبارک کا اپنی جگہ رکھ دینا۔ (۷) اس پر جو بچے یہاں موجود تھے، ان کا بھاگتے ہوئے آپ کی دایہ کے پاس آنا اور یہ بیان دینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قتل کر ڈالے گئے (۸) اس پر لوگوں کا یہ ماجرا سن کر لپکنا (۹) عمل وقوع پر آپ کو سہما ہوا پانا حتیٰ کہ آپ کا رنگ مبارک اس وقت بھی فق پڑا ہوا تھا (۱۰) حضرت انسؓ کا ان ٹانکوں کے نشانات کا خود اپنا مشاہدہ بیان کرنا۔

یہ تو وہ سرگذشت ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے، اب آپ کو ان تفصیلات کو "شرح صدر" یا "علم لدنی" کہہ ڈالنے کی ہمت ہو تو کہہ دیں، مگر یہاں لفظ لفظ اس صورت واقعہ کے خلاف ہی خلاف نظر آتا ہے۔

یہاں عالم مثال اور برزخ کی وہ تحقیقات جو صوفیا نے اپنے فن میں کی ہیں وہ انہیں کی شان اور موضوع فن کے مناسب ہیں، ہم اپنے قارئین کرام کو ان "معموں" میں ڈالنا پسند

نہیں کرتے، ان کے سمجھنے کے لئے "علم حقائق" کی سیر ضروری ہے جب بات بالکل واضح ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان نبوت سے معرض بیان میں آچکی ہے تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان کو اصطلاحات کی پیچیدگیوں میں ڈال کر بدیہی کو نظری بنا دیا جائے۔

یہاں یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ "علم لدنی" جو سب انبیاء علیہم السلام کو ملتا ہے، اگر یہ وہی ہو تو کیا انبیاء علیہم الصلوۃ کی سیرت میں ان تمام تفصیلات کا بھی ثبوت ملتا ہے؟ پھر اس شق صدر کو شرح صدر اور شرح صدر کو علم لدنی، پھر عالم مثال اور برزخ کہہ کر اس کو چیستاں بنانے سے کیا حاصل ہے، چلئے اگر آپ شاہ ولی اللہؒ سے بیان سے متفق ہیں تو اس واقعہ کو جسمانی اور عالم مثال ہی میں انہیں تفصیلات کے ساتھ تسلیم کر لیجئے ورنہ اولیاء اللہ کی آڑ میں شکار کھیلنے سے کیا فائدہ۔

تاویل کرنے والوں نے یہاں صرف انہیں قیاس آرائیوں پر بس نہیں کی بلکہ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس مستحکم قلعہ کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ "اس واقعہ کا راوی حماد بن سلمہ ہے، جس پر آخری عمر میں "سوء حفظ" طاری ہو گیا تھا اور کسی نقل کے بغیر محض اپنے ظن وتخمین سے صحیح مسلم کی اس روایت کو اسی زمانے کی روایت قرار دے ڈالا ہے۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ امام مسلم تو امام مسلم ہیں، عام محدثین کو بھی اس قسم کے راویوں کی روایات کے متعلق یہ تمیز حاصل ہوتی ہے کہ وہ روایات جو سوء حفظ سے پہلے کی ہیں وہ کونسی ہیں؟ اور جو بعد کی ہیں وہ کونسی ہیں، اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم شیوخ وتلامذہ پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ کس راوی نے کس شیخ سے کس زمانہ میں تلمذ حاصل کیا ہے اگر وہ راوی ایسا ہو جس نے سوء حفظ طاری ہونے سے قبل روایات اخذ کی ہیں تو وہ روایات بے تامل حجت اور معتبر سمجھی جاتی ہیں اور اگر اس کو ایسے زمانے میں تلمذ حاصل ہوا ہے جبکہ اس پر سوء حفظ طاری ہو چکا تھا تو پھر اس کی یہ روایات زیر نقد وتبصرہ آجاتی ہیں، اس لئے محدثین کے نزدیک اس قسم کے شیوخ وتلامذہ کی روایات کے اخذ وترک میں کوئی دشواری نہیں رہتی، امام مسلم خود اس درجہ کے امام ہیں کہ کسی روایت کا اپنی صحیح میں درج کر لینا یہی اس کے لئے

کافی ضمانت ہوتی ہے کہ وہ یقیناً سوء حفظ کے زمانے سے پہلے کی روایت ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر اگر کوئی روایت مسلم یا بخاری میں نہ ہو، مگر ایسی اسانید اور ایسے رجال سے مروی ہو جو ان میں موجود نظر آئیں تو ان پر بھی محدثین "رجالہ رجال الصحیحین" یا "احدہما" کہہ کر صحت کا حکم لگا دیتے ہیں، الا یہ کہ اس جگہ کوئی خصوصی علت نکل آئے ان دقائق کو وہ شخص کیسے ادراک کر سکتا ہے جو مؤرخین کی صف میں سے نکل کر محدثین کی جماعت میں گھسنے کی کوشش کرتا ہوں اور "مجہول الکل فن رجال" اس کو یہ علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی شیخ کو سوء حفظ کس زمانے میں اور کیوں طاری ہوا تھا اور یہ تمیز کیسے حاصل ہو سکتی ہے کہ اس نے کس شیخ سے کس زمانے میں روایات اخذ کی ہیں، اس لئے اس بیچارہ کو صرف اپنے ظن و تخمین سے حکم لگا دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

ہم یہاں صرف اس پر کفایت نہیں کرتے کہ یہ روایت چونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کر دی ہے اس لئے یقیناً وہ حماد بن سلمہ کے سوء حفظ کے زمانہ سے پہلے کی ہے، بلکہ خصوصی طور پر اہل فن کی شہادت بھی پیش کر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں ان کا شیخ ثابت ہے اور جو روایات حماد بن سلمہ کی ثابت سے روایت کردہ ہیں وہ سب معتبر شمار ہوتی ہیں، یعنی ان کے "سوء حفظ" کے زمانے سے قبل کی روایات ہیں، ابن مدینی جنکا اس فن کے چوٹی کے علماء میں شمار ہے لکھتے ہیں کہ ثابت کے تلامذہ میں سے حماد بن سلمہ سے بڑھ کر معتبر اور قابل اعتماد کسی کی روایات نہیں ہیں، اور جن ائمہ نے حماد بن سلمہ کی روایت کو مطلقاً نہیں لیا، یہ محض ان کا تشدد اور ناانصافی ہے اور آگے چل کر لکھا ہے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، لیکن آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے امام بخاری نے تو ان کو بالکل ترک کر دیا لیکن امام مسلم نے کوشش کر کے ان کی وہ احادیث اپنی صحیح سے نکال لیں جو انہوں نے ثابت سے اپنے سوء حفظ کے زمانے سے قبل روایت کی تھیں اور اس کے سوا جو حدیثیں انہوں نے ثابت سے روایت کی ہیں جن کی تعداد بارہ حدیثوں تک بھی نہیں پہنچتی وہ صرف شواہد میں روایت کی ہیں (اصول میں نہیں)، امام احمد فرماتے ہیں کہ ثابت کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابل

اعتماد شخص حماد بن سلمہ ہے، ابن مدینی کہتے ہیں جو شخص بھی حماد بن سلمہ میں کلام کرے، اس کو دین میں قابل تہمت سمجھو ــــ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اصحاب ثابت میں سب سے زیادہ قابل اعتبار حماد بن سلمہ ہیں، پھر سلیمان پھر حماد بن زید اور یہ سب روایات صحیح ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ ثابت کے شاگردوں میں حماد بن سلمہ سے بڑھ کر قابل اعتماد اور کوئی شخص نہیں لہذا یہاں ان کی روایت پر یہ حکم لگا دینا کہ وہ سوء حفظ کے زمانے کی ہے یہ اہل فن کی تصریح کے خلاف ہے۔ اب رہا امام بخاری کا ان کو علی الاطلاق ترک کر دینا یہ محض ان کی "شان احتیاط" اور "شرائط کے تشدد" کی بات ہے، اسی لئے صحت میں مسلم کو صحیح بخاری کے ہم پلہ قرار نہیں دیا جاتا باوجودیکہ صحیح مسلم کو صحیح کہنے سے ایک متنفس نے بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ لہذا امام بخاریؒ کسی کتاب میں کوئی خاص شرائط مقرر کرلیں تو اس سے یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ اب جو راوی ان کی کتاب میں نہیں آیا اس میں کسی قسم کا سقم ہے ورنہ تو پھر صحیح مسلم کی ایک حماد بن سلمہ کی روایات نہیں، بلکہ وہ تمام روایات جو علی شرط البخاری نہیں ہیں چھوڑ دینی پڑیں گی۔

"شق القمر" کی توجیہات:

یا مثلاً "شق القمر" کے متعلق یہ توجیہ:

"لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں تھوڑی سے قیاسی وسعت اور پیدا کرلی جائے تو شق القمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دار و مدار تمام عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے"۔

یا اس کی دوسری یہ توجیہ:۔

"اسی طرح اضافہ کی بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں، اس میں صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے، تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کرلے، جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے"۔

یا اس کی تیسری اور آخری یہ توجیہ:۔

"ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں، شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی، احادیث میں ہے کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ در اصل چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں، یا خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف پیدا کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیت نبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی"۔

اب آپ ان ہر سہ تاویلات پر بار بار نظر ڈالئے یہاں سب سے پہلے جو بات آپ کے ذہن میں آئے گی، وہ یہی آئے گی کہ جو فضلاء اس معجزہ کو مادی طریق پر حل کرنا چاہتے ہیں خود ان ہی کے ذہنوں میں اس کا کوئی صحیح حل موجود نہیں، ان هم الا يظنون، وہ صرف اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں، زیادہ غور سے دیکھا جائے تو یہ سب تاویلات باہم متناقض بھی ہیں، پہلی توجیہ تو معجزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کی بجائے اس میں اور تاریکی پیدا کرنے والی ہے، کیونکہ "عمل تنویم" سحر کی طرح معجزہ کے مقابل کی چیز کا نام ہے، معجزہ میں صاحب معجزہ کی قوت اثر آفرینی کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔

دوسرے جواب کا حاصل پھر یہی رہا کہ شق القمر قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا اب یہاں جذب و اتصال اور کیمیا کے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنے سے اس خرق عادت کا کوئی حل نہیں ہوتا، یہ سوال اپنی جگہ پھر قائم رہتا ہے کہ انگلی کے ایک اشارہ سے اس قوت اتصال کا سلب ہو جاتا، کیا عادۃً ہوتا ہے، اگر نہیں تو پھر یہ خرق عادت ہی تو ہوا، اس جواب سے مسافت طویل ہو جانے کے سوا اور نتیجہ کیا نکلا۔

تیسری تاویل سب سے زیادہ پر پیچ ہے، اس کو یہاں سب سے زیادہ "حمد و شکر" کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک وہی سب سے زیادہ قابل "استعاذہ" ہے یعنی اہل مکہ کی آنکھوں میں کسی ایسے تصرف کا احتمال جس کی وجہ سے صرف ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آنے لگا، خواہ اس واقعہ میں اس کے دو ٹکڑے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، ہمارے

نزدیک اس کی صحیح تعبیر "نظر بندی" ہے، کیا نظر بندی آنکھوں میں تصرف کا ہی نام نہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کی نظر بند کا احتمال جائز تصور کیا جا سکتا ہے، اگر یہاں بھی یہ تصور جائز سمجھا جائے تو دین کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے، رسولوں کے متعلق یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں کے سامنے کوئی عمل کر کے دکھائیں اور خارج میں اس کا کوئی وجود بھی نہ ہو، وہ حقیقت کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں، اس لئے ان کا کوئی قول و فعل حقیقت سے سرمو متجاوز نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ وہ امور جو قدرت ان کی صداقت کے لئے نشانی اور دلیل قرار دے، اس مقدس گروہ کو احتمالات کی بجائے واقعات کی دنیا میں دیکھنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو کچھ دیکھا وہ بجا دیکھا، حالانکہ "سیر معراج" عالم غیب کا مشاہدہ کرانے کے لئے تھی، اس کے باوجود جنہوں نے یہاں انکار کی راہ اختیار کی ان کی تحمیق قرآن کریم نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے:

افتمارونہ علیٰ ما یریٰ .... تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔

پس جس طرح رسول کے دیکھنے میں یہ احتمال پیدا نہیں ہو سکتا، کہ جو اس نے دیکھا وہ حقیقت کے خلاف تھا، اسی طرح اس کے معجزات میں بھی یہ شبہ نکالا نہیں جا سکتا کہ جو اس نے دکھایا وہ حقیقت کے خلاف دکھایا تھا، معجزہ حق و باطل کے تمیز کے لئے ہوتا ہے، نہ کہ اور "تلبیس" کے لئے اب اس تاویل کو ایک طرف رکھئے اور دوسری طرف قرآنی الفاظ سامنے رکھئے، "انشق القمر" قرآن کریم کے اس لفظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ خود چاند ہی کے اندر ہوا اور حقیقتاً ہوا، لغت عرب میں خود چاند کے پھٹنے کے لئے اس سے زیادہ صاف اور صریح لفظ کوئی اور نہیں ہے، یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں ہے کہ چاند میں تصرف کے سوا اس واقعہ میں دیکھنے والوں کی نظر میں کوئی بھی تصرف ہو گیا تھا، پھر چونکہ یہ تصرف خارق عادت تصرف تھا اس لئے آپ نے بغرض تاکید فرمایا "اشھدو اشھدوا" (گواہ رہو گواہ رہو) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں اہل مکہ کی آنکھوں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا تو چاند کی طرف اشارہ کر کے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ کو گواہ بنانا درست ہو گا؟

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ یہاں اہل مکہ نے جس معجزہ کے دیکھنے کی فرمائش کی تھی کیا

وہ ایسا معجزہ تھا، جس کا تعلق خود ان کی آنکھوں سے ہو یا وہ کوئی واقعی معجزہ چاہتے تھے؟ روایات میں موجود ہے کہ اس معجزہ کی صحت کے لئے انہوں نے باہر والوں سے شہادت کو ایک معیار مقرر کرلیا تھا، کیونکہ آنکھوں کا تصرف اگر ہوگا تو وہ صرف حاضرین پر ہوسکتا ہے غائبین پر نہیں ہوسکتا، اس لئے اگر باہر سے آنے والے قافلے بھی ''شق القمر'' کی شہادت دیں تو اس معجزہ کے صحیح ہونے پر یقین کر لینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اس صورت کو معجزہ سمجھتے تھے جس میں ان کی آنکھوں کے تصرف کا کوئی احتمال پیدا نہ ہوسکے، نیز معجزہ اگر طلب کیا تھا تو منکرین قریش نے طلب کیا تھا اگر یہاں کوئی تصرف ہوتا تو ان کی آنکھوں میں ہوتا جو منکرین تھے، مخلصین صحابہ نہ اس کے طالب تھے نہ ان کی آنکھوں میں یہ تصرف مناسب تھا، حالانکہ یہاں حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے چند ہمراہی بھی اس کے مشاہدہ کرنے والوں میں شریک ثابت ہوتے ہیں، حیرت ہے کہ صورت واقعہ کے نقل کرنے والے نے اس واقعہ کے حقیقی ہونے کے لئے جتنے واضح سے واضح الفاظ استعمال کئے تاویل کرنے والوں نے اتنے ہی بعید سے بعید احتمالات اس میں نکال کھڑے کئے، راوی کہتا ہے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا اور اتنا صاف ہوا کہ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑی کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آنے لگا، آپ نے حاضرین کو اس پر گواہ بھی بنایا اس کے بعد بھی کیا یہ کہنا معقول ہوسکتا ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ صرف اہل مکہ کی آنکھوں تک ہی محدود تھا اور اسی لئے اس کا مشاہدہ صرف ان ہی تک محدود رہا، بلکہ ان ہی کی ذات تک محدود رہنا چاہیے تھے، کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ اس معجزہ کا ذکر بھی ہوتا رہا مگر مدۃ العمر یہ عقدہ کھل ہی نہ سکا کہ اس شب میں صرف آنکھوں کی الٹ پھیر ہوگئی تھی اور کچھ نہ تھا، اگر اس معجزہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر اس کا نام ''شق القمر'' کے بجائے ''اعماء البصر'' مناسب تھا، کما قال تعالیٰ فی سورۃ محمد، اولٓئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم (ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کردیا، پھر ان کو بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔

یہاں اس معجزہ کو کفار کی آنکھوں میں تصرف قرار دیکر یہ لکھنا ''انا کہ'' جو خدا انسان کی

آنکھوں میں خلاف عادت تصرف الخ'' کا اضافہ دیکھ کر یہ بالکل ایک آنکھ مچولی کھیلنا معلوم ہوتا ہے، کیا مصنف موؤل اب پھر لوٹ کر اس کو آنکھوں کے تصرف کے بجائے پھر اس کو چاند ہی کا پھٹنا تسلیم کرتے ہیں، یہ بھول بھلیاں کی طرح عجیب عبارت ہے جس کا کوئی مطلب اخذ کرنا ہی ممکن نہیں، جیسا کہ بھول بھلیاں میں داخل ہو کر پھر نکلنا کارے دارد ہے، اور اگر بالفرض یہ باطل احتمالات تسلیم بھی کر لئے جائیں تو اب سوال یہ رہتا ہے کہ کیا یہی احتمال دوسرے معجزات میں بھی جاری ہوگا، مثلاً یہ کہ ''اسطوانہ حنانہ'' میں کیا قدرت نے فی نفسہ گریہ زاری کی صفت پیدا فرما دی تھی؟ یا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے کیا فی الواقع پانی کے چشمے ابلے تھے، یا مثلاً حیوانات و نباتات میں کیا حقیقتاً آپ کی تسخیر کا اثر ظاہر ہوا تھا یا مثلاً کھانے اور پینے کی اشیاء میں کیا درحقیقت کوئی برکت پیدا ہو گئی تھی، یا ان سب معجزات میں بھی حاضرین کے صرف کانوں اور آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا گیا تھا کہ ''اسطوانہ'' سے گریہ وزاری کی آواز آنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے پانی امنڈتا ہوا نظر آنے لگا اور حیوانات و نباتات آپ کے مسخر محسوس ہونے لگے اور کھانے پینے کی چیزوں میں بڑی برکت نظر آنے لگی؟ اگر ان سب معجزات میں جواب صرف ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہئے کہ یہاں نہ کسی کے کانوں میں کوئی تصرف کیا گیا تھا نہ آنکھوں میں عمل تنویم کا یہاں کوئی دخل تھا، بلکہ جو کچھ سامعہ نے سنا اور جو کچھ باصرہ نے دیکھا وہ ٹھیک حقیقت ہی حقیقت تھا تو پھر شق القمر کے متعلق بھی جواب صرف یہی ہوگا کہ یہاں چاند حقیقتاً ہی دو ٹکڑے ہو گیا تھا، یہاں ضروری تاریخی شہادت موجود ہوتے کے باوجود اس سے بچنے کے لئے اس درخشاں معجزہ کو اتنا مکدر کر دینا تھوڑے سے فائدہ کے احتمال کے بجائے خود اپنا کتنا بڑا نقصان گوارا کر لینا ہے۔

انبیاء سابقہ کے معجزات میں تاویلات:

یہ تو چند تاویلات وہ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور درخشاں معجزات میں پیدا کی گئی ہیں اب چند وہ تاویلات بھی ملاحظہ فرمایئے جو انبیاء سابقین کے بعض معجزات میں کی گئی ہیں۔

مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تاویل

''جس وقت عمل تنویم کے مخفی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانا معجزہ تھا، لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لئے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسیٰ کے اژدھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جاسکتی ہے''۔

یہ ''تاویل'' اول تو معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضے پر موقوف ہے، یعنی معجزہ صرف کسی محدود زمانے تک ہی معجزہ رہتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ معجزہ رہے، دوم اس کو ''عمل تنویم'' پر قیاس کیا گیا ہے، یہ دونوں باتیں معجزہ کی حقیقت کے بالکل خلاف ہیں، جو معجزہ ہے وہ ہمیشہ معجزہ ہی رہے گا اور عمل تنویم کا تو معجزات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، سحر عمل تنویم سے کہیں قوی چیز ہے، فرق یہ ہے کہ عمل تنویم میں نفسی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اور سحر میں اکثر ارواح خبیثہ کے ساتھ استعانت بھی ہوتی ہے، معجزہ ان دونوں سے بالاتر حقیقت ہے ان امور کو معجزات کی حقیقت سمجھ، ان کی تفہیم کے لئے استعمال کرنا ایک خطرناک غلطی ہے، علمی غلطی بھی ہے اور مذہبی غلطی بھی ہے، معجزہ کی تفہیم میں ان امور سے مدد لینے کی بجائے ان کی نفی کرنی لازم ہے، سحر و معجزہ میں جس طرح دو متضاد حقیقتیں ہیں، ٹھیک اسی طرح معجزہ اور علم تنویم بھی دو متضاد حقیقتیں ہیں پھر ارباب نظر کے لئے علم تنویم کے متعلق ''کرسی کے شیر بن جانے'' اور معجزہ موسوی کے متعلق ''عصا کے اژدھا نظر آنے'' کا لفظ بھی بہت زیادہ قابل غور ہے۔

یا مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے آفتاب کے غروب ہونے میں تاخیر ہو جانے کی یہ تاویل:

''ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو، لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے انکشاف سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی''۔

یہ تاویل بھی معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضے پر مبنی ہے پھر صرف اس ''برات عاشقاں بر شاخ آہو'' سے اس معجزہ کا کیا حل نکلتا ہے؟ اس ''امید'' کا نام اگر علمی وسعت رکھا جائے تو کمیشنوں کو یہی امید ''آیات الوہیت'' کے متعلق بھی قائم ہے وہ بھی شب و روز اسی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ قدرت کی جتنی آیات اور نشانیاں ہیں ان کے اسباب معلوم

کر کے سب کو اپنی قدرت کے تحت لے آئیں، عالم تکوین میں قدرت کی یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے کہ وہ اول ہی قدم پر انسان کو ناکام نہیں کرتی اور بہت دور تک اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اس درمیان میں عاجز انسان کو بڑی بڑی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں، آخر ایک حد پر پہنچ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے پاس سرمایہ "مجاز" کے سوا کچھ نہ تھا، اور زمام قدرت صرف ایک "وحدہ لاشریک لہ" کے ہاتھ میں تھی، قرآن کریم میں قدرت کے یہ فیصلے اقوام دنیا کی تاریخ میں جابجا مذکور ہیں۔

یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق یہ توجیہ:۔

"عام قانون فطرت ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس اتصال جنسی سے جو مادہ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا تعالیٰ رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی، ممکن ہے کہ "ولادت مسیح" میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو"۔

مذکورہ بالا صورت میں بھی جب آخر کار خداوندی مداخلت کا سہارا لینا ہی پڑا تو پھر قانون فطرت میں کسی نئے اضافہ کے تسلیم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر شروع سے ہی اس میں مداخلت خداوندی تسلیم کر لی جائے تو بے وجہ ایک واسطہ اور بڑھانے کی ضرورت؟ پھر قانون فطرت میں اس اضافہ کو عارضی کہہ کر یہ سمجھ لینا کہ ہم نے حضرت مسیح کی ولادت کے عام قانون سے استثناء کا حل نکال لیا ہے صرف ایک خوش فہمی ہے کیونکہ یہ سوال پھر اپنی جگہ اسی طرح موجود رہتا ہے، کہ یہ اضافہ بھی خارق عادت ہوگا، لہٰذا اگر کسی خارق عادت کا صرف عارضی ہونا یہاں اس کیلئے وجہ جواز بن سکتا ہے، تو پھر تمام معجزات میں بھی خاص خاص اضافات کو عارضی کہہ دینا کافی ہونا چاہئے، اس کے علاوہ تاویل مذکور کا حاصل یہ ہے کہ ولادت مسیح بھی اسی قانون کے تحت قرار دی جائے جو عام انسانوں کے لئے مقرر ہے، یعنی مادہ تولید سے بچہ کا بننا، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مادہ تولید کے داخل ہونے کا جو عام طریقہ ہے، ولادت مسیح میں نہ ہوگا تو آج بھی دنیا میں مادہ تولید دوسرے طریقوں سے رحم

مادر میں داخل کر کے بچہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسی کہ مشین کی حرارت سے مرغی کے انڈوں سے بچوں کی پیدائش، لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "ولادت مسیح" عام انسانوں کی طرح مادہ تولید سے نہیں بلکہ آدم علیہ السلام کی طرح صرف حرف "کن" سے وجود میں آئی ہے **ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون۔**

مذکورہ بالا آیت میں ولادت مسیح میں جو صورت پیش آئی اس کا حل مع ایک نظیر کے حوالہ کے مذکور ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کسی واسطے کے بغیر صرف "حرف کن" سے بھی تخلیق پر قادر ہے اس کیلئے یہ تولید اور عام طریقہ سے تولید دونوں برابر ہیں، آخر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش دونوں صنفوں کے مادوں سے بالاتر تھی تو جس قانون فطرت کے تحت اس کو تسلیم کر لیا گیا اس کی ایک صنفی تخلیق کو بھی اسی قانون فطرت سے کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے۔

تعجب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی تفصیلات جب خود قرآن کریم میں موجود تھی تو پھر یہاں امکانات اور تخمینے لگانے کی جرأت کیسے کی گئی، یعنی حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے جبرئیل علیہ السلام کا بصورت بشری متمثل ہو کر آنا اور اپنی آمد کی غرض وغایت بتانا، حضرت مریم علیہا السلام کا اس پر اظہار تعجب کرنا اور فرشتہ کا یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ سب کرشمے آسان ہیں" آخر فرشتے کا ان کے گریبان میں پھونک مارنا اور ان کا حاملہ ہو جانا یہ سب قرآنی بیان ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ ولادت مسیح کو قانون فطرت میں ایک عارضی اضافہ سے حل کیجئے یا براہ راست قدرت کے حوالہ کر کے حل کیجئے، لیکن یہاں ہمارے دور کے عقلاء کے لئے نفخۂ جبرئیل سے ولادت ایک اور نئی مشکل کا باعث ہو جائے گی اور معلوم نہیں کہ اس کا حل وہ کیا تلاش کریں گے کیا صرف "والد کے بغیر ولادت" ایک نام تمام ٹکڑے کے حل کرنے سے اس مفصل اعجازی ولادت کا کوئی حل نکلتا ہے؟

یہ جملہ معجزات تقریباً وہ تھے جو قرآن کریم اور صحیحین میں موجود ہیں، جن میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن معجزات حسیہ جن کی نظروں میں صرف "سطحی اور

ظاہری معجزات" ہوں ان کے لئے ان کی تاویل کردینی بھی کیا مشکل تھی، ان تاویلات کے بعد ان عظیم الشان معجزات کی جتنی حیثیت رہ جاتی ہے وہ بھی ظاہر ہے یعنی یہ کہ "شق القمر اور عصاء موسیٰ علیہ السلام تو صرف دیکھنے والوں کی نظروں میں ایک تصرف تھا" "شق صدر ایک علم لدنی تھا" اور "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی اسی عامہ مادہ سے تھی، مگر وہ رحم مادر میں دیگر رطوبات کی طرح خود بخود پیدا ہو گیا تھا" اب یہ غور کر لینا چاہئے کہ اگر ان چند تاویلات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا ان سے معجزات کے باب کا کوئی اصل حل نکلتا ہے؟ یا ان تاویلات کی "ریاضت" کا اثر صرف انکار معجزات ہی نکلتا ہے، جملہ "بالاتر از عقول" حقائق کی من مانی تاویلات کرنے کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ جو اہل علم ان حقائق کو مادی عقول سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کی "بے علمی" نظروں میں سما جائے اور جب انسان بڑے بڑے محدثین کی طرف سے اس بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے علم پر نازاں ہو کر دین کو جس سانچے میں چاہے ڈھالنے پر دلیر بن جاتا ہے۔

یہاں اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ان معجزات کی مرادیں سلف صالحین اور اہل سنت والجماعۃ نے آج تک یہی سمجھی تھیں، ہمارے دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ صرف لغت کے سہارے نہیں چلتا بلکہ تعامل کے سہارے نقل ہوا ہے، ہم کو صحابہ کرام سے جو ان معجزات کے مشاہدہ کرنے والے تھے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ایک بالادست قدرت کے سوا ان کو کچھ اور سمجھا تھا، حدیثوں میں موجود ہے کہ جب کبھی کھانے میں برکت کے متعلق ان سے سوال ہوا ہو کہ یہ کہاں سے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر صرف اتنا کہہ دیا "من ھھنا" یعنی آسمان کی طرف سے، آپ نے دیکھا کہ ایک مذاق تو وہ تھا اور ایک یہ ہے ؏ وللناس فیما یعشقون مذاھب

تاویل معجزات کے اسباب

انسانی دماغ کے فیصلوں پر اس کی "مسموعات" و "مبصرات" اور اس کی معلومات سے بڑھ کر ہمیشہ اس کے "ماحول" کا اثر پڑا کرتا ہے جس ماحول میں وہ زمانہ طفولیت سے پرورش پاتا چلا آتا ہے وہ غیر شعوری طور پر اس سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ اسکے مقابلہ میں

اس کے لئے اپنی مبصرات ومسموعات کی تاویل کرنی کوئی مشکل نہیں رہتی، صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی حیات کے دور اول سے لے کر آخر تک کبھی ذرا وہ برابر اس سے متاثر نہیں ہوتے، بلکہ قدرت کی عطا کردہ فطری طاقت سے اس ماحول ہی کو بدل دیتے ہیں، اس ''انقلابی صفت'' میں ان ''نفوس قدسیہ'' کو دنیا کی دوسری ''انقلابی شخصیتوں'' کے مقابلہ میں کیا اور کتنا امتیاز حاصل ہوتا ہے؟ اس وقت اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، اکبر الہ آبادی کہتا ہے۔

فخر کیا ہے جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں ''مرد'' وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اصل یہ ہے کہ دنیا کے عام عجائبات اور واقعات کا یقین بھی صرف دو صورتوں سے حاصل ہوتا ہے یا خود ان کے مشاہدہ سے یا کثرت کے ساتھ ان کے تذکرہ سے، دیکھئے روسی اور ''امریکی سیاروں'' کو دیکھتے دیکھتے اب ہمارے ذہن ان سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ اب جتنی عجیب سے عجیب باتیں ان کے متعلق کہی جائیں ان میں ذرا بھی کسی کو تردد نہیں ہوتا، ہمارے دور میں ایک ایک طرف تو ''مسیحی'' اعتراضات کی بھرمار دوسری طرف ''مادی ترقیات'' کا غلغلہ اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اب ''عالم غیب'' کے عجائبات کی آوازیں مذہبی گھرانوں میں بھی بہت ''دھیمی'' سنائی دیتی ہیں اور بڑی آفت یہ کہ گھروں میں، عام محفلوں میں، اور خاص مواعظ کی مجلسوں میں بھی ان امور کا چرچا تقریباً نابود ہو گیا ہے اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ کہ حدیث وقرآن کا مطالعہ سلف کے عقائد کی روشنی میں باقی نہیں رہا، نتیجہ یہ ہے کہ جن دماغوں پر پہلے سے عالم غیب کے نقوش پختہ نہیں تھے وہ جب اس ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں تو ان کی طبیعتیں خواہ مخواہ ان بلند حقائق کی تاویل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور وہ ان تاویلات کو ایک ''جدید اکتشاف'' وریسرچ تصور کر لیتے ہیں، کہنے والا بڑی آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ جدید معلومات نہیں رکھتے اور جدید ضروریات سے ناآشنا ہیں وہ بھی اپنی محدود معلومات کی غلط فہمی میں معجزات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اپنے ان ہی دقیانوسی خیالات پر ان کو ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان دونوں کے درمیان فیصلہ کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ایک بار آپ

بالکل خالی الذہن ہو کر انبیائے سابقین کے معجزات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، سرسری طور پر پڑھ جائیے اس کے بعد پھر صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات مذکور ہیں ان کا بار بار مطالعہ فرمالیجیے اور ان سب کو بیک وقت سامنے رکھ کر خود فیصلہ کر لیجیے کہ یہ عجائبات "خارق عادت" یا "فطری قوانین" کے تحت تھے اور جنہوں نے یہاں ان کے حل کرنے کی سعی کی ہے، کیا ان کو کامیابی حاصل ہوئی ہے، مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد میں "آفتاب کا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جانا" کیا اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کہ "آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے شاید اس اعجاز کی توجیہ بھی ہو جائے" اس معجزہ کا کوئی تشفی بخش حل ہے یا اس سے پہلے عنوان کے تحت معجزات کی جو تاویلات ذکر کی گئی ہیں ان سے صرف چند احتمالات کے سوا تحقیق کی کوئی روشنی ملتی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف احتمالات سے معجزات پر قلب میں یقین کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ معجزہ کی حقیقت کے برعکس یقین پیدا ہوتا ہے یہ علمی بدنصیبی ہے کہ انسان صرف احتمالات سے اپنی سابقہ قوت یقین بھی کھو بیٹھتا ہے اور اس سے بڑھ کر بدنصیبی یہ کہ اس کے خلاف پر یقین کرنے لگتا ہے، حالانکہ محض امکانات اور احتمالات یقین کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے کیا مفید ہو سکتے ہیں۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

واضح رہے کہ یہاں ہمارا خطاب ان مومنین کے ساتھ ہے جو اپنی مذہبی ناواقفی کی وجہ سے شک و تردد کا شکار ہو چکے ہیں، ان مادہ پرستوں سے نہیں، جو نہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں نہ رسولوں پر۔

معجزات پر تصنیفات
اور ان کی
محدثانہ حیثیت

اس موضوع کا اکابر محدثین نے ہمیشہ سے اہتمام فرمایا ہے اور اس پر مستقل تصانیف بھی فرمائی ہیں، جیسا کہ حافظ ابو بکر بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، امام ابو اسحاق حربی متوفی ۲۵۵ھ، شیخ ابو بکر عبداللہ بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ، حافظ ابو جعفر فریابی متوفی ۳۰۱ھ، حافظ ابو زرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ، حافظ ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ، حافظ ابن الجوزی ۵۹۷ھ، حافظ عبداللہ المقدسی ۶۴۳ھ، ابن تیمیہ متوفی ۷۲۶ھ وغیرہم۔ ان سب حفاظ نے اپنی اپنی تصانیف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و فضائل کا اسنادوں کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ان میں سے بیہقی، ابن جوزی اور ابو عبداللہ مقدسی نے تو صحیحین و غیر صحیحین کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کا بھی اہتمام فرمایا ہے لیکن ابو زرعہ جو مسلم کے شیخ ہیں، ابو الشیخ اور ابو نعیم وغیرہ نے یہ اہتمام نہیں کیا، صرف حدیثوں کے طرق ایک جگہ جمع کر دیے ہیں اور کہیں کہیں ان پر کچھ محدثانہ کلام بھی کر دیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے مؤلفات کا نام "دلائل النبوۃ" رکھا ہے۔ ان کے علاوہ اور ائمہ حدیث نے بھی اس موضوع پر تصنیفات فرمائی ہیں اور آخر میں ان سب کا خلاصہ علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ نے "خصائص الکبریٰ" میں جمع کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے یہاں ایک اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے یعنی اسانید حذف کر کے صرف روایات کے ماخذ ذکر کرنے پر کفایت کی ہے، جیسا کہ قاضی عیاض نے (متوفی ۵۴۴ھ) "شفا" میں۔ بعض علماء نے اسانید اور ماخذ دونوں حذف کر دیے ہیں اور صرف شہرت پر اکتفاء کر کے آپ کے معجزات ذکر کر دیے

ہیں، جیسے قاضی عبدالجبار متوفی ۴۱۵ھ، قاضی ماوردی متوفی ۴۵۰ھ، جاحظ متوفی ۲۵۵ھ، ابوالفتح سلیم بن ایوب رازی متوفی ۴۴۷ھ (دیکھو طبقات سبکی ص ۲۲۳ جلد چہارم)۔

معجزات وفضائل میں صرف مصطلحہ صحیح حدیثوں پر اقتصار کرنا جمہور کا طریقہ نہیں رہا:

مذکورہ بالا محدثین میں تیسری صدی سے لیکر چھٹی اور ساتویں صدی تک کے مشاہیر محدثین شامل ہیں، ان محدثین کی شخصیات اور ان کی اپنی تصانیف میں ان کے اس اہتمام سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ارباب علم کی نظروں میں اس "باب" کی اہمیت ہمیشہ مسلم تھی اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس باب میں صرف صحیحین کے ذکر کردہ معجزات پر اقتصار کرنا، یہ اکابر محدثین کا طریقہ نہیں رہا، اس کی وجہ اسانید سے ان کی ناواقفی نہیں، بلکہ موضوع فن کا اختلاف تھا، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

ان تصنیفات کی حیثیت سمجھنے کے لئے چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے سب سے پہلے یہ کہ جب ان تصانیف سے محدثین کا مقصد آپ کے دلائل نبوت جمع کرنا تھا تو یہ کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس اہم باب کی بنیاد وہ دیدہ و دانستہ صرف "موضوعات" اور جعلی دفتروں پر قائم کرتے، البتہ اگر انہوں نے ضعیف حدیثیں جمع کی ہیں تو یقیناً ان کے نزدیک ان کی کوئی مصلحت ضرور ہوگی، اس بات کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فن حدیث کی تصانیف میں محدثین کے اسالیب مختلف رہے ہیں، ان سب کے اصطلاحی نام، اصول حدیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں، مثلاً تصنیف کی ایک قسم وہ ہے جس میں صرف مصطلحہ صحیح حدیثیں جمع کی گئی ہیں، اس قسم کی تصنیف کا نام "صحیح" ہے۔

"الصحیح" کے علاوہ حدیث کی جملہ مصنفات میں ضعیف اور حسن حدیثیں بھی روایت کرنا جائز سمجھا گیا ہے

مثلاً صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن السکن وغیرہ، پھر صحت میں بھی بر

ایک کا مختلف معیار رہا ہے، ہر مصنف کی تالیف پر "الصحیح" کا اطلاق اسی کے معیار کے لحاظ سے ہوتا ہے ان میں بخاری و مسلم کو سب پر فوقیت حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر بخاری کے معیار سے بقیہ محدثین کی "الصحیح" پر نظر ڈالی جائے تو وہ "الصحیح" کی تعریف سے خارج ہو جائیں گی، بلکہ بخاری کے معیار سے مسلم کی بعض صحیح حدیثوں کو بھی "الصحیح" کی تعریف سے خارج کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ مسانید و معاجم و سنن کے عنوانات سے تصانیف ہوئی ہیں، مگر ایک "الصحیح" کے علاوہ جتنی قسمیں بھی تصنیف ہوتی رہیں، ان سب میں صحیح کے ساتھ حسن اور ضعیف کا ذخیرہ بھی شامل ہوتا رہا ہے، امت نے کسی وقت بھی یہ ہمت نہیں کی کہ ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ کو اس لئے ساقط الاعتبار قرار دیدیا جائے کہ ان میں "ضعیف" حدیثیں بھی موجود ہیں حالانکہ ان کتب کا اہم موضوع، احکام کا حصہ تھا، اس لئے اگر اصحاب دلائل نے بھی اپنی تصنیفات میں ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں تو ان پر زیادہ برہم ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، بالخصوص جبکہ انہوں نے ہر روایت کی اسناد بھی ذکر کر دی ہے، اس لئے جب شدت پسند محدثین نے ان پر اعتراض کیا تو علامہ ذہبی نے ان کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ "اگر ان کی کوئی کوتاہی ہو سکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہ انہوں نے ان روایات پر جو "موضوع" تھیں تنبیہ کیوں نہیں کی اور سکوت کیوں کیا؟"۔

مگر اس تنقید کا حق بھی ان کو پہنچتا ہے جو علم و تقویٰ میں ایک دوسرے کی نظیر تھے، ہم جیسے بے علموں کو یہ سمجھنا کافی ہے کہ "علم" کے عروج کے دور میں اگر مستقبل میں "جہل" کے عواقب کسی کے پیش نظر نہ رہیں تو کیا یہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ بڑی بڑی معتبر تصنیفات میں اور بڑے بڑے اماموں کے کلام میں چند جملے ایسے بھی مل جاتے ہیں جن کو آئندہ چل کر گمراہوں نے اپنی گمراہی کی بنیاد بنا لیا مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت ان اکابر کو اس انجام کا وسوسہ بھی گزرا ہوگا، یہاں پہنچ کر یہی کہنا پڑتا ہے یضل به کثیراً و یھدی به کثیراً۔ ایک صحیح بات کسی کے حق میں ضلالت اور کسی کے حق میں باعث ہدایت بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں کہ ان اکابر نے کتب دلائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس حصہ کے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا، جو احکام و عقائد سے نہیں

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نقلِ کل" سے متعلق ہے تو پھر ان میں ضعیف حدیثوں کا تذکرہ جمہور محدثین کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں رہتا۔

سیرت کے تین حصے اور ان کے مراتب کے لحاظ سے ان کے معیارِ صحت کا تفاوت:

اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تین حصے سامنے آتے ہیں ۱- ولادت سے قبل ۲- ولادت کے بعد اور نبوت سے قبل ۳- تیسرا نبوت و بعثت کے بعد ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس سے قبل کے حالات یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر والے یا خاندان کے دوسرے افراد یا کسی راہب یا کسی ہاتف جن یا کسی کاہن یا منجم کے ذریعے سے منقول ہوئے ہیں اور یہی جو بھی ملتا تھا یا مشہرت پر اس کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ تمام طریقے دنیا میں سیرت کی نقل و ترتیب کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں، یہاں شہادت و روایت کی دیگر شرائط تو درکنار سب سے پہلی شرط "اسلام" ہی مفقود ہے، ان کے لئے کون شخص ہے جو روایت کے اسنادی دور کی شرائط کو لازم بلکہ معتبر سمجھے۔ اس کے بعد پھر جب اسلامی دور آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ صفت موصوف شخصیت "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" بن کر سب کے سامنے موجود تھی، ہر شخص اسے اپنے معیار پر اس کو پرکھ رہا تھا اور بڑی آسانی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ رہا تھا، کس کو ضرورت تھی کہ وہ روز مرہ کے چشم دید واقعات کو نقد و تبصرہ کی میزان میں تولنے بیٹھتا، ان حالات میں یہ کون قیاس کر سکتا ہے کہ سیرت کے اس حصے کے متعلق بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ ولادت سے بھی پہلے کا ہے کوئی اسنادی تحقیق کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے حالات کیلئے سند کا مطالعہ کرنا صرف محدثین کا امتیاز ہے

اس لئے بہت ممکن تھا کہ دنیا کے دیگر مشاہیر بزرگوں کی طرح اس کو بھی صرف "عام شہرت" کی بنا پر مدون کر دیا جاتا اور کر دیا گیا جاتا تو جس طرح دنیا کی ان شخصیتوں کے حالات جن پر دنیا کی تاریخ کا مدار ہے، آج تک معتبر

سمجھے جاتے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی معتبر سمجھے جاتے، مگر ہمارے محدثین کی سخت گیری نے آپ کی سیرت کے معاملے میں یہاں بھی سند کا مطالبہ سامنے رکھ لیا اور اپنے زمانے سے لیکر آخر تک جن جن افراد سے وہ واقعات منقول ہوئے تھے ان کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اب آپ کو اختیار ہے کہ ان کے اس تشدد پر آپ محدثین کے ذمہ الزامات لگائیں یا ان کی داد دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تیسرا حصہ وہ ہے جو بعثت کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہے اس کے بھی دو حصے ہیں ایک حصہ "عقائد و اعمال" کا ہے اور دوسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "عام زندگی" کا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں بھی ہم کو دو قسمیں نظر آتی ہیں، ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "خصوصیات" جیسے صوم وصال وغیرہ اور دوسری "اتفاقیہ عادات" اسی بناء پر فقہ میں بھی سنن حدیٰ اور سنن زوائد کے دو عنوان الگ الگ قائم کر دیے گئے ہیں، سنن حدیٰ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت ہے جس کی اتباع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی مامور ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتفاقی عادات تھیں، وہ سنن زوائد میں داخل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کی اتباع کی مکلف نہیں، یہ الگ بات ہے کہ صحابہ میں ایک جماعت ایسی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے اپنے جذبات اور شغف اتباع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "اتفاقیات" میں بھی اتباع کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس حصہ پر جب نظر کی جاتی ہے جو سنن حدیٰ کہلاتا ہے تو اس کے بھی دو پہلو نظر آتے ہیں، ایک وہ جو امت کے متعلق ہے، مثلاً کسی چیز کا حلال، حرام، واجب اور مستحب ہونا، دوسرا وہ جو بندوں کے اعمال کے ثواب وعقاب سے متعلق ہے، مثلاً کسی عبادت کا ثواب یا کسی گناہ کے عذاب کی مقدار یا جنت و دوزخ کے راحت و آلام کا تذکرہ، اگرچہ دین مجموعی لحاظ سے ان دونوں اجزاء کو شامل ہے لیکن جہاں تک اعمال امت کا تعلق ہے وہ صرف پہلی قسم ہے دین کا یہ حصہ جو عمل یا عقیدہ سے متعلق ہے، اس میں بال برابر فرق آنے سے "دین" اور "تحریف دین" یعنی سنت اور بدعت کا فرق پڑ جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بالفرض کسی عبادت کے ثواب یا کسی گناہ کے عذاب میں کچھ نشیب و فراز کر گزرتا

ہے تو اگرچہ بلا شبہ وہ ایک بڑی غلطی کا مرتکب ہے لیکن اس سے دین کے عملی حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے برے عواقب کی ذمہ داری تنہا اسی کی ذات تک محدود رہتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد جب آپ سلف کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ان تمام اقسام اور ان میں فروق کی رعایت کرتے تھے، جہاں ان کے سامنے کسی عقیدہ کی بحث آگئی، بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہاں ان کو لفظی ترمیم کرنی بھی برداشت نہ تھی، اور جب کوئی عمل کا باب آیا بس وہیں کب، کیسا اور کتنا کی بحث شروع ہوگئی، "رفع یدین" "و" "آمین" کے مسائل ہمارے آجکل کے تعلیمی دماغوں کے لئے تو معمولی مسائل ہیں مگر جب آپ صحابہ اور محدثین کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو ان کے نزدیک یہ معرکۃ الآرا مسائل میں داخل نظر آئیں گے، یہ دوسری بات ہے کہ ان کی وجہ سے ان میں نزاعات نہ تھے، جنگ وجدل نہ ہوتا تھا، اور صرف ان فروعی اختلافات کی بناء پر کوئی فرقہ بندی نہ کی جاتی تھی، ان کا یہ اہتمام جو کچھ بھی تھا وہ صرف ایک سنت کی تلاش اور دین کی زیادہ سے زیادہ اتباع کے لئے تھا، حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ احکام وعقائد کی حدیث روایت کرتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا، گلے کی رگیں پھول جاتیں، آواز کانپنے لگتی اور اسی پر بس نہیں بلکہ روایت حدیث کے بعد احتیاط کے جتنے کلمات وہ استعمال کر سکتے تھے کر لیتے، مثلاً "اوکما قال" "نحوہ" "مثلہ" سلام کا ایک معمولی سا مسئلہ جب حضرت عمرؓ کے سامنے آپ کی طرف نسبت کے ساتھ ذکر کیا گیا تو فوراً انہوں نے تہدید آمیز لہجہ میں اس پر شہادت پیش کرنے کا مطالبہ فرمایا، حتیٰ کہ اسی قسم کے واقعات سے محدثین کے ہاں یہ بحث پیدا ہوگئی کہ "خبر واحد" سلف میں حجت سمجھی جاتی تھی یا نہیں، اس کے برخلاف آپ کی زندگی کے عام واقعات تھے وہ ان پر اسی طرح یقین کر لیتے تھے، جس طرح ہمیشہ ان پر دنیا یقین کرتی چلی آئی ہے اور اسی طرح ان کی روایت کرنے میں بھی عرف وعادت کے مطابق آزاد نظر آتے تھے صحابہ کے اس طرز عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے ان مختلف حصوں کی روایت کرنے میں ان کے نزدیک بھی نکتہ وزری کا فرق ملحوظ رہتا تھا، یہ بات الگ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا پہلا حصہ بھی اسناد کے بغیر قابل قبول نہ سمجھا گیا تو نبوت کے بعد کا حصہ کب قابل قبول ہو سکتا تھا، ان ہی فروق کو جو در حقیقت سلف

صالحین کے اپنے صحیح تاثرات تھے، محدثین نے اصطلاحی الفاظ میں ادا فرمایا ہے، ہمارے نزدیک گو مجموعی دین سند کے ساتھ ہی منقول ہوا ہے، مگر جس طرح اس مجموعہ کے اجزاء میں مراتب کا تفاوت تھا، اسی طرح اس کی نقل بھی مراتب تفاوت کا لحاظ رہا ہے اور یہ صرف محدثین کا تساہل ہی نہیں، بلکہ ان کی مراتب شناسی کا نتیجہ تھا اور بالکل معقول تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ ہر جگہ شدت اختیار کرنے سے سیرت اور فضائل اعمال کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اور ہر جگہ تساہل کرنے سے احکام وعقائد کا بڑا بنیادی حصہ بھی مشتبہ ہو جائے گا اس لئے سیرت کے اس حصہ پر بھی وہی نقد وتبصرہ شروع کر دینا، جو احکام وعقائد کی حدیثوں پر محدثین کا معمول رہا ہے، ان کے طریقے سے بالکل ناواقفی ہے۔

احکام وعقائد اور معجزات وفضائل کی حدیثوں کی روایت کے متعلق محدثین کی تصریحات:

محدث صابونی، معجزہ کی ایک روایت پر جرح کر کے لکھتے ہیں:۔

"هو في المعجزات حسن (زرقانی ج ص ۱۷۶)

یعنی معجزات میں وہ روایت اچھی ہے۔

حافظ ابن کثیر اسی سلسلہ کی ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے، بااین ہمہ یہاں ایسے قرائن موجود ہیں، جس کی وجہ سے اس روایت پر صدق وصفا کا نور چمک رہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۳۱۹ ج ۳)

حافظ زرقانی شرح مواہب میں اصول کے طور پر لکھتے ہیں:۔

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد واحکام کے علاوہ دوسری روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔ (زرقانی ص ۲۰۷)

حافظ ابن تیمیہ کی محدثانہ طبیعت سے کون واقف نہیں مگر وہ بہت تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:۔

احکام وعقائد کے متعلق ان ضعیف حدیثوں پر اعتماد کرنا جو صحیح بھی نہ ہوں اور حسن

بھی نہ ہوں جائز نہیں ہے، لیکن امام احمد وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ایسی حدیثیں روایت کی جاسکتی ہیں جن کے متعلق ثبوت کا یقین نہ ہو، بشرطیکہ یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جھوٹی نہیں ہیں، بات یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مشروط ہونا کسی شرعی دلیل سے پہلے ثابت ہو چکا ہو تو اس کے بعد اگر کسی ایسی حدیث میں جس کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو اس کے متعلق کوئی فضیلت مذکور ہو تو اس صواب کے صحیح ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے، لیکن کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کا واجب یا مستحب قرار دینا یہ کسی امام کے نزدیک بھی جائز نہیں اور جس نے یہ کہا ہے اس نے اجماع کے خلاف کیا۔

حدیث کے متعلق جب یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو فضائل میں اس کی روایت کرنا قرین قیاس ہے، لیکن جب یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو پھر اس کی روایت صرف اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حال بھی بیان کر دیا جائے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۰۱)

ملا علی قاریؒ اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں لکھتے ہیں:۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ علماء حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ موضوع روایت خواہ وہ کسی باب کی بھی ہو، بیان کرنا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ اس کا موضوع ہونا بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا جائے، بخلاف ضعیف حدیث کے کہ احکام و عقائد کے علاوہ دوسرے ابواب میں اس کا روایت کرنا جائز ہے، امام نووی، ابن جماعہ، طیبی، بلقینی اور عراقی کا مختار بھی یہی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اپنی مشہور تصنیف مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اہل حدیث اور دوسرے اصحاب کے نزدیک بھی اسانید میں نرمی برتنی جائز ہے، بلکہ موضوع حدیثوں کے علاوہ ہر قسم کی روایت کرنا درست ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شریعت کے احکام اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ ان ضعیف حدیثوں کے ضعف پر تنبیہ کرنا بھی لازم نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مواعظ اور فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کی حدیثوں میں جن کا احکام سے تعلق نہ ہو ضعیف حدیثیں روایت کرنی یہ سب درست ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

ان کبار علماء کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ عام سیرت تو درکنار اعمال کے متعلق فضائل کی حدیثوں میں بھی ضعیف حدیثیں روایت کی جاسکتی ہیں اور یہ کہ حدیث، ''من کذب علی الخ'' کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہاں یہ لکھ دینا کہ ''معجزات'' ہوں یا

فضائل ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس چیز کی بھی نسبت کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو" یہ بالکل خلاف تحقیق ہے، پھر اس کی نسبت امام نووی، ابن جماعہ، عراقی اور بلقینی وغیرہ محدثین کی جانب کرنی یہ ایک علمی سہو ہے اور خلاف واقعہ ہے، فضائل تو درکنار، حلال وحرام کی تمام حدیثوں کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ان کی نسبت ہر جگہ شک وشبہ سے پاک، یہ صرف معتزلہ کی ایک "خوش کن" تعبیر ہے اور بس، علماء شرع کے نزدیک یقین کے ساتھ ظن بھی حجت ہے، تفصیل ہمارے مضمون "حجیت حدیث" میں دیکھ لی جائے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتب دلائل میں اگر ضعیف حدیثیں آگئی ہیں تو یہ اس لئے نہیں کہ یہاں کے مصنفین کا علمی قصور یا تساہل ہے، بلکہ اس لئے کہ ان کا موضوع تصنیف ہی، وسیع ہے اگر یہاں امام بخاریؒ بھی آجائیں تو ان کا مشرب بھی آپ کو اتنا ہی وسیع نظر آئے گا، اسی طرح اگر یہی اصحاب دلائل احکام وعقائد کے باب میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو وہ بھی شدت پسند نظر آئیں گے، آخر "الصحیح" کو چھوڑ کر "ادب المفرد" اور تاریخ صغیر وکبیر اور جزء رفع الیدین وغیرہ امام بخاریؒ ہی کی تصانیف تو ہیں، پھر ان کے تشدد کا معیار یہاں وہ کیوں نہیں رہا؟ کیا یہاں ان پر تساہل کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث موضوع اور اس کی روایت کرنا:

یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس حدیث کو اصطلاح میں موضوع کہا جاتا ہے، محدثین نے کسی تنبیہ کے بغیر اس کی روایت کرنے کو مطلق حرام قرار دیا ہے، اس میں کسی حصہ کی کوئی تفریق نہیں ہے، اور کیسے تفریق کی جاسکتی تھی، جبکہ کذب شریعت میں یوں بھی ایک بدترین جرم سمجھا گیا ہے، اور جب اس جرم کا ارتکاب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہو تو اس کی قباحت اور شناعت کا خود اندازہ کر لیجئے اسی کا نام عرف محدثین میں "موضوع" ہے اور اس کے وضع پر تنبیہ کئے بغیر اس کی روایت کرنا بھی بڑی فروگذاشت ہے، اس میں احکام وعقائد ہوں یا اعمال وفضائل کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو درکنار دنیا کے کسی عام سے عام شخص کے متعلق بھی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے اور درحقیقت من کذب علی متعمدا کا مصداق یہی تعمد کی صورت ہے، یعنی جان

بوجہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی جھوٹ کی نسبت کی جائے خواہ وہ آپ کے کسی بھی شعبۂ زندگی کے متعلق ہو، ضعیف حدیثوں کو بھی اسی لپیٹ میں لے لینا جن کا ایک ایک راوی بیان کر دیا جائے یہ بالکل خلاف تحقیق اور مذہب جمہور کے مخالف ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ امام احمدؒ کی مسند میں حدیثوں کے روایت کرنے کے معیار کو اپنے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:-

امام احمد کا جو طریقہ روایت ان کی مسند میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی حدیث کو موضوع یا موضوع سے قریب پاتے ہیں، پھر اس کی روایت نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت سے راویوں کی حدیثیں قلمزد کر دیں اور انہیں مسند میں ذکر نہیں کیا۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۷۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسند میں جو حدیثیں امام احمد نے قلمزد کی ہیں، وہ صرف وہی ہیں جو موضوع یا اس کے قریب تھیں، عام ضعیف حدیثیں اپنی مسند سے خارج نہیں کیں، پھر ہر ضعیف حدیث کی روایت کو حرام قرار دیدینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے، کیا مصنفین "دلائل" کے ساتھ امام احمدؒ کو بھی اسی فہرست میں داخل کرنے کی جرأت کی جاسکتی ہے؟

محدثین کی اصطلاح میں ضعیف حدیث کی تعریف:

محدثین کے نزدیک ہر حدیث جس میں صحیح و حسن کی شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ "ضعیف" کہلاتی ہے، مگر اس پر موضوع کا اطلاق اس وقت تک ہرگز نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس میں راوی کا کذب ثابت نہ ہو جائے، لہٰذا یہاں زور قلم میں آکر ہر ضعیف حدیث پر "موضوع" کا اطلاق کر دینا محدثین کی اصطلاح سے لاعلمی ہے، اور ہر ضعیف حدیث کی روایت کو لغو، جھوٹ اور جعلی دفتر کہہ کر حرام قرار دے دینا بھی فن کے معمولی قواعد سے انتہائی ناواقفی ہے۔

حدیث ضعیف کی دو قسمیں مقبول اور مردود:

محدثین نے ضعیف حدیث کی بھی دو قسمیں کی ہیں اور اس کے حالات بھی مختلف لکھے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کے ساتھ کچھ قرائن اور شواہد ایسے جمع ہو جاتے

ہیں جو اہل فن کے نزدیک اس کو قابل اعتبار بنا دیتے ہیں، اور کبھی ایسے قرائن جمع نہیں ہوتے، پہلی صورت میں وہ ضعیف ہونے کے باوجود "حدیث مقبول" کی قسم میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ میت کو دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وروی فی تلقین المیت بعد الدفن حدیث فیه نظر لکن عمل به رجال من اهل الشام الاولین مع روایتهم له فلذلک استحبه اکثر اصحابنا و غیرهم (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۲۶)

دفن کے بعد تلقین میت کے بارے میں جو حدیث مروی ہیں اس میں کلام کیا گیا ہے، مگر چونکہ شام کے اہل علم اس کی روایت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اس لئے اکثر حنبلی علماء نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل تو درکنار بعض مرتبہ ضعیف حدیث احکام و مسائل کے باب میں بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ وہاں قرائن ایسے موجود ہوں اور جہاں یہ قرائن جمع نہیں ہوتے، اس کو اصطلاح میں "مردود" کہتے ہیں، محدثین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر لغو، جھوٹ جیسے قبیح الفاظ کا اطلاق کرنا درست ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب تک اس کا حال واضح نہ ہو جائے، اس پر عمل نہ کیا جائے (دیکھو شرح نخبۃ الفکر وغیرہ)

صحیح وضعیف کے معنی میں محدثین کی اصطلاح اور اردو کے استعمال میں فرق کرنا لازم ہے:

یہاں صحیح وضعیف کے اطلاق کرنے یا انکار کرنے میں اردو کے استعمال کا فرق ملحوظ رکھنا بھی بہت اہم ہے، اردو کے استعمال میں ہر اس بات کو جو اہل فہم و عقل کے نزدیک قابل اعتبار ہو کسی اعتراض کے بغیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، خواہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی ہلکے سے ہلکے معیار پر بھی اس کو صحیح نہ کہا جا سکے، اس کے مقابلے میں صحیح نہ ہونے کا مطلب اردو میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بات نا قابل اعتبار ہے، لیکن محدثین کی اصطلاح میں صحت

کے لئے خاص خاص شرائط ہیں اور پھر اس کے اندر بھی مختلف مراتب ہیں اس کے بعد پھر حسن کا درجہ ہے اور اس کے بھی بیشمار مدارج ہیں، اس کے بعد پھر ضعیف کا درجہ ہے اور اس میں بھی مراتب کا حال یہی ہے، جن میں سے ضعیف حدیث کبھی کبھی مقبول بھی شمار ہو جاتی ہے اس لحاظ سے محدثین کی اصلاح کے مطابق کسی حدیث پر یہ حکم دیکھ کر کہ وہ صحیح نہیں ہے، اس کا مردود ہونا سمجھ لینا یہ بالکل غلط ہوگا اس کے برخلاف اردو کے محاورہ میں اس کے صحیح نہ ہونے کا یہی مطلب سمجھا جائے گا کہ وہ ناقابل اعتبار ہے اور مردود ہے، بلکہ اگر کسی کے سامنے یہ کہا جائے کہ امام بخاری و مسلم نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے تو ایک اردو خواں اس مغالطہ میں بھی بجا طور پر پھنس سکتا ہے کہ جب یہ بات ان جیسے اکابر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں تو وہ یقیناً بالکل جھوٹ، لغو اور افترا ہوگی، حالانکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس کی صحت کا انکار جتنے بڑے محدث سے منقول ہوگا، اسی قدر اس سے ہلکے معیار والے محدث کے نزدیک اس بات کی صحت کا احتمال باقی رہے گا، اس لئے معجزات کی حدیثوں پر جہاں محدثین کی جانب سے "لا یصح" کا حکم منقول ہے، اس کے اردو ترجمہ کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے، ورنہ محدثین کی اصطلاحات سے ناواقف لوگوں کو ہمیشہ یہاں یہ مغالطہ رہ سکتا ہے کہ یہ روایات سب بے سروپا اور لغو ہیں، بلکہ اسی مغالطہ میں بعض تعلیم یافتہ بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور ان کو بھی اس نکتہ سے غفلت رہ سکتی ہے کہ محدث کے کسی حدیث کی صحت سے انکار کا مطلب وہ نہیں ہے جو اردو میں اس سے انکار کا مطلب سمجھا جاتا ہے۔

ضعیف یا موضوع ہونے سے حدیث کا مطلقاً موضوع یا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا:

ان علمی مباحث اور فنی اصطلاحات کو ایک اردو تصنیف میں اور کہاں تک طول دیا جائے اصول حدیث میں اس کی بھی تصریح ہے کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعف کا حکم لگا دینے سے اس حدیث کا مطلقاً ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات وہ حکم صرف اس اسناد کے لحاظ سے ہوتا ہے جو اس وقت اس محدث کے سامنے ہوتی ہے، لہٰذا ہو سکتا ہے

کہ ایک ہی حدیث کو ایک اسناد کے لحاظ سے "ضعیف" کہہ دیا جائے اور دوسری اسناد کے لحاظ سے وہ "قوی" ہو، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے بعض حدیثوں پر ضعف کا حکم لگایا ہے حالانکہ خارج میں وہ صحیح اسناد سے ثابت ہیں، یہاں ایک ناواقف شخص تو حیرت میں پڑ جاتا ہے، مگر اہل فن سمجھ لیتا ہے کہ امام موصوف کا یہ حکم اس خاص اسناد پر ہے۔

نکتہ:

اور یہی وجہ ہے کہ بعض حدیثوں پر بڑے بڑے محدثین نے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے لیکن جن حفاظ کو اس کی اچھی سند مل گئی ہے، انہوں نے اس حکم کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ صرف اسی سند تک محدود سمجھا جو اس وقت موضوع کہنے والوں کے سامنے تھی اس کے شواہد اسی کتاب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گے۔

محدثین کی اصطلاح میں "لا یصح" اور "لا یثبت" کے درمیان بڑا فرق ہے اور اس سے بھی حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا:

مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے رسالہ "الرفع والتکمیل" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"بسا اوقات محدثین کسی حدیث کے متعلق لا یصح اور لا یثبت کا لفظ فرما دیتے ہیں، ناواقف اس سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے، یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ حافظ نورالدین فرماتے ہیں:

امام احمدؒ نے اس حدیث کے متعلق جو عاشورا کے دن اپنے عیال پر وسعت کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہے لا یصح کا لفظ فرمایا ہے، مگر ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث گو صحت کے رتبہ کی نہ ہو مگر قابل استدلال ہوتی ہے، کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ایک درجہ "حسن" کا بھی ہے۔

اسی طرح حافظ زرکشی نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں کہ:

ہمارے "لایصح" اور "موضوع" کہنے میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ "موضوع" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں راوی کا جھوٹ اور وضع ثابت ہو گیا اور "لایصح" کے لفظ میں صرف اپنے علم میں صحت کی نفی کا حکم ہے، یعنی فلاں حدیث ہمارے علم میں ثابت نہیں ہوئی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "اس کا نہ ہونا" یہ ہمارے علم میں ثابت ہے، یہی بات ان تمام حدیثوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے جن کے بارے میں ابن جوزی نے "لایصح" کا حکم لگا دیا ہے۔

اسی طرح حافظ قسطلانی نے شب نصف شعبان کی حدیث کے متعلق حافظ ابن رجب سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان اس کو صحیح کہتے تھے۔

حافظ زرقانی کہتے ہیں کہ:

ابن حبان کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن دحیہ کا اس شب کی فضیلت کے متعلق مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ "لم یصح فیھا شیء" یعنی اس کے متعلق کوئی حدیث بھی صحت کو نہیں پہنچی، درست نہیں تھا، ہاں ابن دحیہ کا یہ حکم اس وقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ جبکہ "لم یصح" میں صحت سے مراد "صحت اصطلاحی" کی نفی لی جائے، کیونکہ بلاشبہ معاذ کی جو حدیث اس شب کی فضیلت میں روایت ہوئی ہے وہ صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی، لیکن وہ "حسن" ضرور ہے (مجموعہ بیان ات مقدمہ ص ۲۲)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

محدثین جب کسی حدیث کے متعلق یہ حکم لگاتے ہیں کہ وہ "ضعیف" ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس پر صدق کا حکم لگایا نہیں جا سکتا، اس کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ صرف اتنی بات سے اس کے راوی پر کذب کا حکم لگا دیا جائے اور جو مضمون اس نے نقل کیا ہے اس کی نفی کر دی جائے، اگرچہ اس نفی کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو، لہٰذا اس قسم کے مقامات پر ہم سکوت کریں گے، نہ اس کے ثبوت کا حکم لگائیں گے اور نہ نفی کا، اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کیونکہ بہت سے لوگ کسی بات کی مدلل نفی کرنے میں اور

بے دلیل بات پر ثبوت کا حکم نہ لگانے میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے، اور ہر ایسی بات کی نفی کر ڈالتے ہیں، جس کا ثبوت ان کے علم میں نہیں ہوتا اور "لا تقفف ما لیس لک بہ علم کے خلاف کرتے ہیں (دیکھو ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۸)

اگر مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا تو کتب دلائل کی حدیثوں کے متعلق لغو، جھوٹ کے الفاظ جس کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں یقیناً وہ اس سے کئی درجہ گھٹ جاتے اور اگر اس کی رعایت بھی کر لی جائے کہ بعض مرتبہ وضع وضعف کا حکم پوری روایت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف کسی زیادتی کے اعتبار سے ہوتا ہے، جو بعض راویوں نے بڑھا دی ہے تو ضعیف حدیثوں کی تعداد اور بھی کم ہو جائے گی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو دین تیرہ سو ۱۳۰۰ سال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ لیکر منتقل ہو رہا ہے اس کے متعلق ہر جگہ اعلیٰ معیار کی شرط صرف وہ شخص لگا سکتا ہے جو نہ تو دین کی تفصیلات پر نظر رکھتا ہو نہ اس کی تبلیغ کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، وہ صرف لفظی دنیا میں بسر کرتا ہے وہ صرف مذبذبین کے قلوب کو ان خوش کن تعبیرات سے مسخر تو کر سکتا ہے لیکن عملی دنیا میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، بلکہ چلنا چاہتا بھی نہیں، اسی لئے محدثین نے مختلف مراتب اور مختلف شرائط کی تصانیف فرمائی ہیں ان میں صحیح سے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی بھی ہیں اور متوسط معیار کی بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جن میں ضعیف حدیثیں شامل ہیں اگرچہ ان کی ضعیف حدیثیں بھی مورخین دنیا کی صحیح سے صحیح خبروں سے بھی کہیں زیادہ قابل اعتبار ہیں، بلکہ موضوعات پر بھی مبسوط اور مستقل تصانیف فرمائی ہیں جن میں ان احادیث کے متعلق اپنی اپنی آراء کو ظاہر فرمایا ہے، اور ان احادیث کے موضوع ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی کلام کیا ہے۔

تنبیہ:

حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ ہمارا کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانا بھی قطعی نہیں ہوتا، بلکہ صرف اپنے علم پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل بیان کی ہے، مراجعت کی جائے، اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فن حدیث بازیچۂ اطفال نہیں، لہذا یہاں احتیاط میں ضعیف حدیثوں کو مطلقاً لغو اور جھوٹ کا دفتر قرار دے دینا صرف نظر کا

قصور ہے، جس طرح صحت کا حکم لگانا علم وتقویٰ کا محتاج ہے، اسی طرح کذب اور باطل کا حکم لگانا بھی علم وتقویٰ کا محتاج ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ کے سامنے جب کوئی ضعیف حدیث آتی اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو اگرچہ وہ ان کا مختار نہ ہوتی مگر کم از کم ایک مرتبہ وہ اس پر بھی عمل کر لیتے، مبادا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اور ہمارے قصور علم کی وجہ سے صحیح طریقہ پر ہم کو نہ پہنچا ہو۔

امام احمد اور دیگر ائمہ کی نظروں میں حدیث ضعیف کی اہمیت کی وجہ

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے کہ حدیث ضعیف کی ائمہ و محدثین کے نزدیک اہمیت کیوں ہے؟ وہ خوب جانتے ہیں کہ ضعیف ہونے کا حکم جس معیار پر لگا دیا جاتا ہے اس سے کسی خبر کا نفس الامر میں باطل اور بے اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان کا ثبوت بھی دنیا کی معتبر خبروں سے زیادہ مضبوط طریق پر موجود ہوتا ہے مگر چونکہ محدثین کے اس سخت معیار پر وہ پورا نہیں اترتا جو انہوں نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لئے مقرر کیا ہے، اس لئے وہ اس معیار کے مطابق اس کو اصطلاحاً ''صحیح'' نہیں کہہ سکتے اور بعض مرتبہ اس کے ضعیف ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ وہ یہ تصریح بھی کر جاتے ہیں کہ اس کو ضابطہ میں گو صحیح نہ کہا جائے مگر دوسرے قرائن کے لحاظ سے وہ قابل تسلیم ہے، اس لئے ضعیف حدیثوں کی وجہ سے کتب دلائل کی حیثیت آج کل کے مولود شریف کی موضوع کتابوں کے برابر سمجھ لینا اصطلاحات سے ناواقفیت کے سوا ان کی علمی ناقدری بھی ہے اور اس قیمتی ذخیرہ کا تلف کر دینا جو ہمارے دین سے متعلق ہے، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکم شرعی اپنی جگہ ثابت شدہ ہو اور جو ''ضعف'' ہم کو اس میں نظر آ رہا ہے وہ ہماری روایت اور درایت کے مطابق ہو۔

کتب دلائل کو مروجہ میلاد شریف کے دور کی تالیفات سمجھنا ایک علمی اور تاریخی فروگذاشت ہے

جہاں تک ہم کو معلوم ہے مولود شریف کی مجالس کے سب سے پہلے باضابطہ سجانے

والے ملک مظفر ابو سعید ہیں، جن کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی ہے (دیکھو شرح المواہب ج۱ ص۱۳۹)
اس لحاظ سے ان مجالس کا رواج بظاہر چھٹی صدی کے آخر سے شروع ہوا ہوگا، اس کے بعد پھر الناس علیٰ دین ملوکھم کے ضابطے کے موافق شدہ شدہ ان کا رواج عام پڑ گیا ہوگا، چونکہ کتب دلائل کی اکثر تالیفات تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے ابتداء میں ہوئی ہیں، اس لئے ان کا زمانہ بظاہر مولود شریف کے رواج عام سے پہلے پہلے کا زمانہ ہے، لہٰذا ان ائمہ حدیث کے متعلق حسب ذیل کلمات لکھ دینا ان کے حق میں ناحق کی بدگمانی تو ہے ہی، ایک تاریخی فروگزاشت بھی ہے۔
(کتاب دلائل) "یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے"۔
"ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر نہیں رکھیں یا یوں کہو کہ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا"۔
"ان روایتوں کا بڑا حصہ انہیں کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں"
"بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں علانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہیں کے مثل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں، اس لئے لوگوں نے انہیں ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا"۔
"یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتاب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دے دیا ہے"۔
"معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت ۔۔۔۔۔ میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعات قرار دے دیا ہے"۔

یا مثلاً حافظ ابن عساکر جیسے شخص کو ضعیف روایتوں کا سرپرست یا مثلاً حافظ ابن حجر جن کو محدثین نے "حافظ الدنیا" کا لقب دیا ہے، ان کے متعلق یہ لکھنا:۔

"ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کا سہارا اور پشت پناہ"۔

روایات پر تنقید علیحدہ چیز ہے اور محدثین کبار کی شان میں یہ زبان کھلنا بالکل دوسری بات ہے، اس کا نتیجہ محدثین سے بداعتمادی کے سوا اور کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مستدرک حاکم کا صحیح مقام محدثین کی نظروں میں:

بعض شدت پسند محدثین کی مستدرک پر سخت نکتہ چینی کی وجہ سے یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ عام محدثین کے ہاں بھی مستدرک کا گویا کوئی وزن ہی نہیں حتیٰ کہ کسی روایت کا مستدرک میں ہونا بس یہی اس کے ضعف کا سب سے بڑا ثبوت ہے، حالانکہ یہاں حاکم کا علمی پایہ اور مستدرک کی تعریف کا لحاظ رکھنا بھی لازم تھا، اتنے بڑے شخص کی اتنی بڑی ضخیم تصنیف کو صرف ضعیف اور موضوعات کا ذخیرہ سمجھ لینا یہ بڑی حقیقت ناشناسی ہے، حافظ ذہبی، جنہوں نے خود تلخیص المستدرک کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس غلط فہمی کو دور فرمادیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

مستدرک حاکم میں ایک بڑا حصہ وہ ہے جو "شیخین کی شرط" پر ہے اور ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ان دونوں میں صرف "ایک کی شرط" پر ہے ان دونوں کے مجموعہ کی مقدار تقریباً نصف کتاب کے ہوگی، اس کے علاوہ چوتھائی کتاب دوسری "صحیح حدیثوں" پر مشتمل ہے جس میں کچھ کلام کی گنجائش ہو سکتی ہے، اب رہا بقیہ چوتھائی تو بیشک اس میں منکر اور واہیات حدیثیں ہیں جو صحیح نہیں اور ان ہی میں کچھ موضوعات بھی شامل ہیں، امام سیوطیؒ نے ان کی تعداد تدریب میں کل سو حدیث لکھی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۳۰)

اور ان سے قبل حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے الفاظ میں اس کا اقرار فرمایا ہے۔

اور اسی طرح حاکم بھی ہیں جو اپنی مستدرک میں بہت سی حدیثوں کو صحیح لکھ جاتے ہیں، اور محدثین کے نزدیک وہ "موضوع" ہوتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم نے مرفوع بنا دیا ہے، اور درحقیقت نہیں وہ موقوف ہی صحیح ہے کہ محدثین صرف موقوف ہی کو صحیح

حدیث کا فیصلہ نہیں کرتے اگرچہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جس حدیث کو حاکم صحیح کہتے ہیں وہ صحیح ہوتی ہے لیکن ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت غلطی کھاتا ہو، اگرچہ عام طور پر اس کا حکم صحیح ہو۔ (العواصم والقواصم ص ۸۰-۸۱)

ان دو حافظوں کے بیان سے یہ بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مستدرک کی صحت، اگرچہ بخاری و مسلم کی طرح علی الاطلاق مسلم نہ ہو، لیکن اتنی بے بنیاد بھی نہیں جتنا کہ عام لوگوں میں اس کی شہرت اڑ گئی ہے، بلکہ حاکم کی تصحیح اکثر مقامات پر صحیح اور معتبر ہے اور جہاں صحیح نہیں ہے، ان میں بھی سب حدیثیں موضوع نہیں ہیں، بلکہ بعض جگہ حاکم نے صرف تساہل کیا ہے کہ موقوف حدیث کو مرفوع کر دیا ہے اور یقیناً بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ اگر حاکم اپنی تالیفات کے متعلق "استدراک علی الصحیحین" کا دعویٰ نہ کرتے تو اعتراضات کی جو بوچھاڑ ان پر اب ہوئی ہے یہ شاید نہ ہوتی، اب ایک طرف تو ان کا دعویٰ استدراک علی الصحیحین کا ہے، جن کی صحت ضرب المثل ہو چکی ہے، دوسری طرف تمام حدیثوں میں وہ معیار قائم نہیں رہا، اس لئے فطرۃً ان کی تصحیح پر نظریں سخت ہو گئیں ہیں، ورنہ اگر حاکم، مستدرک کا نام صرف "الصحیح" رکھتے اور ان حدیثوں کے صحیحین کے معیار پر ہونے کا دعویٰ نہ کرتے تو جس شدت سے ان پر اب تنقید کی گئی ہے، یہ نہ کی جاتی، اسلئے آپ دیکھیں گے کہ ذہبی تعقبات میں کہیں تو صرف یہ لکھ دیتے ہیں کہ لیس علیٰ شرطھما یعنی یہ حدیث صحیحین کی شرط پر نہیں ہے اور کہیں لیس علیٰ شرط مسلم یا علیٰ شرط الصحیح کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ہر جگہ حدیث پر فی نفسہ حکم لگانا نہیں بلکہ یہ تنبیہ کرنی بھی ہوتی ہے کہ فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی شرط یا دونوں کی شرطوں پر نہیں ہے، اس لئے اس کو مستدرک میں درج کرنا صحیح نہیں، لہٰذا ان کے مواخذے سے ہر جگہ یہی اخذ کر لینا کہ وہ اس حدیث کے خلاف ہیں بہت سطحی نظر ہے، لہٰذا جو معجزات مستدرک میں مذکور ہیں، ان کے متعلق شروع سے یہی بدگمانی کر لینی کہ وہ ضرور ضعیف ہوں گے، اور تلاش کر کے ان میں اسباب ضعف نکالنا یہ صرف مزاجی خشکی کا نتیجہ ہے، یہاں اگر صرف ایک طرف حاکم کے متعلق صحیح احادیث

میں تساہل کی شہرت ہے تو دوسری طرف شدت پسندی میں ابن جوزی کی شہرت بھی اس سے کم نہیں ہے، حتیٰ کہ بعض بخاری کی حدیثوں پر بھی انہوں نے "وضع" کا حکم لگا دیا ہے، اس لئے یہاں بھی محدثین کی ان حدیثوں کو علیحدہ ذکر کرنا پڑا ہے جو در حقیقت صرف ابن جوزی کے مزاجی تشدد کی بناء پر موضوعات کی فہرست میں درج کر دی گئی ہیں، پھر اسی پر بس نہ کر کے بلکہ یہاں وضاعین و کذابین کی اس تمام تاریخ کو لکھ ڈالنا جس سے ان مقدس محدثین کے دامن کے بھی ملوث ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے تحقیق کی بڑی کوتاہی ہے اور تصنیفی لحاظ سے بھی بے محل بحث ہے، میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ کتب دلائل میں ضعیف حدیثیں نہیں ہیں اور نہ ضعیف حدیثوں کی علی الاطلاق تائید کرنا چاہتا ہوں، بلکہ میرا مقصد صرف یہ تنبیہ کرنا ہے کہ فنی لحاظ سے کتب دلائل کا صحیح مقام پہچانئے اور اس کے رد کرنے میں جو طرز نگارش اختیار کیا جائے وہ بیانہ ہونا چاہئے جو خلاف واقعہ بھی ہو اور خطرناک بھی ہو۔

کسی غیر ثابت شدہ حدیث کی تحقیقی طور پر تصدیق نہ کرنے کے اعتذار میں اور جزم کے ساتھ اس کا انکار کر دینے کے دلائل جمع کرنے میں بہت بڑا فرق ہے، اگر عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بد ذوق شخص یہاں معجزات کے لئے بھی احکام و عقائد کی حدیثوں کی طرح صحت کے شرائط لگانا چاہتا ہے تو لگائے، مگر جمہور کے خلاف یہاں منکر معجزات کو ٹھیک "فن" بنا ڈالنا اور اس کے ابواب و فصول کو اس طرح مدون اور مبرہن کرتے چلے جانا کہ نہ صرف ان معجزات سے بلکہ تمام کتب دلائل سے اور نہ صرف کتب دلائل سے بلکہ ان کے مصنفین سے بھی بد اعتقادی پیدا ہو جائے یہ بہت مہلک غلطی ہے یہاں ایک سیدھی اور سچی سی بات بھی لکھی جا سکتی تھی کہ مولود خوانوں اور عام واعظوں نے صرف عوام کی دلچسپی کی خاطر کتب دلائل میں سے چھانٹ چھانٹ کر صرف وہی روایات پھیلانی شروع کر دی ہیں جو ان میں سب سے زیادہ ضعیف اور ان محدثین کے نزدیک بھی غیر معتبر تھیں، بس اتنی بات سے ایک صحیح حقیقت بھی ادا ہو جاتی اور کتب دلائل اور ان کے مصنفین سے کوئی بدظنی بھی پیدا نہ ہوتی، اس کے برعکس ضعیف اور موضوع روایتوں کے ساتھ معجزات کی معتمد روایات کو لپیٹ دینا، بلکہ ان کے مصنفین پر بھی سخت سے سخت تنقید کر جانا بلکہ گروہ محدثین ان پر

نکتہ چینی کی جوابدہی کرتا نظر آئے تو اس کو بھی قبول نہ کرنا اور یہ لکھ دیا کہ:-

''لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ نہیں اس کی خاموشی (یعنی حدیثوں کے متعلق صحت وضعف کا حکم بیان نہ کرنا، خدا انہیں معاف کرے) آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے''۔

بہت زبردست مواخذہ ہے، بلکہ ہم جیسے علم وفہم رکھنے والے کیلئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے "ان لحوم العلماء مسمومة"۔ (علماء کے خون زہریلے ہیں ان کی غیبت وتوہین اپنا اثر دکھا کر رہتی ہے)

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ معجزات میں سے جو سب سے زیادہ بعید از عقل معجزات نظر آتے ہیں وہ قرآنی معجزات ہیں، اس کے بعد وہ ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اور اس کے بعد ان معجزات کا نمبر ہے جو اور کتب میں مذکور ہیں، اس لئے کتب دلائل پر بے وجہ ہاتھ صاف کرنے کا کوئی خاص نتیجہ بھی نہیں نکلتا، اگر قرآنی اور صحیحین کے وہ بالاتر از عقل معجزات قابل تسلیم ہوں تو پھر "ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر" سمجھ لیجئے مگر افسوس اور صد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن اصحاب کو علم نبوت سے مناسبت نہیں تھی، انہوں نے قرآنی معجزات کو بھی نہیں بخشا اور ان کو بھی ایسا بنا ڈالا ہے کہ اگر کوئی پیاسا کلام اللہ میں اس کے متکلم کی صفات کا جلوہ دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس میں بھی نہ دیکھ سکے، یہ داستان بہت دردناک ہے اور تفصیل چاہتی ہے، اس لئے اس داستان غم کا لپیٹ دینا ہی بہتر ہے۔ واللہ المستعان۔

اب آیئے آخر میں ہم آپ کے سامنے کتب دلائل کے متعلق بعض ان علماء کی رائے بھی نقل کرتے ہیں جو نقد وتبصرہ میں ضرب المثل ہیں، حافظ ذہبیؒ امام بیہقی کی دلائل النبوة کے متعلق فرماتے ہیں:-

(۱) علیک به فانه کله هدی و نور۔ (شرح المواہب ج ۱ ص ۶۲)

دیکھو اس کتاب سے ذرا غفلت نہ کرنا کیونکہ وہ از اول تا آخر ہدایت ہی ہدایت اور نور ہی نور ہے۔

(۲) حافظ سبکی اس کے متعلق قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ بے نظیر کتاب ہے۔

(۳) حافظ ابن تیمیہؒ جو اپنی ناقدانہ نظر میں مشہور ہیں کتب دلائل کے متعلق فرماتے ہیں:۔

یہ وہ کتابیں ہیں، جن میں معجزات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی وہ حدیثیں بھی اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اگر ان کو متواتر کہہ دو تو بھی بیجا نہیں، مثلاً حجۃ الوداع اور عمرہ حدیبیہ کی حدیثیں۔ (الجواب الصحیح ج ۴ ص ۲۲۳)

حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کتب کی روایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے "تواتر" کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور ان کا یہ بیان بھی اس تصنیف میں ہے جو انہوں نے ایک بڑے پادری کی تردید میں لکھی ہے اور ان تمام معجزات کا ذکر کیا ہے، جن کو ہمارے دور کے ناقدین مجروح کر کے چلدیئے ہیں، کیونکہ حافظ موصوف پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کے عجائبات کا جو انبار اپنے پیشواؤں کی طرف منسوب کرتے اور ان پر یقین رکھتے ہیں، وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابلہ میں ثبوت کا کوئی پایہ نہیں رکھتے اور نہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ان کے برابر ثابت ہو سکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ جنہوں نے کتب محدثین کے طبقات لکھے ہیں، انہوں نے بھی کتب دلائل کے ذکر کردہ معجزات کو اعتبار کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں درج فرمایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اسی قسم کی ایک روایت لکھ کر فرماتے ہیں:۔

"اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی موجود ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے بااین ہمہ یہاں ایسے قرائن بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے اس پر صدق و صفا کا نور چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ (البدایہ ج ۶ ص ۳۱۹)

اس بیان سے حافظ موصوف کے علم اور ان کی دیانت کے ساتھ ان کی فہم و فراست اور محدثانہ تجربے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بخاری شریف کی شروح میں اس وقت جو سب سے عمدہ شرح سمجھی گئی ہیں وہ دنیا کے دو بڑے حافظوں کی ہیں یعنی حافظ بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رہی شرح حافظ قسطلانیؒ تو وہ ان دونوں شرحوں پر مبنی ہے جو شخص ان شروح کا مطالعہ کرے گا وہ یہ دیکھے گا کہ ان حفاظ نے کیسے کیسے آڑے موقعوں پر اور کتنی کثرت کے ساتھ کتاب دلائل

کی روایات سے مدد لی ہے، کسی روایت سے راوی کا نام، کسی سے مقام کا نام اور کسی سے بعض ضروری تفصیلات علم میں آجاتی ہیں، ان کے علاوہ "متابعات" اور "شواہد" کا بڑا ذخیرہ ان ہی کتب سے فراہم ہوتا ہے یہ دیکھ کر ان کتب کے مصنفین کے لئے ہمارے دل سے تو بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں، ہمارے نزدیک عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر رطب و یابس (بقول ناقدین) کا انبار لگانے والے یہ محدثین وہی ہیں جنہوں نے طبقات حدیث مقرر فرمائے اور فن جرح وتعدیل کی بنیاد ڈالی ہے تو پھر انصاف کی نظروں میں ان کا لگایا ہوا یہ انبار قابل صد تحسین وشکریہ ہونا چاہئے۔

حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:-

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث ظاہری حالت کے لحاظ سے سقیم ہوتی ہے مگر ایک محدث اپنے طویل تجربہ اور حدیثی ذوق کے لحاظ سے اس کو درست سمجھتا ہے اگرچہ اس کے پاس اس کے لئے کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہوتی، اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ایک صراف کہ وہ ایک زنگ آلود اور بظاہر کھوٹے روپیہ کو چٹکی لگا کر پہچان لیتا ہے کہ اگرچہ اسکی آواز خراب ہے مگر اس کی چاندی کھری ہے۔

اس کا حاصل تمام قواعد کو بیکار اور معطل ٹھہرا دینا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے تجربے کی بناء پر قواعد مرتب کئے ہیں اگر وہی اپنے تجربے کی بناء پر اپنے ذوق سے کسی ضعیف حدیث کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو ان کے مقررہ قواعد کی طرح ان کا یہ حکم بھی قابل تسلیم ہونا چاہئے، اصل یہ ہے کہ منتشر جزئیات اور ذوقی امور، ضبط وقید میں کبھی نہیں آسکتے، اس لئے ایک طرف قواعد کی حکومت اپنی جگہ چلتی رہتی ہے اور دوسری طرف وجدان ذوق کا حکم بھی اپنی جگہ نافذ رہا کرتا ہے، بدذوق بے علم دونوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور صاحب ذوق عالم دونوں سے برابر کا فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، اسی طرح بعض مرتبہ ایک حدیث کی اسناد بالکل کھری نظر آتی ہے، لیکن اس میں کوئی ایسا خفیہ "روگ" ہوتا ہے جو علم وضوابط کے تحت نہیں آتا اس کو بھی محدثین ہی پہچانتے ہیں اور اس کی بناء پر اس اچھی خاصی حدیث کو "معلول" قرار دیدیتے ہیں، حتی کہ محدثین نے اس کو بھی فن کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے، اور مختلف محدثین

نے "کتاب العلل" کے نام سے مختلف تصانیف فرمائی ہیں، اس لئے میرا عقیدہ تو ان محدثین کے متعلق طویل تجربہ کے بعد اب وہی ہے جو کسی شاعر کا اپنے رندوں کے متعلق ہے۔

رند جو ظرف اٹھالیں وہی پیمانہ بنے جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

(اصغر گونڈوی)

جس شخص کے قلب میں ان محدثین کے لئے شکر گزاری کے ہزاروں جذبات موجزن ہوں اسکے قلم میں ان پر نکتہ چینی کے لئے بھلا روشنائی کہاں؟ یغفر الله لهم ورفع درجاتهم في اعلى العليين مع النبيين و الصديقين و الشهداء والصالحين۔

معجزات اور صاحب معجزات کے دور کا ذوق

یہاں ایک کھلی ہوئی بات پر تنبیہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو بدیہی ہونے کے باوجود پھر نظری بن گئی ہے، یعنی یہ کہ صحابیت کا دور بعثت کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے، اس لئے آپ کی سوانح حیات کے قبل از بعثت واقعات کا علم اور ان کے بلا واسطہ روایت کرنے والے اصحاب کب مل سکتے ہیں، پھر جب اس دور کی بنیاد پڑی تو مکی زندگی جس صورت سے گزری وہ سب کے علم میں ہے اس کے بعد جب ہجرت کا دور آیا تو لیل و نہار "غزوات" اور "سرایا" کا تانتا لگا رہا، بھلا ان حالات میں معجزات کا غلغلہ بلند کرنے کی فرصت کس کو تھی، ہاں ان ہی غزوات وسرایا کے تذکرہ میں جہاں جب کوئی محیر العقول واقعہ نظر آ گیا تو وہ اسی سلسلۂ بیان میں آ گیا ہے پھر اس قسم کے واقعات جب شب وروز ان کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتے تھے تو صاحب معجزات کی عظمت سے قلوب اتنے معمور ہوتے رہتے تھے کہ ان واقعات کا دیکھنا ان کے لئے ایک عادت بن گئی تھی، آج بھی اگر کوئی صاحب کرامات ہوا ہے تو اس کی حیات میں ان کا ڈھول کبھی نہیں پیٹا گیا، ہاں اگر ان کا ذکر کبھی آیا بھی تو صاحب کرامات کے کمالات کے ذکر میں ضمنی طور پر آ گیا ہے، حدیث میں ایسا واقعہ خال خال ہی نظر پڑتا ہے کہ صحابہ کرام مستقل ان تذکروں کے لئے کبھی بیٹھے ہوں، وہ یا تو شغل جہاد میں منہمک نظر آتے اگر پھر ان کو فرصت ملتی تو حدیثوں کی تکرار اور علمی شغل یا عبادات میں مصروف رہا کرتے اور سب سے زیادہ وہ اس شوق میں لگے رہتے کہ بیت نبوت

سے کب آفتاب نبوت طلوع ہو اور کب وہ اس کی زیارت سے مشرف ہوں، آپ کی ذرا سی غیبت ان کے لئے ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔

یہاں معجزات دیکھنے کی نہ کسی کو ضرورت تھی، نہ فرصت کفار اس کی رٹ لگایا کرتے اگر ان کی خاطر کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا تو اس کو صحابہؓ کی مشتاق آنکھیں بھی دیکھ لیتیں یا کبھی کسی موقع پر کسی وقتی ضرورت سے یہ صورت پیدا ہو جاتی تو آپ کے رخ انور کے شیدائی معجزہ سے پہلے بھاگ کر خود صاحب معجزہ کے اردگرد اسی کے دیدار کی خاطر جمع ہو جاتے جب کسی کے کمال کا علم یقین پہلے سے حاصل ہو چکا ہو تو اب اس کے ظہور کمال پر حیرت کیا؟

ایک مرتبہ "شق القمر" جیسا عظیم الشان معجزہ کفار قریش کی فرمائش پر منیٰ میں ظاہر ہوا، لیکن وہاں تو ایسی جماعت بھی کھڑی ہوئی تھی جو اس کمال کو اس باکمال کا صرف ایک ذرا سا پرتو سمجھتی تھی، ان کو اس پر تحیر کیا ہوتا، ہاں اس عظیم الشان واقعہ کے دیکھنے والے حسب الاتفاق چونکہ چند جاں نثار بھی موجود تھے، اس لئے انہوں نے اپنی نظروں میں سب سے محبوب ہستی کے ذکر میں اس ایک واقعہ کا بھی ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جگہ جگہ نہ اس کا تذکرہ کرتے پھرنا ثابت ہوتا ہے نہ اس کو کوئی غیر معمولی واقعہ بنا کر اس کے لئے محفلیں قائم کرنا نظر آتا ہے، ورنہ تو اس کے راوی آپ کو سینکڑوں صحابہ ملتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جب کسی کی نظروں میں کسی کی نفس شخصیت ہی سمائی ہو تو اس کو دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت کہاں؟

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ دو صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھے اور واپسی کے وقت شب تاریک میں ایک کی لاٹھی مشعل کی طرح خود بخود روشن ہو گئی، پھر جب دونوں کے گھر کا راستہ جدا جدا پھٹنے لگا تو ہر ایک کی لاٹھی الگ الگ روشن ہو گئی، لیکن اس عجیب و غریب واقعہ کو نہ خود انہوں نے نہ دوسروں نے کسی رنگ آمیزی سے بیان کیا اور نہ کسی نے اس کو زیادہ تعجب سے سنا، بس ایک بات تھی جو آئی گئی ہو گئی۔

اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو روز مرہ پیش آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں اس لئے ان غیر معمولی سے غیر معمولی واقعات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون کرنا ان اس وقت کا ذوق ہی نہ تھا اور نہ صاحب نبوت جیسے آفتاب کی درخشانی کے زمانے میں یہ

ذوق ہونا ممکن تھا، جہاں جمع قرآن ہی کی طرف وہ توجہ نہ ہوئی جو عہد صدیقی پھر عہد فاروقی اور آخر میں عہد عثمانی میں نظر آئی بھلا وہاں دوسرے روزمرہ کے عجائبات کے بیان کا ذوق کب ہوسکتا تھا، تعجب ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شق صدر کے واقعہ پر جو آپ کی عہد طفولیت کا تھا، یہ حیرت قابل حیرت ہے کہ "اس کو بیان کرنے والے اور صحابہؓ کیوں نہیں"، بات تو دیکھنے اور سمجھنے کی یہ تھی کہ جس خادم نے اس کو بیان کیا وہ بھی صرف ضمنی طور پر اور اس واقعہ کی صحت اور مزید تشریح کیلئے بیان کیا ہے، حدیثوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر وہ جگہ جگہ اس کو دہراتے رہے ہوں یا اس کو آپ کے دیگر کمالات کے سامنے کوئی غیر معمولی کمال تصور کرتے ہوں، آفتاب درخشاں خود کامل ہوتا ہے اس لئے اس کی ایک عام ضوفشانی کے کمال پر کسی کا ذہن ہی نہیں جاتا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین صحابہ کرامؓ کی نظروں کے سامنے بڑا کمال آپ ہی کا وجود مجمع کمالات تھا وہ ہر محفل میں ان ہی کا دم بھرتے اور ان ہی کے علوم و معارف کا چرچا کیا کرتے، اس ضمن میں اگر کہیں کسی معجزہ کا ذکر آجاتا تو اس کو بھی اپنے محبوب کی یادگار سمجھ کر ذکر میں لے آتے، اس لئے سینکڑوں معجزات وہ ہی جو دوسرے ابواب میں ضمنی طور سے نظر پڑ جاتے ہیں، لیکن جب آپ کا یہ مبارک دور ختم ہو گیا اور اب وہ ماہ کامل ہی نظروں سے غائب ہو گیا تو اب عشق و محبت سے معمور سینوں میں اس کے کمالات کی تلاش پیدا ہوئی، اس تلاش میں جو چیز سب سے پہلے ان کے سامنے آئی وہ آپ کے علوم و معارف تھے، جب وہ ایک ایک کر کے جمع کرنے والوں نے جمع کر ڈالے تو اب جو بعد میں آتا وہ اس راہ میں کسی نہ کسی خدمت کا ارادہ کرتا، حتیٰ کہ یہ ذوق دلوں میں پیدا ہوا کہ دین کا ہر گوشہ تو پہلی اور دوسری صدی ہی میں مدون ہو چکا، اب ہم کوئی خدمت اپنے سر لے کر انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں، تو پھر ہر ہر باب کی احادیث علیحدہ علیحدہ مدون ہوں اور آپ کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں ان سب تصانیف کے علیحدہ علیحدہ نام بھی موجود ہیں، یعنی جوامع، سنن، مستدرکات، مفردات، مسلسلات، ثلاثیات، حتیٰ کہ موضوعات وغیرہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اسی ذوق کے مطابق اصحاب دلائل نے ایک نئی لائن اختیار کی اور معجزات و فضائل میں اسانید اور کتب

کے حوالجات کے ساتھ تصانیف کر ڈالیں تو اب آپ اس کی تلاش نہ لگائیں کہ فلاں فلاں معجزہ کا راوی چونکہ ایک ہی صحابی ہے، اس لئے یہ اس کے ضعف کی دلیل ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر عدم ثبوت اور ثبوت عدم میں خدارا کچھ تو رحم کھا کر فرق کریں، اور اپنے علم کی بجائے، ان محدثین پر اعتماد کریں، جن کے واسطے سے ہم کو دین پہنچا ہے، ہم کو تعجب ہے کہ مسلم جو حافظ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ امامت کے رتبہ پر فائز ہو چکے ہیں ان کی رائے کے مقابل ہم اس شخص کی رائے پر کیا غور کریں جو صدیوں بعد کی پیدائش ہے اور اصطلاحی لحاظ سے ایک لمحہ کے لئے بھی محدث کی فہرست میں شمار نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ حافظ و امام پھر امام بھی وہ جو امام مسلم کے بالمقابل آ سکتا ہو، اگر یہ کورانہ تقلید ہے تو بیشک ہم اسکے قائل ہیں اور بحمد اللہ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی کر لینے کے بعد قائل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت اور اس میں حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ کا ذوق موازنہ

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا اور جب وہ صحف سماویہ کا جامع تھا تو پھر یہ بالکل قرین قیاس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی وہ شان جامعیت نظر آتی، یعنی جس قسم کے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوئے ان کی مثالیں کم و بیش آپ کے معجزات میں بھی نمایاں ہوتی ہیں، اسی حقیقت ثابتہ کے پیش نظر بڑے بڑے محدثین نے (جیسے امام بیہقی اور ابو نعیم) اپنی مولفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مابین کہیں کہیں یہ موازنہ مستند روایات سے ذکر کیا ہے اور آخر میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ اس میں کچھ زیادہ شرح و بسط سے حصہ لیا ہے، یہاں معجزات کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے والوں نے ان محدثین کے متعلق یہ بھی لکھ ڈالا ہے کہ "اس خوش عقیدگی کی بناء پر جب ان کو روایات کا مستند ذخیرہ ہاتھ نہ آ سکا تو انہوں نے اس موازنے کے اثبات کے لئے موضوعات اور غیر مستند روایات جمع کر ڈالی ہیں"۔ اگرچہ بڑے بڑے محدثین اور حفاظ کے متعلق یہ لکھ دینا بہت بڑی جرأت تھی مگر جب مادی عقول کے ہموار کرنے کی خاطر معجزات کے انکار یا تاویل میں اسلام کی تائید نظر آئی تو پھر

اتنی بڑی جرأت کر لی بہت آسان ہوگئی۔ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حسن عقیدت کے شکار صرف متفقہ اور محدثین ہی نہیں بلکہ حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ جیسے بھی ہیں کیا ان پر بھی آپ یہی حرف گیری فرمائیں گے؟ حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں۔

بیہقی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے۔ اس پر راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مقابلہ میں یہ معجزہ عطا ہوا کہ منبر بننے سے پہلے جس ستون سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ نے اس کی بجائے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون نالہ و فغاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے رونے کی آواز صحابہ نے بھی سنی۔ اور یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر تھا (کیونکہ حیات جسم انسانی کی صفت ہو سکتی ہے مگر اس شعوری حیات جمادات کی صفت نہیں) (البدایہ ج ۶ ص ۲۴)

البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۷۶ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ امام شافعیؒ تک یہ اسناد صحیح ہے اور میں اپنے استاد ابو الحجاج المزیؒ کو امام شافعیؒ سے یہ ذکر کرتے ہوئے سنتا تھا کہ یہ معجزہ اس معجزہ سے بڑا ہے کیونکہ کھجور کا تنا حیات کا محل نہیں اور پھر بھی اس کو اتنا شعور حاصل ہو گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بجائے خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لائے تو اس نے اس طرح آواز نکالی جیسے اس اونٹنی کی جس کے دن پورے ہو گئے ہوں کہ اس کی آواز نکلتی ہو۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس کو گلے لگائے رکھا اور تسکین دی یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھجور کا تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں چیخا تو وہ اس کے زیادہ حقدار تھے کہ اس کی تمنا کرتے۔ اب رہا کسی ایسے مردہ جسم میں اللہ کے حکم سے حیات کا لوٹ آنا جس میں پہلے سے حیات موجود تھی تو یہ بھی ایک بڑی بات تھی لیکن جس میں کہ حیات و شعور پہلے بھی پیدا نہ ہوئی ہو اس میں شعور و حیات کا پیدا ہو جانا یہ بھلا اس سے زیادہ عجیب اور بڑی بات ہے۔ فسبحان اللہ رب العلمین۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی برتری دیکھ کر جب دشمنان اسلام

اور بالخصوص عیسائی خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ان میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں شروع کیں اور چاہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشاں معجزات کا پلہ عیسوی اور موسوی معجزات سے گھٹا ہوا رہے تو اب علماء ربانیین کے لیے ساکت رہنا ممکن نہ ہوا، اور آپ کے معجزات کی نقاب اٹھا کر ان کو یہ دکھا دینا پڑا کہ تم ہو کس فکر میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا پلہ تو سب کے معجزات سے زیادہ بھاری ہے اس کے بعد ہمارے دور کے مصنفین اور علماء میں جس نے بھی رد نصاریٰ میں حصہ لیا ہے اس نے بھی ان کے اس نا منصفانہ طریق کے مقابلے میں موازنہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت ثابت کی چنانچہ اپنے عصر میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے بھی عیسائیوں کے مقابلے میں اس موضوع کو اپنی تصانیف میں اتنا مدلل اور مبرہن فرمایا کہ عیسائیوں کی زبانوں سے بھی صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا اس تمام کھلی ہوئی تاریخ سے صرف نظر کر کے یہ سمجھ لینا کہ "یہ صرف مولود خوانوں کا ہی جذبہ تھا" بہت بڑا ظلم ہے، ہماری مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ آپ کی برتری اور فضیلت کے اس نہج کے بانی صرف کبار علماء و محدثین ہی نہیں بلکہ خود حسن بصریؒ اور شافعیؒ جیسے امام بھی ہیں اگر وہ بھی کسی مبالغہ آمیزی میں مبتلا تھے تو ہم بھی کسی طرح اس سے الگ رہنا نہیں چاہتے، بقول امام شافعیؒ

ان کان رفضا حب ال محمدٍ فلیشهد الثقلان انی رافض

اس موازنہ کے حل کرنے کیلئے اپنے سامنے آپ وہ کلمات رکھئے جو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی "الوہیت" کے اثبات میں لکھ مارے ہیں، یقیناً اگر عیسائیوں کا یہ افتراء اور مبالغہ آمیزی نہ ہوتی تو علماء کرام کے قلم سے وہ کلمات بھی نہ نکلتے جو بجا طور پر حق ہی تھے اور معجزات کے باب میں جو موازنہ کیا گیا ہے وہ تو ایک مومن کے لئے اقتضاء ایمانی بھی ہونا چاہئے۔

معجزات اور آیات بینات کے فرق پر نظر ثانی

احادیث متنازعہ فیہا کے شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر آپ کے ذہن میں ان دونوں لفظوں کا فرق مستحضر کر لیں، معجزہ کے معنی میں عام طور پر "تحدی" کا مفہوم سمجھا جاتا ہے اور پھر معارض و معاند کا اس کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہنا یہ بھی اس کے مفہوم کا ایک

جزو ہے، اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بہت سے اجزاء کے معجزہ نہ ہونے میں بعض اہل نظر کو بھی مغالطہ لگ گیا ہے، اس کی وجہ سب سے پہلے تو معجزہ کی حقیقت سے عدم معرفت ہے، پھر انہوں نے آیت کا لفظ استعمال تو کیا ہے مگر اس میں اور "معجزہ" کے لفظ میں جو فرق تھا وہ غیر شعوری طور پر ذہن میں ملحوظ نہیں رہا، صرف یہ دیکھ کر کہ ایک بڑے شخص نے معجزہ کی اصطلاح چھوڑ کر اس کا نام "آیت" اختیار کیا ہے، اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا ہے اور چونکہ علم کلام وغیرہ کی کتب کی مزاولت کرتے کرتے مفہوم ذہن میں اسی معجزہ کا رہا ہے، اس لئے جو شبہات معجزہ کے لفظ میں رہ سکتے تھے وہ جوں کے توں باقی رہ گئے، اگر ادھر بھی خیال چلا جاتا کہ آیت کے معنی صرف نشانی کے ہیں اور اس لئے آیات نبوت کا لفظ بہت وسعت رکھتا ہے تو پھر اس میں آپ کی ولادت سے قبل اور بعد کے حالات اور آپ کے بہت سے فضائل کو آیات نبوت میں شمار کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہ ہوتا، اس فرق کے عدم استحضار کی وجہ سے یہاں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں، مثلاً آپ کی ولادت یا آپ کے فضائل اور اسی قسم کی دوسری خصوصیت میں معجزہ کا کوئی مفہوم اپنے صحیح معنی میں ان کو نظر نہیں آیا اس لئے یہاں بنیادی طور پر جو کتب دلائل میں مسلم طور پر معجزات شمار کر لئے گئے ہیں، ان کو معجزات کی فہرست سے خارج کرنا پڑا، پھر اس پر تقلیل معجزات کی طرف ذہن منتقل ہونا ایک لازمی سا امر تھا اس کے بعد تاویل معجزات کی طرف انتقال ذہن صرف ایک علمی تقاضہ تھا، اور اسی طریق پر ایک فاسد بنیاد پر اور دوسری فاسد بنیاد قائم ہوتی چلی گئی، آخر یہ ساری تعمیر جتنی بلند ہوتی رہی اتنی ہی کج ہوتی چلی گئی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

اب اگر آیت کا صحیح مفہوم ذہن میں ہوتا اور معجزہ کے مشہور اور عام لفظ کو چھوڑ کر آیت کے لفظ کو اختیار کرنے کی وجہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی تو پھر ان عجائبات کو جو آپ کی ولادت کے وقت اور اس سے قبل و بعد عالم میں رونما ہوئے، آپ کے معجزات میں داخل کرنے میں کوئی الجھن نہ رہتی، اسی طرح آپ کے ممتاز جسمانی فضائل اور دیگر فضائل کے سب کو بھی معجزات کے اندر شمار کرنے میں کوئی خلجان نہ رہتا۔

اس بنا پر آپ کی "مختون و مسرور" پیدائش آپ کے دست مبارک کی خنکی و نرمی و خوشبو اور آپ کیلئے حیوانات کی تعظیم اور دیگر فضائل کے ابواب کا آپ کی آیات نبوت میں شمار کرنا آپ کا ایک قلبی جذبہ ہوتا اور پھر آپ کو اسی کے ساتھ تقلیل معجزات کی بجائے تکثیر معجزات کی دھن لگ جاتی، اس کے بعد آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات بنص قرآن عطا ہوئے، لیکن کیا ایک عصاء کے سوا کسی اور معجزہ کی "تحدی" کرنے کا قرآن سے ثبوت ملتا ہے، پھر خود ہی سوچ لیجئے کہ الدم والقمل والضفادع والجراد وغیرہ کا ان کے معجزات میں شمار کرنا کیا معنی رکھتا ہے، کیا یہی نہیں کہ وہ ان کے لئے آیات نبوت تھیں، اس کے بعد اب آئندہ احادیث کو پڑھئے تو بآسانی آپ کو ان میں درخشاں معجزات نظر آئیں گے اور ان کے آیات نبوت شمار ہونے میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

بعض وہ معجزات جن کی عام اسانید گو ضعیف ہیں لیکن حفاظ وائمہ کے نزدیک وہ دوسری قابل اعتبار اسانید سے ثابت ہیں

حافظ ابن حجرؒ نے باب علامات نبوت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت "خانۂ آمنہ" کا منور ہو جانا اور قصور شام کا روشن ہونا، آسمان سے ستاروں کا جھکتا ہوا معلوم ہونا، شب ولادت میں ایوان کسریٰ کے بعض کنگروں کا گر جانا، آتش کدۂ فارس کا بجھ جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی عورت کے دودھ میں بڑی برکت ہوتی اور اس کے علاوہ ان کے گھر میں قسم قسم کی دوسری برکات کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، پھر ان کی انواع واقسام کا اجمالی تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ جیسے قرآن مجید، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، اہل کتاب کی شہادت، کاہن کی پیشگوئی غیبی آوازیں، انبیاء علیہم السلام کی آپ کے متعلق بشارتیں، قصہ اصحاب فیل اور اس کے علاوہ آپ کے سن ولادت میں دیگر عجائبات کا ظہور اور آسمان پر غیر معروف طریقے پر بکثرت ستاروں کا ٹوٹنا، گذشتہ اور مستقبل کی ایسی خبروں کا بیان کرنا جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا، جیسے آدم علیہ السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے واقعات بالخصوص جبکہ مکہ

مکہ میں علماء اہل کتاب کا وجود بھی نہ ہو، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا اور کوئی زبان جانتے نہ ہوں، بلکہ خود "امی" بھی ہوں، اور عربی کی نوشت وخواند سے بھی ناواقف ہوں اور نبوت سے قبل کہیں باہر تشریف بھی نہ لے گئے ہوں، تاریخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل دو سفر معلوم ہوتے ہیں، ایک میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور کسی مقام پر بھی ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہونا ثابت نہیں اور نہ کسی اہل کتاب یا غیر اہل کتاب عالم کے ساتھ علیحدہ ملاقات کرنا ثابت ہے، ان کے علاوہ بحیرا راہب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دینا، بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور بارہا تھوڑے سے کھانے میں اتنی برکت ہوجانا کہ بڑی سے بڑی جماعتیں اس سے شکم سیر ہوجائیں، اسی طرح پانی میں وہ برکت نمایاں ہونی کہ لشکر کا لشکر اس سے سیراب ہوجائے، دشمن کے مقابلے میں حالات کی ناسازگاری کے باوجود اپنی فتح ونصرت کا قطعی اعلان کردینا وغیرہ وغیرہ۔ (الجواب الصحیح ۳۸۲ تا ۳۵۵ ج۱)

رسول اللہ کے عہد طفولیت میں بہت سے علامات ودلائل کے ضمن میں اس قسم کے اشارات ظہور میں آتے رہے ہیں، مثلاً وہ واقعات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی حجۃ اللہ کے کل تین اوراق میں حیرت انگیز اختصار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کیلئے دعائیں مانگیں اور آپ کی جلالت شان کی بشارت سنائی، اسی طرح حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام نے بھی آپ کی بشارت دی، آپ کی والدہ ماجدہ نے یہ نظارہ دیکھا کہ ایک نور ان سے جدا ہوا جس سے ساری زمین جگمگا اٹھی اس کی انہوں نے یہ تعبیر دی کہ ان کے ایک ایسا مبارک فرزند ہوگا جس کا دین مشرق ومغرب میں پھیلے گا، آپ کے وجود کی جنات نے بھی غیبی اطلاع کاہنوں اور نجومیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی بیان کی اور دوسرے استدلالی وفضائلی حالات سے بھی آپ کے ظہور کی شہادت ملی جیسے کسریٰ کے محل کے کنگروں کا ٹوٹ کر گر جانا ان کے علاوہ دوسرے طریق پر بھی آپ کی نبوت کے بہت دلائل جمع

نظر آئے جیسا ہرقل روم نے آپ کی اطلاع دی اور آپ کی ولادت اور رضاعت میں آثار برکت کا مشاہدہ ہوا اور زمانہ طفولیت میں ملائکۃ اللہ نے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو نور سے بھر دیا اور اس کے ٹانکوں کا اثر صدر مبارک میں نمایاں رہا اور جب آپ ایک سفر میں ابوطالب کے ساتھ روانہ ہوئے تو ایک خدا رسیدہ نصرانی عالم نے آپ میں نبوت کی علامات دیکھ کر آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۰۵)

محدثین واکابر کی ان تصریحات کے بعد جن میں مراتب حدیث کے عارف بھی ہیں اور خوش نگار اہل سیرت بھی اب یہ شبہ کس کو رہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا وہ حصہ نہیں ہیں جن کو محض جھوٹ اور محض بے سروپا واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکے، جن کی تفصیلات ہم صفحات گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن واقعات کے لئے روایات اور اسانید موجود ہوں خواہ وہ ضعیف سہی، کیا ان کو صرف اپنی ایک رائے کی بناء پر، آپ کی سیرت سے خارج کر دیا جائے حالانکہ اس کے خلاف نہ کوئی ضعیف سے ضعیف سند ہو اور نہ روایت اس کی موید ہو، بیشک اگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں یہ مل جاتا کہ اصل واقعہ کی صورت یہ تھی تو پھر اب دونوں روایتوں میں موازنہ کرنے کیلئے اس قیاس آرائی کی کوئی گنجائش نکل آتی لیکن یہاں جو روایت ہے وہ واقعہ کی ایک ہی صورت بیان کرتی ہے اور اس کے خلاف دوسری کوئی روایت موجود نہیں ہے اس لئے یہ کہنا تو درست ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس کا روایتی پہلو ضعیف ہے اس لئے ہم کو مسلم نہیں لیکن اپنی جانب سے یہاں ایک مستقل افسانہ بنا کر اس کو اصل روایت کی جگہ دے ڈالنا شاید یہ بھی بے اصل ہے، یہاں یہ مغالطہ لگے کہ جو تاویلات ان روایات کی کی گئی ہیں، خود واقعات ان کے مصدق ہیں، لہذا ان کو صحیح کہنا پڑے گا، کیونکہ کسی واقعہ کے صحیح ہونے اور اوپر سے اس کے مروی ہونے میں بڑا فرق ہے، بہت سی صحیح باتیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں لیکن ان کے لئے کوئی روایت تیار کر کے کھڑی کر دینا، یہ صحیح نہیں بلکہ تو "وضع" کرنا کہلاتا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کے بیان کرنے سے قبل ہم ان معجزات پر سند

کے لحاظ سے قدرے روشنی ڈال دیں جن پر جھوٹ، افترا اور مزخرفات کا حکم لگا دیا گیا ہے،
آپ ان کی ان اسانید پر محدثین وحفاظ نے جو حکم لگائے ان کو ملاحظہ فرمائیے پھر آپ کو یہ
اختیار حاصل ہے کہ ان کو مستند و معتبر قرار دیں یا نہ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تک
میں ان کو شمار کریں یا نہ کریں، مگر خدارا یہ تو انصاف کریں کہ کیا ان حدیثوں کو من کذب
علی متعمدا کے مصداق میں داخل کر ڈالنا صحیح ہوگا، میں تو اگر تساہل کرنے کے لئے مسلم
ابواب میں تشدد کا پہلو اختیار کروں تو ڈرتا ہوں کہ میرے ان معجزات کے انکار کی بنیاد کہیں
میری بدعقیدگی نہ ٹھہرے اس سے زیادہ کہ محدثین کی اتباع میں ان کے تسلیم کرنے کی حقیقت
صرف میری خوش عقیدگی اور عشق نبوی کو قرار دے ڈالا جائے، اب آپ بسم اللہ کہہ کر ان
فضائل و معجزات کی حیثیت ملاحظہ فرمائیں پھر غور کریں کہ یہ کتنے بعید از عقل کہ نہ صرف
ان کی دھجیاں اڑانا قابل فخر "ریسرچ" سمجھی جائے بلکہ ان کتب اور مسلم محدثین کو کھلم کھلا
"مجرمین" کی صف میں شمار کر ڈالا جائے، ہمارے دل اور آنکھیں تو بجز ان کے احترام و توقیر
کے اور کوئی مقام نہیں۔ فاکرم اللہ مثواھم فی الفردوس الاعلی، آمین۔

انگشتانِ مبارک سے پانی کا اُبل پڑنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانے کا تسبیح پڑھنا

حضور کی انگلیوں سے چشمہ اُبلنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کی کمی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ لوگ ایک برتن لے آئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپؐ کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

فائدہ

ملا علی قاریؒ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو یہ معجزات سودمند ہوتے ہیں جن میں عذاب اور خوف کا ظہور ہو اور صحابہ کرام کو یہ معجزات نافع ہوتے تھے جو موجب برکت ہوتے۔

امام طحاویؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے قلوب میں معجزات دیکھ کر حق تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی اور اس سے ان کے ایمانوں میں اور ترقی ہوتی اس لئے

معجزات ان کے لئے موجب برکت ہوتے تھے۔ تم معجزات دیکھ کر صرف ڈرتے تو ہو مگر تمہارے ایمانوں میں ان سے نہ تو کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ اعمال کا کوئی نیا جذبہ ابھرتا ہے اس لئے وہ تمہارے حق میں موجب برکت نہیں ہوتے۔ (المختصر ص ۷۱)

چشمے کے پانی میں زیادتی

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لئے چلے آپ اس سفر میں دو دو نمازیں ملا ملا کر ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے نماز میں (کچھ) تاخیر کی پھر تشریف لائے۔ پہلے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھیں اس کے بعد اندر تشریف لے گئے اور باہر تشریف لا کر مغرب و عشاء ملا کر پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور اس وقت تک نہیں پہنچو گے جب تک کہ دن چڑھ نہ جائے تو جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ تاوقتیکہ میں نہ آؤں پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ ہم سے پہلے دو شخص تبوک کے چشمے پر پہنچ چکے تھے۔ جب ہم پہنچے دیکھا تو چشمہ تسمے کی طرح باریک بہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔ انہوں نے عرض کی جی لگایا تو ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناگواری فرمایا۔ اس کے بعد صحابہؓ نے چلو بھر بھر کر اس چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا دست مبارک اور چہرۂ مبارک دھویا اور وہ پانی اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک بڑے چشمے کی طرح بہہ پڑا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ اتنا پانی دیکھو گے کہ اس سے باغات پر ہوں گے۔ (مسلم)

مبارک انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر نکلنا

جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو عبادۃ بن الولید نے روایت کیا ہے جس کی ابتداء میں دو درختوں کے مل جانے ان کے مطیع ہونے اور الگ ہونے اور حضورؐ کے دو قبروں پر دو شاخیں لگانے کا ذکر ہے اور جس کے آخر میں مذکور ہے کہ ہم اپنے لشکر میں پہنچے تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا جب نہ ملا) تو آپؐ نے فرمایا لشکر میں تلاش کرو۔ میں نے عرض کی قافلہ بھر میں ایک قطرہ پانی بھی مجھ کو نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی مشکوں میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اس کے پاس ہی جا کر دیکھو اس کی مشک میں کچھ بھی پانی ہے۔ میں گیا تو ان کے مشک میں بھی اتنا سا پانی ملا کہ اگر میں اس کو انڈیلتا تو جو حصہ اس کا خشک تھا وہ اس کو پی جاتا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کی مشک میں تو صرف اتنا ہی پانی ہے کہ اگر میں اس کو انڈیلوں تو وہ اس کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جائے گا۔ آپ نے فرمایا اور جا کر وہی لے آؤ۔ میں اس کو لے آیا۔ آپ نے اس کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اس پر کچھ پڑھنے لگے مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ نے کیا پڑھا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا جس کسی کے پاس اتنا بڑا پیالہ ہو جو پورے قافلے کے لئے کافی ہو جائے اس کو آواز دو۔ میں نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس بھی ایسا پیالہ ہو وہ لے آئے چنانچہ اتنا ہی بڑا ایک پیالہ پیش کیا گیا جس کو لوگ اٹھا کر لائے۔ میں نے اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور اس کو طشت کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جابر الو اور بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ پر ڈالو۔ میں نے بسم اللہ کہہ کر پانی ڈالا۔ میں نے دیکھا کہ پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈ آیا پھر پورے پیالہ میں پانی جوش سے چکر لگانے لگا حتیٰ کہ پیالہ پانی سے لبریز ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جابر اعلان کر دو جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر لے لے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ (دوڑ دوڑ کر) آتے رہے اور پی پی کر سیراب ہوتے گئے۔ یہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا کوئی شخص ایسا اور ہے جس کو پانی کی ضرورت ہو؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور پیالہ تھا کہ جوں کا توں بھرا کا بھرا تھا۔ (مسلم)

فائدہ

یہاں آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جوش مار کر پھوٹنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی

اس حد تک کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی جتنی مخلوق تھی وہ سب اس سے سیراب ہو گئی مگر یہ تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میمون میں برتن بہت بڑے بڑے بنائے جایا کرتے تھے۔ اس لئے یہاں پیالہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے چند لوگوں کو اس کو اٹھا کر لانا پڑا اور اس بارے میں اب تک بھی شہر اور گاؤں کے برتنوں میں فرق ہوتا ہے گاؤں کے برتن شہر کے برتنوں کی نسبت اکثر بڑے ہوتے ہیں۔

مشکیزوں سے پانی ابلنا

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ ہم ساری رات چلتے رہے صبح کے قریب آرام کے لئے اترے اور (ایسے غافل سو گئے کہ) ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ آفتاب چمک اٹھا۔ جو شخص ہم سب میں پہلے بیدار ہوئے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے میں جگایا نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار نہ ہو جاتے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ نئی بات کیا ہے جو بحالت خواب آپ کو پیش آ رہی ہے۔ اس کے بعد عمرؓ بیدار ہوئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ اٹھے۔ آپ نے جب سر اٹھایا اور دیکھا کہ آفتاب چمک اٹھا ہے تو فرمایا یہاں سے نکل چلو اور ہم کو لے کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اب دھوپ میں سفیدی آ گئی تھی۔ (یعنی کراہت کا وقت نکل گیا تھا) آپؐ نے اتر کر ہم کو نماز پڑھائی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا کہ وہ علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر اس سے سوال کیا ہمارے ساتھ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کی کہ مجھ کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی تھی اور پانی تھا نہیں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا مٹی سے تیمم کر لے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ اس نے تیمم کیا اور نماز ادا کی۔ پھر ہم کو سخت پیاس لگی تو آپؐ نے پانی کی تلاش کے لئے ایک قافلہ جو آگے جا رہا تھا اس کی طرف جلدی سے ہم کو روانہ کیا۔ ہم چل دیئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنی پکھالوں کے درمیان اونٹنی پر پیر [illegible]

جارہی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا پانی کا چشمہ کہاں ملے گا۔ اس نے جواب دیا ارے پانی کہاں۔ ہم نے اس سے پوچھا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا۔ اس نے کہا ایک دن رات کا۔ ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل۔ اس نے کہا رسول اللہ کس کو کہتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ اور کوئی بات نہ کر سکے۔ پس اس کو ساتھ لے کر چل دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر اس کو پیش کر دیا۔ آپؐ نے پانی کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو ہم کو دیا تھا اور یہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کی اونٹنی بٹھا دی جائے چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔ آپؐ نے اس کی چھاگلوں کے اوپر کے دہانے میں دہن مبارک سے کلی کر کے پانی ڈال دیا اور اس کی اونٹنی کو کھڑا کر دیا (تا کہ نیچے کے دہانے سے پانی لے لیا جا سکے) اس وقت ہم چالیس شخص تھے سب پیاسے تھے۔ سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے پانی کے اونٹ اور مشکیزے اور جتنے برتن تھے سب پانی سے بھر لئے۔ اور ہمارے اس رفیق نے غسل بھی کر لیا۔ مگر صرف اتنا کیا کہ اپنے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا۔ لیکن چھاگلیں تھیں کہ پانی کے جوش کے مارے پھٹی جارہی تھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اب تھوڑا بہت جو کچھ کھانے کا سامان تمہارے پاس ہو وہ اس کے لئے لے آؤ۔ ہم نے اس عورت کے لئے کچھ روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کر دیں۔ آپؐ نے ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر اس سے کہا جا یہ اپنے بچوں کو جا کر کھلا دے اور یہ یاد رکھنا کہ ہم نے تیرے پانی کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے۔ جب وہ اپنے گھر آئی تو اس نے کہا میں نے ایسا بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا اور نہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ شخص سچا نبی ہے۔ جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اس نے یہ یہ کرشمے دکھائے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس عورت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کے قبیلے کو ہدایت نصیب فرمائی چنانچہ خود وہ اور اس کا سب خاندان مسلمان ہو گیا۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ

اس حدیث میں پانی کے معجزہ کے سوا کچھ اور بھی امور ہیں جو بہت زیادہ قابل

یادداشت ہیں۔ پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار نہ کرنے کے متعلق صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ وہ ترجمان السنہ کی تیسری جلد میں قوم انبیاء کے زیر عنوان باوجود تلاش کے ہم کو حدیث میں نہ مل سکی اس لئے اس کا تذکرہ ہم نے علماء کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے بیدار ہونے والوں میں کون شخص تھے۔ روایت مذکورہ سے حضرت ابوبکرؓ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا وقت مکروہ میں نہ کرنی چاہئے۔ یہاں راوی نے حتی ابیضت الشمس اور بزعت کے لفظ فرما کر اس بات کو صاف کر دیا ہے بقیہ طرق میں سب جگہ اجمال ہے اس کو اسی تفصیل پر حمل کر لینا چاہئے۔

برتن سے پانی کا نکلتے رہنا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ آج شام اور ساری رات سفر کرنے کے بعد کل انشاء اللہ تعالیٰ چشمہ پر جا پہنچو گے بس لوگ چل پڑے اور ایک دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا۔ بس سفر طے کرنے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وادی میں پہنچنے اور وہاں غفلت کی نیند سو جانے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کا جو برتن میرے ساتھ تھا۔ آپؐ نے اس کو منگایا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اس پانی سے مختصر سا وضو فرمایا اور جو پانی بچا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا آئندہ چل کر اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہو گئی تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمائیں اور پھر اس کا خلاف کریں۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے ہیں۔ ادھر ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بڑے اصحاب موجود ہیں اگر ان کی رائے پر عمل کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت آکر ملے جب کہ دن چڑھ چکا تھا

اور آفتاب کی تمازت سے ہر چیز جلنے لگی تھی۔ لوگوں نے آپ سے فریاد کی یا رسول اللہ ہم تو پیاس سے مرے۔ آپؐ نے فرمایا ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہ کہہ کر اپنے وضو کے پانی کا برتن منگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن سے پانی ڈالتے تھے اور ابوقتادہؓ لے کر لوگوں کو پلاتے جارہے تھے۔ لوگوں کا برتن کے پانی کو دیکھنا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا اپنے اخلاق درست رکھو۔ تم میں سے ہر ہر فرد پانی پی کر سیراب ہوگا۔ چنانچہ فوراً لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ بدستور پانی ڈالتے رہے اور ابوقتادہؓ لے کر لوگوں کو پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع بھر میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ آپؐ نے فرمایا اب تم بھی پی لو۔ میں نے عرض کی جب تک آپ نہ پی لیں میں کیسے پی سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا طریقہ یہی ہے کہ جو تقسیم کرنے والا ہوتا ہے اس کا نمبر سب سے آخری میں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے پانی پی لیا اور آپ نے بھی نوش فرمالیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ (اگلے روز) چین سے پانی پر پہنچے اور وہ خوب سیراب تھے۔ عبداللہ بن رباحؓ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو جامع مسجد میں بیان کررہا تھا کہ دفعۃً عمران بن حصینؓ نے مجھ کو ٹوکا اور فرمایا ذرا سوچ کر حدیث بیان کرو۔ کیونکہ اس شب کے قافلہ میں میں بھی شریک تھا۔ میں نے عرض کی آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں انہوں نے پوچھا تم کس قبیلے کے آدمی ہو۔ میں نے کہا انصار میں کا۔ عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ تم اپنی حدیث کو بہتر جانتے ہو۔ عمرانؓ کہتے ہیں کہ اس شب میں میں بھی شریک تھا اور مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ اس واقعہ کو جس طرح تم نے محفوظ کیا ہے اس طرح کسی اور نے محفوظ کیا ہوگا۔ (شیخین)

کنوئیں کے پانی میں زیادتی

حضرت زیاد بن حارث صدائی سے روایت ہے جس میں امام احمدؒ اور ترمذی اور ابوداؤد نے اتنا اضافہ اور نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہم نے عرض کی یا رسول اللہؐ ہمارا کنواں ہے جب جاڑوں کا موسم آتا ہے تو اس کا پانی ہم کو کافی ہوتا ہے۔ اور ہم اس کے گرد آباد ہوجاتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہے اور ہم اپنے اردگرد

کے پانیوں پر پھیل کر متفرق ہو جاتے ہیں اور ہمارے چاروں طرف ہمارے دشمن آباد ہیں۔ آپ ہمارے کنویں کے لئے دعا فرما دیجئے کہ اس کا پانی ہمیشہ ہم کو کافی ہو جایا کرے اور ہم کو ادھر ادھر متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ آپؐ نے سات کنکریاں منگائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں ملا اور ان پر کچھ دعا پڑھی اور فرمایا اچھا ان کنکریوں کو لے جاؤ اور جب اپنے کنویں پر جانا تو ان کو بسم اللہ کہہ کر ایک ایک کر کے ڈالنا۔ صدائی بیان کرتے ہیں ہم نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی تو کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہم کوشش کر کے بھی اس کی تہہ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ پانی ہے اس نے کہا کہ ہے۔ فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ ایک برتن لے آیا اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے اپنی انگلیاں برتن کے اوپر پھیلائیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ آپؐ نے بلالؓ سے فرمایا آواز دے دو کہ وضو کے لئے برکت کا پانی لے لیں۔ (مسند امام احمد)

چند قطرے پانی کا چودہ سو کے لئے کافی ہو جانا

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے تو ہمیں بھوک سے تکلیف ہونے لگی یہاں تک کہ ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اپنی سواری کے ایک آدھ اونٹ کو ذبح کر دیں۔ تب ہم کو اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سب اپنے اپنے ناشتہ دانوں کو اکٹھا کریں تو ہم نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا اور سب لوگوں کا توشہ اسی دستر خوان پر اکٹھا ہوا تو میں نے گردن اٹھائی کہ اس کا اندازہ کروں کہ کل ملا کر کتنا جمع ہو گیا۔ تو میں نے اندازہ کیا کہ وہ کل اتنا ہوگا جیسا کہ بکری کی بیٹھک ہوتی ہے۔ (یعنی اس کی نشست گاہ) اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سب نے کھایا اور پیٹ بھر بھر کر کھایا۔ پھر ہم سب نے اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں کچھ پانی بھی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں چند قطرے پانی تھا تو آپ نے اسے ایک برتن میں انڈیل لیا تو ہم سب چودہ سو آدمیوں نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا۔ اس کے بعد آٹھ

آدمی اور آئے اور انہوں نے پوچھا کچھ اور پانی وضو کے لئے بچا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب پانی ختم ہو گیا۔ (بخاری)

تھوڑے سے پانی کا تین سو کو کافی ہو جانا

حضرت انسؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ مقام زوراء میں تھے یہ مدینہ طیبہ میں بازار کے پاس ایک مقام کا نام تھا اور وہاں مسجد بھی تھی۔ آپ نے پیالہ منگایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر ابلنے لگا یہاں تک کہ آپؐ کے سب ہمراہیوں نے وضو کر لیا۔ میں نے پوچھا اے ابوحمزہ (حضرت انسؓ کی کنیت ہے) آپ کے ان ساتھیوں کی کل تعداد کتنی ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا تقریباً تین سو کے قریب صحابہؓ ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ پانی اتنا تھا کہ آپ کی انگلیاں بھی اس میں نہ ڈوبتی تھیں۔ (شیخین)

انگلیوں سے پانی ابلتا رہا اور صحابہ وضو کرتے رہے

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت نماز عصر کا وقت آ چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ آپؐ کے سامنے تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا آپ نے اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں سے کہا کہ وضو کریں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا۔ (شیخین)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ میں نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ صرف جو کسی کے پاس بچا کھچا رہ گیا تھا بس وہی تھا تو وہ ایک برتن میں ڈال کر آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ اس کے بعد فرمایا لوگو چلو اور وضو کا پانی اور اللہ کی طرف سے برکت لو۔ میں نے دیکھا کہ پانی تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آپ کی انگلیوں سے ابل رہا تھا۔ حتیٰ کہ تمام صحابہؓ نے وضو بھی کر لیا اور خوب پی بھی لیا اور میں نے تو جتنا پانی میرے

پیٹ میں سما سکتا تھا وہ بڑی طرح پی ڈالا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ برکت ہی برکت کا پانی ہے۔
میں نے جابرؓ سے سوال کیا اس وقت تم کتنے صحابہ تھے انہوں نے کہا ایک ہزار اور چار سو (شیخین)

یہ روایت بھی جابرؓ ہی سے ہے کہ صلح حدیبیہ میں ہم کو پانی نہ مل سکا اور ہم کو سخت پیاس لگی۔ آپ کے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا تھا۔ آپؐ نے اس سے پانی لے کر وضو کیا پھر کیا تھا لوگ پانی دیکھ کر بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے بس یہی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپؐ نے اس تھیلے میں اپنا دست مبارک ڈالا۔ بس پانی تھا کہ آپؐ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل ابل کر نکلنے لگا۔ ہم نے خوب پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ میں نے پوچھا تم کتنے تھے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کا عالم یہ تھا کہ ان کو بھی کافی ہوتا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (شیخین)

فائدہ

بخاری کے واقعات متفرق ہیں ان کے اجزاء میں کہیں کہیں تفاوت بھی ہے آپ چاہیں ان سب کو ایک واقعہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں اگر کچھ نقصان ہو گا تو آپ ہی کا نقصان ہے کہ پیغمبر خداؐ کے معجزات کی تقلیل لازم آئے گی اور تکلف بھی اختیار کرنا پڑے گا۔ بہر حال اپنے نبیؐ کے معجزات کو لطف اندوزی کے لئے یہاں سب کو نہیں تو بعض طرق کو جمع کر دیا ہے ان میں کہیں انگلیوں کا کرشمہ ہے تو کہیں لعاب دہن کا۔

خشک کنوئیں میں پانی بھر آنا

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ تم لوگ تو فتح مکہ کے ”فتح عظیم“ کا مصداق سمجھتے ہو اور کسی شک و شبہ کے بغیر وہ بڑی فتح تھی لیکن ہم تو بیعت الرضوان کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی بڑی فتح سمجھتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے اور حدیبیہ وہاں ایک کنواں تھا۔ جس کا پانی ہم نے سب کھینچ کھینچ کر نکال لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ تک باقی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی پہنچ گئی۔ آپ تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گئے اور ایک برتن میں کچھ پانی منگایا اور وضو فرمایا اور کلی کر کے وہ پانی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ زیادہ دیر بھی نہیں کی تھی کہ اس میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ جتنا ہو سکا ہم نے خود پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ہوگی یا اس سے کچھ زیادہ۔ (بخاری شریف)

ایک پیالہ پانی ستر اسی آدمیوں کا وضو کر لینا

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی طلب فرمایا۔ آپؐ کے سامنے ایک کشادہ پیالہ پیش کیا گیا اور لوگوں نے اس سے وضو کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اندازہ لگایا تو کوئی ستر اور اسی کے درمیان لوگ تھے۔ (شیخین)

یہی واقعہ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ آپ کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے کچھ صحابہ بھی تھے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اور وضو کے لئے پانی نہ مل سکا۔ قافلہ میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر وضو فرمایا اور اپنی چاروں انگلیاں پانی کے پیالے پر پھیلا دیں اور فرمایا لوگو اٹھو اور وضو کر لو۔ یہ لوگ ستر یا کچھ کم وبیش ہوں گے۔

فائدہ

اس واقعہ میں کل ستر اور اسی افراد موجود ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کا دل گوارا کرے تو اس کو علیحدہ واقعہ شمار کر لیجئے یا ایک ہی بنا دیجئے۔ ہمارا مقصد تو صرف معجزات شماری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔

کھانے میں تین گنا اضافہ

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ تہی دست لوگ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو اسے چاہئے کہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو اسے

چاہئے کہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے) لے جائے۔ اور حضرت ابوبکر تین آدمیوں کو ساتھ لے کر گھر آئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر چلے اور خود حضرت ابوبکرؓ نے بھی رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھالیا۔ پھر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی پھر نماز سے لوٹے اور اتنی دیر ٹھہرے رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کا کھانا کھالیا اور ابوبکر رات کا اتنا حصہ گزرنے کے بعد گھر پہنچے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ اتنی دیر کہاں رک گئے؟ تو ابوبکرؓ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تم نے ان کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟ کہنے لگیں کہ ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک تم نہ آجاؤ گے تو حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو کھانا نہ کھاؤں گا۔ تو ان کی اہلیہ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ پھر میں بھی کھانا نہ کھاؤں گی اس پر ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ پھر ہم بھی یہ کھانا نہ کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کو تنبیہ ہوا اور فرمانے لگے کہ یہ سب کچھ شیطان کی وجہ سے ہوا اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور خود کھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا کھایا تو یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ کھانا از خود اضافہ ہو جاتا تھا۔ تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اے بنو فراس کی خاتون! دیکھ یہ کیا ہے؟ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ارے یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ تو ان سب نے خوب کھایا اور ابوبکرؓ نے وہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔ (شیخین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراقہ جاسوس مشرکین پر بددعا اور اسکے گھوڑے کا سنگستانی زمین میں دھنس جانا پھر آپکی دعا مبارک سے اس کا زمین سے نکل جانا

حضرت براء کا بیان

حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ نقل کرتے ہوئے خود سراقہ بن مالک کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم سخت پتھریلی زمین میں تھے تو ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اب پکڑے گئے۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو یقین جانو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر حضورؐ نے اسے بددعا دی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے کہا اچھا میں سمجھ گیا تم دونوں نے مجھے بددعا دی ہے۔ اچھا اب آپ دونوں میرے لئے نجات کی دعائے خیر کرو۔ خدا کی قسم آپ دونوں کا احسان میرے اوپر ہے اور اس کے لئے میں اب یہ کروں گا کہ تمہیں ڈھونڈنے والوں کو یہیں سے لوٹا دوں گا۔ تب حضورؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی تو وہ اس مصیبت سے نجات پا گیا۔ پھر سراقہ وہاں سے لوٹا اور راستے میں جس سے بھی ملتا اسے کہ وہ یہیں سے واپس کر دیتا کہ جاؤ کچھ فکر کی ضرورت نہیں وہ ادھر تو نہیں گئے۔ غرض جس سے بھی ملتا اسے لوٹا دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا تو وہ کود پڑا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سمجھ گیا یہ آپ ہی کا کام ہے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے جس میں میں ہوں چھڑا دے اور میں آپ کے لئے یہ کروں گا کہ جو شخص بھی میرے پیچھے آ رہے گا اس کو دھوکے میں ڈال کر راستہ نہ بتاؤں گا۔

خود سراقہ کا اپنا بیان

ابن شہاب سراقہ بن مالک کا خود اپنا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ پیام لے کر آئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کو قتل کرے یا قید کرے تو ان کو ان میں سے ہر ایک کے عوض میں ایک دیت کی برابر مال ملے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ میں اپنی قوم بنی مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا اے سراقہ دریا کے کنارے میں نے ابھی ابھی کچھ لوگ دیکھے ہیں جن کے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق ہوں گے۔ اس کے پتہ دینے پر میں سمجھ تو گیا کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں مگر بات ٹالنے کے لئے میں نے اس سے کہہ دیا وہ بھلا کہاں ہوتے شاید تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا۔ پھر ذرا سا وقفہ دے کر میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا باہر نکالے۔ وہ ایک ٹیلہ کے پیچھے تھا اور اس کو لے کر کھڑی رہے ادھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور اس کی پھال زمین کی طرف کر دی اور اس کے اوپر کے حصہ کو نیچا کر دیا (تا کہ کسی کی نظر نہ پڑے) یہاں تک کہ اپنے گھوڑے پر آ کر سوار ہو گیا اور اس کو تیز کر دیا تا کہ وہ جلد ان کو جا پکڑے۔ جب میں ان کے نزدیک جا پہنچا تو میرا گھوڑا دفعۃً پھسلا اور میں اس کے اوپر سے جا پڑا۔ کھڑے ہو کر میں نے اپنے فال کے تیر نکالے اور ان کا پانسا گھمایا تا کہ یہ دیکھوں کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں تو اس میں ایسی بات نکلی جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ مگر پھر بھی میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے نزدیک جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی آپ کسی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور ابو بکر بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ جب میں اتنا قریب جا پہنچا تو اس مرتبہ میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ یعنی اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں پھر اس کی پشت سے جا پڑا۔ میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو زور سے ڈانٹا مگر وہ اپنے ہاتھ زمین سے نہ نکال سکا۔ پھر جب بمشکل وہ سیدھا کھڑا ہوا تو زمین سے دھوئیں کی طرح ایک غبار نکلا میں نے پھر اپنے تیر گھمائے مگر پھر وہی بات نکلی جو مجھ کو پسند نہ تھی اس پر میں نے امن کے

لئے آواز دی وہ ٹھہر گئے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جب بالکل ان کے پاس پہنچ گیا تو اپنے روک دیئے جانے کی وجہ سے میرے دل میں اب یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد پورا واقعہ نقل کیا۔ (متفق علیہ)

فائدہ

ہجرت کا یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مختلف جگہ موجود ہے ہم نے صرف اس کے دو طریقے پیش کئے ہیں تاکہ آپ یہ اندازہ فرما سکیں کہ کہنے کو تو یہ ایک ہی واقعہ ہے مگر نہ معلوم کتنے معجزات کا حامل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آج خدا کا محبوبؐ اپنے وطن مالوف و محبوب سے خدا کے لئے باہر کیا جا رہا ہے ایک ذی حسن انسان تصور کرے کہ ان حالات میں اس کے اوپر کیا گزر سکتی ہے پھر اس کی تسلی کے لئے قدرت جو کرشمے اپنی رافت و رحمت کے دکھائے ان کا تصور خود فرما لیجئے۔ اپنی خوابگاہ پر کس طرح حضرت علیؓ کو لٹایا کس طرح دشمنوں کے جھرمٹ میں سے صاف آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے کس طرح تعاقب کرنے والے دشمنوں کا حشر ہوا کس طرح غار ثور میں محفوظ رہے کس طرح ام معبد پر گزر ہوا۔ کس طرح دودھ کے متعلق دوسرے واقعات ظاہر ہوئے۔ یہ سب واقعات ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں اور جو جو معجزات ہماری نظروں سے اب تک ہماری لاعلمی کی وجہ سے غائب رہے یا راویوں کے سہو و نسیان کی نذر ہو گئے یا ان کے زمانے کے وقعات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل بیان نہ تھے۔ یا سند کی بحثوں نے ان کو سرے سے ساقط ہی کر دیا ان کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ ان کے بیان کے لئے کئی ضخیم جلدیں چاہئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعا

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے قاضی و منصف بنا کر بھیج رہے ہیں حالانکہ میں ابھی کم عمر ہوں اور مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو صحیح بات ہی کی طرف رہنمائی فرمایا کرے گا اور تمہاری زبان کو حق بات پر جما کر رکھے گا۔ لہٰذا جب بھی تمہارے پاس دو فریق آئیں تو تم ایک ہی شخص کی باتوں کو سُن کر فیصلہ نہ دیا کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی نہ سن لو۔ کیونکہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد مجھے کسی معاملے میں شک و شبہ نہیں ہوا۔ (ترمذی)

ابی بن خلف کا جہنم رسید ہونا

کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے جو بنو جمح کا بھائی لگتا تھا مکہ مکرمہ میں اس پر قسم اٹھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کر کے چھوڑے گا۔ جب اس کی اس قسم کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا ''ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا''۔
چنانچہ جب ابی چاروں طرف سے ہتھیاروں سے سج کر میدان جنگ میں آیا تو اس نے پکار کر کہا ''آج کے دن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو خدا کرے میں زندہ نہ بچوں''۔ یہ کہہ کر اس نے آپ کے اوپر حملہ کیا۔ مصعب بن عمیر جو بنو عبدالدار کے بھائی لگتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے فوراً سامنے آ گئے اور شہید ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے خود اور لمبی چوڑی ورع کے درمیان اس کی ہنسلی کے پاس ذرا سی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ آپ نے ایک نیزہ لے کر اس جگہ پر مارا بس نیزہ لگنا تھا کہ ابی اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور حال یہ تھا کہ آپ کے نیزہ سے ذرا سا خون بھی نہ نکلا۔ اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی سی آواز نکال رہا تھا۔ اس پر اس کے رفقاء نے کہا کتنا بزدل شخص ہے یہ کیا زخم ہے صرف ایک معمولی سی خراش ہے۔ یہ سن کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا تھا میں ہی ابی کو قتل کروں گا۔ اس کے بعد کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تکلیف مجھے وہ ہے کہ اگر یہ ساذی المجاز (ایک بازار کا نام ہے) والوں کو ہوتی تو وہ سب اس کی وجہ سے ختم ہو جاتے۔ یہ کہہ کر وہ واصل جہنم ہو گیا۔ (مستدرک وغیرہ)

ابوجہل ولید عتبہ وغیرہ کو بددعا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے رفقاء جو وہاں جمع تھے ان میں سے کسی نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی۔ ابوجہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب محمد سجدہ کریں تو ان کے شانوں پر جا کر رکھ دے۔ آخر جو ان میں سب سے زیادہ بدنصیب تھا اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگا۔ میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپ کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سر بسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے۔ اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس کی خبر کی یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگ کر آئیں اور آپ کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی پھر ان بدکرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو با آواز بلند ان پر بددعا

فرمائی۔ اور آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بددعا فرماتے تو تین بار فرماتے۔ اسی طرح جب کوئی دعا مانگتے تو تین بار مانگتے پھر تین بار فرمایا الٰہی قریش سے انتقام لے۔ جب انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہوگئی اور سہم کر رہ گئے۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بددعا فرمائی الٰہی ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ اور عقبہ سے اور ایک ساتویں شخص کا نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ انتقام لے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے۔ (بخاری، مسلم)

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ جو ان کی منکوحہ تھیں سے الگ ہی طلاق دیدیں۔ تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا کہ نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں اس کے بلانے پر آؤں۔ (یا نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب دوں) پھر اس بدبخت نے حضور کو ایذا دینے کا قصد کیا اور آپ کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ وہ لڑکا کسی سفر کو نکلا۔ ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا۔ ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا ہائے میری بڑی شامت ہو گئی۔ یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا۔ جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بددعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں۔ بس پھر اس شیر نے قافلہ کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا۔ اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر اس رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور وہ عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود گھیر کر لیٹے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گزرتا ہوا آگے آیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑ لیا اور اسے توڑ ڈالا۔ الخ سیرۃ۔ یہ بیان اسی طرح مشہور ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس کو ذکر کر کے جواب الصحیح میں کیا ہے۔

عمیر بن وہب کا واقعہ

عمیر بن وہب جمحی جب مشرکین مکہ مکرمہ کے پاس واپس آیا اور جنگ بدر میں جن کفار کو قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو اب عمیر، صفوان بن امیہ کے پاس حجر میں آ کر بیٹھا اور بولا صفوان! جنگ کے مقتولین کے بعد ہماری اس زندگی پر تف ہے اس نے کہا بیشک اس کے بعد جینے کا کوئی مزا نہیں۔ اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور یہ بچے نہ ہوتے جن کے لئے میرے بعد کوئی سرمایہ نہیں ہے تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا اگر تم میرے بچوں اور قرض کی طرف سے مجھ کو مطمئن کر دیتے تو میرے لئے ان سے اس وقت بہانہ کرنے کا ایک موقعہ بھی ہے۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ میں اپنے قیدی کا فدیہ دینے کے لئے آیا ہوں۔ اس کی اس بات سے صفوان بڑا خوش ہوا اور بولا کہ اچھا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے بچوں کے سب اخراجات میرے بچوں کے برابر رہیں گے۔ صفوان نے اس کو سواری دی اور سب ساز و سامان کے ساتھ لیس کر دیا اور حکم دیدیا کہ صفوان کی تلوار صیقل کر کے زہر میں بجھا دی جائے۔ اب عمیر روانہ ہو گیا مدینہ پہنچا اور مسجد شریف کے دروازہ پر آ کر اترا اور اپنی سواری باندھی اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا اس وقت وہ جماعت انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے کچھ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا یہ وہی

کہا خدا کا دشمن اب تمہارے سامنے ہے جس نے جنگ بدر میں ہمارے درمیان جنگ کی سازش مرتب کی تھی اور لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا تھا۔ اس کے بعد عمیرؓ گھر سے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ آپؐ نے عمیر سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ وہ بولا میرا ایک قیدی آپؐ کے پاس ہے لہذا مجھ سے اس کا فدیہ قبول کر لیجئے آخر آپؐ ہمارے قبیلہ و کنبہ ہی کے تو ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے۔ عمیر نے کہا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے جنگ بدر میں اس نے ہم کو کیا نفع دیا۔ جب میں اترا تو اس کو لٹکا ہوا بھول گیا اور میری گردن میں لگی رہ گئی۔ آپؐ نے پھر پوچھا اچھا سچ سچ بتاؤ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں تو صرف اسی مقصد کے لئے آیا ہوں کہ اپنے قیدی کا فدیہ دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا تم نے حجر میں بیٹھ کر صفوان کے ساتھ کس معاملہ پر شرط باندھی تھی؟ اب تو وہ گھبرا اٹھا اور بولا میں نے تو کسی بات پر شرط نہیں باندھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس بات پر کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور وہ تمہارے بچوں کے مصروف کا کفیل رہے گا اور تمہارا قرض ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے درمیان حائل ہے۔ (تو مجھے قتل نہیں کر سکتا) یہ سن کر عمیر نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم وحی اور ان تمام باتوں کو جو آسمان سے آپ کو بتائی جاتی ہیں جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ بات جو حجر میں بیٹھ کر میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اس کی خبر میرے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ لہذا ضرور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس کی خبر دی ہے۔ (طبرانی)

حضرت عامر بن فہیرہؓ کا آسمان پر اٹھایا جانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنی سلیم کے ستر (۷۰) اشخاص کو قبیلۂ بنو عامر کے پاس بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو میرے ماموں نے کہا میں تم سے آگے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھ کو امن دیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تعارف کراؤں تو فبہا ورنہ تم میرے قریب ہی تو ہو گے چنانچہ یہ آگے چلے گئے۔ بنو عامر نے ان کو امن دیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابھی ان سے مصروف

گفتگو ہی تھے کہ انہوں نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے ان کے نیزہ مارا اور پار کر دیا۔ یہ والہانہ انداز میں بول اٹھے رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بنو عامر نے ان کے اور ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا بجز دو صحابی کے ایک تو لنگڑے تھے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور دوسرے ان کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تقریباً وہ سب شہید ہو چکے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو بھی خوش کر دیا۔ (جس کی اطلاع) پہلے ہم قرآن کریم کی اس آیت میں بایں الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا یعنی ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آملے اور وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہم کو بھی اس نے خوش کر دیا۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ ان مقتولین میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ پر قبیلۂ رعل و ذکوان اور عصیہ و بنی لحیان پر جنہوں نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی تھی چالیس دن تک آپؐ نے بددعا فرمائی۔ عامر بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور میں اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اپنی آنکھوں سے اٹھتا ہوا دیکھتا رہا۔ (بخاری)

فائدہ

اس میں ایک عامرہ بن فہیرہ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سوا اور بھی معجزات ہیں جو تفصیلی روایات میں موجود ہیں۔ یہاں رفع الی السماء کو محال کہنے والے دیکھیں کہ یہ جو معجزہ ان کے نزدیک ہزاروں سوالات کے بعد بھی اب تک طے نہ ہو سکا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خدام کے ساتھ پیش آ چکا ہے۔ اور آج تو جدید تحقیقات کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ مریخ پر راکٹ جا رہے ہوں کرۂ نار و کرۂ زمہریر ایک افسانہ پارینہ قرار دیا جا چکا ہو۔ ان کا ایسے لوگوں کا پیش کرنا جو وحی کے بھی مدعی ہوں خود ان کی وحی کے بطلان کے لئے کافی اور وافی ہے۔

لعابِ دہن اور دستِ مبارک کی برکت و تاثیر

حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا درست ہونا

عاصم بن عمر بن قتادہؓ اپنے والد قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑتے ہوئے ان کی آنکھ میں زخم لگا اور وہ رخسار پر لٹک آئی۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر پھینک دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے پوچھا آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ پھر ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے ان کی آنکھ کے حلقہ کو ذرا دبا دیا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کونسی آنکھ میں زخم آیا تھا اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپؐ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما دیا پھر اسے اپنی ہتھیلی سے ذرا دبا دیا اور یوں دعا فرمائی اے الٰہی! اس کو خوبصورتی اور جمال عطا فرما تو پھر ان کے انتقال تک یہ حال رہا کہ ان سے جو بھی ملتا اس کو بھی یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔ (بخاری مسلم)

حضرت عبداللہ بن عتیک کی ٹانگ کا درست ہونا

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع یہودی کے قتل کے لئے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیک کو امیر بنایا۔ یہ ابو رافع حضور کو بہت ایذا دیا کرتا اور آپؐ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کی ایک

زمین تھی وہیں وہ رہا کرتا تھا۔ جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ اپنے اپنے ڈھوروں کو لے کر چلے گئے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جاسکوں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے یہاں تک کہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھاٹا باندھا گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربار نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا: اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آ جاؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں اندر داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب اور لوگ بھی اندر داخل ہو لئے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا۔ پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا ابو رافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں۔ وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا۔ جب ابو رافع کے پاس سے اس کے افسانہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گزرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچنے بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک ان شاء اللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا۔ غرض میں اس کے پاس پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں اپنے اہل و عیال کے بیچ میں ہے مگر میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھڑی میں کس جگہ پر ہے تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا: ابو رافع! وہ بولا کون ہے؟ بس میں آواز پر انداز سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا۔ میں کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ اس لئے کام پورا کر نہیں سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر کوٹھڑی کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا اے ابو رافع یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا ارے تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے۔ گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس پر ایک وار اور کیا۔ جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا۔ مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں جھونک دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی تب میں نے سمجھ لیا کہ اب میں نے

اسے مار ڈالا پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے آخر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیر یہ سمجھ کر رکھا کہ میں (سیڑھیاں ختم کر چکا اور) زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا کہ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامے سے کس کر باندھا پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ یقینی طور پر یہ معلوم کر لوں کہ میں نے قتل بھی کر دیا۔ جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر سنا تا ہوں۔ جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے سارے واقعات بیان کئے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ تو میں نے اپنی ٹانگ پھیلا دی۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی بیماری کا دور ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو طائف پر عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہاں پہنچ کر مجھ کو یہ شکایت ہوگئی کہ نماز میں میری ایسی حالت ہو جاتی کہ مجھ کو یہی خبر نہ رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے تعجب سے فرمایا ابن ابی العاصؓ ضرور کسی ضرورت سے آئے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ نماز میں میرے سامنے کوئی چیز ایسی آ جاتی ہے کہ مجھ کو یہی خبر نہیں رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔ ذرا قریب آؤ۔ میں آپؐ کے قریب آ گیا اور اپنے دونوں پیروں پر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: "او خدا کے دشمن نکل جا"۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا: اچھا جاؤ اب اپنے کام پر جاؤ۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اس کے بعد پھر کبھی مجھ کو اس کا اثر نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ)

فائدہ

آپ ؐ کے دست مبارک اور لعاب دہن کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے۔ اس لئے اس کو آپ ؐ کے جسمانی برکات و معجزات میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

بیمار بچہ کا صحت مند ہونا

ام جندب ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دسویں تاریخ کو وادی کے اندر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ ؐ واپس ہوئے تو آپ ؐ کے پیچھے پیچھے قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنا بچہ لئے ہوئے آئی جو کچھ بیمار تھا اور بول نہیں سکتا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ؐ یہ میرا بچہ ہے اور خاندان بھر میں بس یہی رہ گیا ہے اور اس کو کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے یہ بولتا نہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا اچھا تو تھوڑا سا پانی لاؤ۔ پانی حاضر کیا گیا آپ ؐ نے اپنے دونوں دست مبارک دھوئے اور منہ میں پانی لے کر کلی کی اور وہ پانی اس کو دیدیا اور فرمایا کہ یہ پانی بچہ کو پلا اور کچھ اس پر چھڑک اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے اس کی صحت کی دعا کر۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس پانی میں سے ذرا سا مجھ کو دیدیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صرف اس بیمار بچہ کے لئے ہے یہ بیان کرتی ہیں کہ آئندہ سال میری اس عورت سے پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے اس کے بچہ کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بالکل اچھا ہو گیا اور ایسا سمجھدار ہو گیا کہ عام لوگ ایسے سمجھدار نہیں ہوتے۔ (ابن ماجہ)

حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کے زخم کا صحیح ہونا

یزید بن عبید بیان کرتے ہیں کہ سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے کہا اے ابو مسلم۔ یہ زخم کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ اس زخم کا نشان ہے جو میں نے جنگ خیبر میں کھایا تھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ لو سلمہ تو کام آ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں تین بار پھونک ماردی۔ اس وقت سے آج تک مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

حضرت علیؓ کی آنکھ کا تندرست ہونا

حضرت سہلؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا پیارا ہے۔ اس بشارت کو سن کر لوگ تمام شب بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ (یہ بشارت کس کے نصیب میں ہے) دوسرے دن ہر شخص اسی امید میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا مگر آپؐ نے پوچھا علیؓ کہاں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپؐ نے ان کو بلایا وہ آئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی بس اسی وقت وہ ایسی صاف ہو گئیں گویا ان میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر جھنڈا ان کے حوالے فرما دیا۔ (بخاری شریف)

فائدہ

مسند احمد نسائی، ابن حبان اور حاکم میں ہے کہ شروع میں جھنڈا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ میں رہا پھر دوسرے دن حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہا مگر خیبر فتح نہ ہو سکا اور کیسے فتح ہوتا جبکہ عالم تقدیر میں فاتح خیبر حضرت علیؓ قرار پاچکے تھے بالآخر تیسرے دن آپؐ نے جھنڈا ان کے حوالے فرمایا اور عالم تقدیر کی بشارت پہلے سنادی کہ خیبر کی فتح ان ہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے۔ سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی کیسی جامع صفات تھی کہ جب ان کی تجلیات صحابہ میں نظر آتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا ان میں ہر شخص جدا جدا فضل وکمال کا مالک ہے۔ ان کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی معجزانہ تاثیر سے حضرت علیؓ آن کی آن میں شفایاب ہو گئے۔

پہاڑ کا ساکت ہونا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہ تھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپؐ نے اس پر پیر مار کر فرمایا ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں۔۔۔

اونٹوں کی تابعداری

حضرت عبداللہ بن قرطؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن دسویں ذی الحجہ) ہے اس کے بعد یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) یعنی دوسرے دن کا درجہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹ لائے گئے تو وہ سب کے سب حضورؐ کی طرف جھوم جھوم کر بڑھنے لگے۔ کہ جس سے چاہیں ابتداء فرمائیں تو جب ان کے پہلو زمین سے لگ گئے تو راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے کوئی کلمہ آہستہ سے فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا تو میں نے کہا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا تھا؟ کہا جو شخص چاہے کاٹ لے (...)

فائدہ

اس حدیث کا شاید صحیح مفہوم وہ ہو جو کسی شاعر نے کہا ہے

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف — بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

سبحان اللہ جانوروں کی یہ جاں نثاری ہو اور انسانوں میں یہ خصلت ہو تف افسوس ہی افسوس ہے۔ یہاں معجزات کے منکر تاویل سوچیں کہ یہ نو خرید کردہ جانور کس مادی قانون سے اپنی اپنی جانوں کے قربان کرنے میں پیش قدمی کر رہے تھے؟ اگر دیکھا جائے تو ایک مومن کے لئے تو آپ کی ہر ہر ادا معجزہ ہی معجزہ ہے مگر ایک منکر کے لئے کیا فائدہ؟ وہ ان کے اسانید ہی پر مطمئن نہیں ہوتا حالانکہ اپنی زندگی کے کسی عملی شعبہ میں وہ ان شقوں اور احتمالات کے نکالے بغیر فرق جدوجہد نظر آتا ہے۔ لیکن آپ کے معجزات میں وہ سو طرح کے حیلے تراشتا ہے اور آخر انکار کے بغیر چین نہیں آتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سرکش اونٹ کا جھک کر حاضر ہونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر سے مدینہ واپس ہوئے یہاں تک کہ جب قبیلہ بنی نجار کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس پہنچے تو اس میں ایک اونٹ تھا جو شخص بھی اس باغ میں گھستا وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی گئی۔ آپ باغ کے پاس تشریف لائے اور اونٹ کو آواز دی وہ اپنا ہونٹ زمین پر لٹکائے ہوئے آیا اور آپؐ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مہار لاؤ۔ آپؐ نے مہار لے کر اس کی ناک میں ڈال دی اور اونٹ کو مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا زمین و آسمان میں ایسا کوئی نہیں جس کو اس کا یقین نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر جنات اور کافر انسانوں کے (۱۱ مسند دارمی)

درختوں کا اپنی جگہ سے ہٹ آنا

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ذات الرقاع (مقام کا یا غزوہ کا نام ہے) میں غزوہ کے ارادے سے نکلے اور ایسا ہوا کہ جب (مقام) حرہ واقم میں پہنچے تو سامنے سے ایک دیہاتی عورت اپنا بچہ لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور

بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا لڑکا ہے۔ شیطان نے اس کا ایسا پیچھا کیا ہے کہ مجھے تنگ کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اس بچہ کو ذرا میرے قریب لاؤ وہ قریب لے کر آ گئی آپؐ نے فرمایا۔ اس کا منہ کھول۔ اس نے بچہ کا منہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یہ الفاظ فرمائے۔ ''او اللہ کے دشمن تجھ پر پھٹکار۔ دفع ہو جا''۔ اور میں ہی اللہ کا رسول ہوں تین بار یہی کلمات فرما کر کہا لے اب اپنے بچہ کو لے جا۔ اب یہ بالکل اچھا ہو گیا اور آئندہ یہ تکلیف اس کو نہ ہو گی۔ اس کے بعد راوی حدیث نے دو درختوں کا واقعہ بیان کیا وہ کہتا ہے کہ پھر ہم چلے اور ایک جنگل بیابان میں پہنچے۔ جس میں کہیں کوئی درخت نہ تھا۔ آپؐ نے جابرؓ سے فرمایا جابر! جاؤ اور قضائے حاجت کے لئے کوئی مناسب جگہ جا کر دیکھو میں دیکھنے چلا مگر مجھے کہیں کوئی پردہ کی جگہ نہ ملی صرف دو درخت نظر آئے جو علیحدہ علیحدہ تھے اگر وہ ایک جگہ ہو جائیں تو آپؐ کے لئے پردہ بن سکتے تھے۔ میں واپس ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے تو علیحدہ علیحدہ صرف دو درخت ہی ایسے نظر پڑے ہیں اگر وہ ایک جگہ ہوتے تو آپ کے لئے پردہ بن سکتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور ان سے جا کر کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔ یہ بیان کرتے ہیں۔ میں گیا اور آپ کا حکم میں نے ان کو سنا دیا وہ فوراً ایک دوسرے سے مل گئے اور ایسے مل گئے گویا وہ دونوں ایک ہی جڑ میں لگے ہوئے درخت ہیں۔ میں واپس ہوا اور آپ سے صورتحال بیان کی۔ آپ تشریف لائے اور جب اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو مجھ سے فرمایا ان سے جا کر کہہ دو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جاؤ پھر اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ اور جیسے پہلے تھے اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور میں نے جا کر ان سے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تمہیں یہ حکم فرمایا ہے کہ پھر جا کر اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ حسب الحکم وہ اسی طرح واپس ہو گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد ہم بنو محارب کی ایک وادی میں پہنچے تو یہاں بنو محارب کا ایک شخص جس کا نام غورث بن الحارث تھا۔ سامنے سے آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے

تھے وہ بولا یا محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) ذرا اپنی یہ تلوار مجھے دینا۔ آپؐ نے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کے حوالہ کر دی وہ کچھ دیر تو آپ کو دیکھتا رہا اس کے بعد بولا یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بولو اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے ہاتھ میں رعشہ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھا کر فرمایا اے غورث اب تم بتاؤ میرے ہاتھ سے تم کو کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں۔ (اس کے بعد اس کا قصہ یہاں مذکور نہیں ہے)۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر ایسا ہوا کہ جب ہم واپس ہوئے تو ایک صحابی ایک پرندہ کا گھونسلہ اس کے بچوں سمیت اٹھا کر لے آئے۔ ان کے ماں باپ بھی (اڑتے ہوئے) پیچھے پیچھے آ گئے۔ اور اس صحابی کے ہاتھ پر گرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس وہ گھونسلہ تھا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ان بچوں کے ساتھ ان کے ماں باپ کی محبت دیکھ کر کیا تم تعجب کرتے ہو؟ ایک روایت میں اس جگہ یہ زیادتی اور ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہارا پروردگار تم پر ان بچوں پر ان کے ماں باپ سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ اس کے بعد جب ہم پھر مقام حرۂ واقم پر واپس ہوئے تو وہی عورت جو پہلے اپنا (آسیب زدہ) بچہ لے کر آئی تھی اس مرتبہ تازہ کھجوریں اور بکری کے دودھ کا ہدیہ لے کر آئی اور آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے پوچھا بولو تمہارا بچہ کیسا ہے اس کو وہ شکایت جو پہلے ہوا کرتی تھی پھر تو نہیں ہوئی؟ وہ بولی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے۔ وہ شکایت تو اس کو پھر کبھی نہیں ہوئی۔ آپؐ نے اس کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ اس کے بعد جب ہم اس سنگستان کے نشیب میں اترے تو ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ آپؐ نے فرمایا جانتے ہو اس اونٹ نے کیا کہا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس یہ اونٹ اپنے مالک کی زیادتی کی شکایت لے کر آیا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کا مالک سالہا سال تو اس سے کھیتی کا کام لیتا رہا یہاں تک کہ جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اب اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جابر! جاؤ اس کو ساتھ لے کر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس کے

مالک کو نہیں پہچانتا۔ آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ ہی تم کو بتادے گا۔ یہ کہتے ہیں وہ تیز تیز میرے آگے آگے چلنے لگا یہاں تک کہ بنو خطمہ کی ایک مجلس میں لاکر مجھ کو کھڑا کر دیا۔ میں نے پوچھا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں آدمی ہے میں اس کے پاس آیا اور میں نے کہا چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں وہ میرے ساتھ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا تیرا اونٹ تیری زیادتی کی شکایت کرتا ہے کہتا ہے کہ مدتوں تو نے اس سے کھیتی کا کام لیا اور جب اس کو خارشتی بنادیا اور دبلا کر ڈالا تو اب تو اس کے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا واقعہ تو اسی طرح سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا کیا تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کرے گا؟ وہ بولا یا رسول اللہؐ جی ہاں۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو خرید لیا اور درختوں میں اس کو آزاد چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس کا کوہان (فربہی کی وجہ سے) ابھر آیا۔ اس کے بعد پھر جب کبھی کسی مہاجر یا انصاری کا اونٹ بیمار پڑتا تو آپ وہی اونٹ اس کو دیدیا کرتے۔ یہ اونٹ اسی طرح بہت دنوں تک زندہ رہا۔

فائدہ

یہ روایت ہم نے اس لئے ذکر کی ہے کہ اس کے متفرق معجزات صحت کے ساتھ متفرق طور پر صحیح حدیثوں میں علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں۔ یہاں سب ایک سلسلہ میں دہرا دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ایک سے ایک عجیب معجزہ ہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ اس کے اجزاء الگ الگ صحیح طریقوں سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں۔ ہم نے یہ بات پہلے کئی بار تنبیہا بیان کی ہے کہ کوئی معجزہ ایسا کم ہوگا جس کی پشت پر اسی جنس کا دوسرا قوی تر معجزہ موجود نہ ہو یا وہی دوسری قوی سند ثابت نہ ہو۔ اب کسی ضعیف سند کو لے کر اسی کو اپنے سامنے رکھ لینا یہ طریق انصاف نہیں۔

گھوڑے کی رفتار کا تیز ہو جانا

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں (دشمن کے آمد کی) خوفناک افواہ اڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ کا گھوڑا عاریۃً لے کر (تحقیق حال کے لئے خود تشریف لے گئے)

یہ گھوڑا سست تھا جب آپ واپس ہوئے تو فرمایا (اطمینان رکھو کوئی بات نہیں ہے) اور اس گھوڑے کو تو ہم نے دریا کی طرح تیز رو پایا۔ اس کے بعد سے دوڑ میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ (متفق علیہ)

درختوں کا حضورؐ کے ساتھ چلنا

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے یہاں تک کہ ایک چٹیل وادی میں اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کو چلے تو میں بھی ایک لوٹے میں پانی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا تو حضورؐ نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جس سے آپؐ پردہ کر سکتے دیکھا تو وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس پہنچے اور اس کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چل اور میرا حکم مان۔ وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر آپؐ کے ہمراہ اس طرح چلا آیا جیسے کوئی اونٹ اپنی نکیل کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہو۔ اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر یہی فرمایا۔ اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چلا آ۔ وہ آپ کے حکم کو مان کر اسی طرح چلا آیا۔ جب آپؐ نے ان دونوں کے بیچ میں آ کر دونوں کو ملایا اور فرمایا تم دونوں اللہ کے حکم سے پاس پاس جڑ جاؤ تو وہ دونوں آپؐ کے آس پاس جڑ گئے تو میں وہاں سے تیزی سے کھسک گیا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا قریب ہونا محسوس نہ فرمالیں تو میں دور چلا گیا اور میں بیٹھ کر دل سے باتیں کرنے لگا۔ بس میں تھوڑی ہی دیر ذرا غافل ہوا ہوں گا کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنے پر پہلے کی طرح کھڑے ہیں۔ (مسلم)

فائدہ

غیب کو غیب قائم رکھنے کے لئے قدرت کبھی کبھی اسی طرح کی باتیں کھڑی کر دیتی ہے تاکہ وہ عالم شہادت کی طرح کھل نہ جائے اس لئے ضروری تھا کہ یہاں چھپ کر راوی واقعہ نے جو کچھ دیکھا تھا اس پر بھی آخرکار بات مبہم رہ جائے اس لئے بالآخر دو درختوں کی

علیحدگی نہ دیکھ سکا۔ قدرت نے درختوں کی فرمانبرداری دکھلا کر شان نبوت بھی کیا خوب عیاں دکھلا دی۔ لیکن جو اس کے علاوہ غیبی بات تھی اس کو عجیب انداز میں مخفی بھی فرما دیا۔ وہ جانتا تھا کہ جو شان اس کو نظر آئی وہ شان نبوت تھی اور جو شان الٰہی تھی وہ فہیم انسان کے ایمان کے لئے پہلے ہی کافی مشاہدہ میں آ چکی تھی۔

اب بے پردہ ہو کر قدرت کو اپنا کرشمہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہاں پہلی روایت میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں درختوں کی واپسی کا مشاہدہ بھی موجود ہے اب دل چاہے تو آپ اس کو مستقل اسی جنس کا علیحدہ واقعہ تسلیم کریں یا ترجیح کے ٹھہرائیں لیکن مسلم شریف کا یہ واقعہ بہر کیف تسلیم ہی کرنا پڑے گا تھوڑا بہت فرق تو روایات احکام میں بھی ملتا ہے اور اپنے ضوابط کے ماتحت وہ بھی طے ہو کر قابل انکار نہیں ہوتا۔

خدمت اقدس میں اونٹ کی شکایت کرنا

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین عجیب باتیں دیکھیں۔ ایک دفعہ تو ہم سب آپؐ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جس سے کھیتی کو پانی دیا جاتا تھا۔ تو اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ آیا تو آپؐ نے فرمایا تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو اس نے عرض کیا جی نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے وہی کہا نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اونٹ ایسے گھرانہ کا ہے جن کے پاس روزی کا سہارا اس کے سوا کچھ اور ہے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا جب تم نے اس کا حال بتا دیا تو سنو یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ مجھ سے کام بہت لیا جاتا ہے اور چارہ کم دیا جاتا ہے تو دیکھو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (احمد)

درخت کا حاضر ہو کر سایہ کرنا

اور شرح السنہ میں ہے کہ پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک پڑاؤ پر اترے اور وہاں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سو گئے تو ایک درخت زمین چیرتا ہوا وہاں تک آیا اور اس نے آپ کو ڈھانک کر آپ پر سایہ کر لیا پھر کچھ دیر بعد اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے آپ سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا ہاں یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دیدی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ وہاں سے چلے اور ایک تالاب پر پہنچے تو ایک عورت آپ کے پاس اپنا ایک لڑکا لے کر آئی جس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ (یا جس پر آسیب کا اثر تھا) تو حضورؐ نے اس کی ناک پکڑی اور فرمایا نکل دور ہو جا۔ بے شک میں اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ پھر ہم آگے چلے جب لوٹنے لگے تو اسی تالاب پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہم نے آپ کے جانے کے بعد کچھ اثر اس پر نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ)

چڑیا کا حاضر ہو کر فریاد کرنا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک آدمی ایک جھاڑی میں گھسا اور وہاں سے چڑیا کا انڈا اٹھا لایا تو وہ چڑیا بھی پھڑ پھڑاتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے سروں پر آکر منڈلانے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس نے اسے ستایا ہے؟ مجمع میں سے ایک شخص بولا میں اس کا انڈا لے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس پر ترس کھا کر وہ انڈا واپس رکھ آؤ۔ (ابوداؤد طیالسی)

اونٹ کی فریاد

حضرت عبداللہ بن جعفر بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور چپکے سے ایک بات مجھ سے کہی جو کسی شخص پر میں ظاہر نہیں کروں گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رفع حاجت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پردہ کی جگہ پسند تھی۔ وہ باغ ہوں یا کھجور کے درخت ہوں۔ چنانچہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ دفعۃً ایک اونٹ آپ کے سامنے آیا جب اس نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایک آواز نکالی اور اس کی دونوں آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے اس کے سر اور کنپٹی پر دست مبارک پھیرا وہ خاموش ہو گیا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نوجوان آگے آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا! اس جانور پر جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے تم کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا۔ اس اونٹ نے اس بات کی مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو مار مار کر تھکائے دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

فائدہ

اس حدیث میں جانوروں سے کلام کرنے کے معجزہ کے سوا ایک بڑی موعظت و عبرت یہ سکھائی گئی ہے کہ جانور اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لئے مسخر فرمائے ان کا بھی ہم پر حق ہے جس کو پہچاننا ضروری ہے پھر انسانوں کو باہم حق شناسی کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو بہت مختصر ہے لیکن اس کا ملحوظ رکھنا مشکل ہے اور اسی حق شناسی پر نظام عالم موقوف ہے اور جتنی اس میں حق ناشناسی پیدا ہوتی چلی جائے اتنا ہی نظام عالم درہم برہم ہوتا چلا جائے گا۔

خچر کا جھکنا

شیبہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔ عباس! کچھ کنکریاں اٹھا کر مجھ کو دینا۔ فوراً آپ کی خچری اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیچی ہو کر اتنی جھک گئی کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے کے قریب ہو گیا۔ آپؐ نے تھوڑی سی کنکریاں اٹھا لیں اور دشمن کی جانب ان کو پھینکا اور فرمایا شاہت الوجوہ الخ (بیہقی)

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے خچری سے کہا نیچی ہو جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین پر رکھ دیا۔ تو آپؐ نے ایک مٹھی لی اور اسے قبیلہ ہوازن کے منہ پر پھینک مارا۔ (مجمع الزوائد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب جنگ حنین میں مسلمان شکست کھا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گلابی رنگ کے خچر پر سوار تھے جسے دلدل کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اے عدل جھک جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین سے لگا دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے دشمن کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا۔ حم لا ینصرون راوی کہتے ہیں کہ پھر تو وہ جماعت بھاگ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ نہ ہم نے ان پر کوئی تیر چلایا نہ ان کو نیزہ مارا اور نہ ہی تلوار کا کوئی وار کیا اور اسی روایت میں عثمان کے بیٹے شیبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا کہ تم مجھے ذرا کنکریاں تھوڑی سی اٹھا دو تو اللہ تعالیٰ نے اس خچر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سمجھا دی تو وہ خچر خود ہی اتنا جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کچھ کنکریاں اٹھالیں اور کفار کے منہ پر پھینک ماریں اور شاھت الوجوہ فرمایا (طبرانی وغیرہ بحوالہ ابن سعد وبیہقی)

اشارہ سے بتوں کا گرنا

حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت بیت اللہ شریف کے اردگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کی طرف اشارہ کرتے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ جاء الحق وزھق الباطل الخ ابونعیم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ آپ کی لکڑی بت کو لگتی بھی نہ تھی اور وہ خود بخود فوراً پیچھے کو پڑتا تھا۔

فائدہ

یہ واقعہ جتنا صحیح بخاری میں آیا ہے اگرچہ صرف اس کے الفاظ سے اس میں کوئی اعجاز نظر نہ آئے لیکن ابو نعیم کی روایت پر نظر ڈالنے سے وہ کھلا ہوا معجزہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس زیادتی کے صحیح کہنے والے ابن حبان ہیں جن کی تصحیح معترضین کی نظروں میں ہلکی سمجھی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ جب بڑے بڑے محدثین اس قسم کی زیادتیوں کی بنا پر کسی واقعہ کو معجزات کی فہرست میں شمار کرتے ہیں تو بے وجہ ان پر ملامت شروع کر دی جاتی ہے اور جب خود اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ تو اس پر ذرا نظر نہیں کی جاتی۔ اس قسم کے واقعات سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدثین اگر کسی واقعہ کو معجزہ کہتے ہیں تو ضرور کسی بنیاد ہی پر کہتے ہیں۔ یہاں تحقیق کے بغیر ان کو ملامت شروع کر دینا سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔

چٹان کا ریزہ ریزہ

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان نکل آئی (جس کو ہم نہ توڑ سکے) لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی دیکھئے۔ یہ ایک سخت چٹان نکل آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو میں خود اترتا ہوں یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور اس وقت آپؐ کے پیٹ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ (صحابہؓ کہتے ہیں) ہم لوگوں کو کوئی چیز چکھے ہوئے بھی تین دن گزر چکے تھے۔ آپؐ نے پہنچ کر کدال اپنے دست مبارک میں لیا اور ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ (بخاری شریف)

فائدہ

تعجب ہے کہ ایک ایک معجزہ پر عقل کی ترازو لگانے والوں نے اس واقعہ کو کسی چوں و چرا کے بغیر معجزہ کیسے تسلیم کر لیا ہے۔ یہاں بھی یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ کی ضربوں سے چٹان کمزور پڑ چکی ہو پھر آپ کی ضرب سے وہ ٹوٹ گئی ہو اور کثیب ہیل کہنا صرف ایک عرفی مبالغہ ہو مگر صحابہ کے مزاج شناس اور حدیثوں پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس واقعہ کی پوری سرگذشت از اول تا آخر خارق عادت تھی۔ یہاں احتمال کے گھوڑے دوڑانا صرف ایک وہمی شخص کا کام ہو سکتا ہے۔ اب اس کے ساتھ آپ آئندہ واقعہ کی پوری تفصیل ملا کر یہ اندازہ کر لیجئے کہ آپؐ کے معجزانہ افعال کو کوشش کر کے عام واقعات میں شامل کرتے رہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

چٹان سے روشنی کا نکلنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودنے والوں کے سامنے ایک سخت چٹان نکل آئی جس کو وہ توڑ نہ سکے یہ سن کر آپ تشریف لے گئے اور کدال خود ہاتھ میں لی اور اپنی چادر خندق کے کنارے پر رکھ کر ایک ضرب لگائی اور یہ کلمات زبان پر لائے۔ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا

آپ کا ضرب لگانا تھا کہ چٹان کا ایک تہائی پتھر ٹوٹ کر اڑ گیا اس وقت سلمان فارسیؓ وہاں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ بجلی

کی سی ایک چمک نظر آئی جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی اس کے بعد پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر وہی کلمات پڑھے تو تہائی چٹان اور ٹوٹ گئی اور آپ کی ضرب کے ساتھ پھر ایک چمک پیدا ہوئی جس کو سلمان فارسیؓ نے آنکھوں سے دیکھا۔ تیسری بار وہی کلمات پڑھ کر آپ نے پھر ضرب لگائی تو اس کا بقیہ ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آپ اپنی چادر لے کر خندق سے باہر تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ سلمانؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے دیکھا تھا جب آپ پتھر پر ضرب لگاتے تھے تو بجلی کی سی ایک چمک نکلتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا۔ سلمانؓ کیا تم نے یہ دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا جب میں نے پہلی ضرب لگائی تھی تو میرے سامنے کسریٰ کی سلطنت اور اس کے اردگرد کی سب بستیاں کر دی گئی تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حاضرین نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ملکوں کے فتح کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ان کی بستیاں ہمارا مال غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو تباہ و برباد کرا دے۔ آپؐ نے اس بات کے لئے دعا فرما دی۔ پھر جب میں نے دوسری بار ضرب لگائی تھی تو قیصر کی سلطنت اور اس کے اردگرد کے شہر سامنے کئے گئے یہاں تک کہ ان کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ہماری غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو برباد کرا دے۔ آپؐ نے اس کے لئے بھی دعا فرما دی پھر میں نے تیسری بار ضرب لگائی تو حبشہ کی سلطنت میرے سامنے کی گئی اور جو اس کے اردگرد کی بستیاں تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو بھی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جب تک اہل حبشہ تم سے کچھ نہ کہیں تم بھی ان سے کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جب تک ترک خاموش رہیں تم بھی خاموش رہنا۔ (نسائی شریف)

فائدہ

معجزات کو پھیکا کرنے والے شاید یہاں بھی یہ لکھ دیں کہ پتھر کے اوپر لوہے کی ضرب

سے چمک پیدا ہو جانا روزمرہ کا معمولی واقعہ ہے اس میں اعجاز کیا ہے لیکن سلمان فارسیؓ کی آنکھوں سے پوچھو جنہوں نے نہ معلوم کتنی بار خندقیں دیکھی ہوں گی اور پتھروں سے چنگاریاں بھی نکلتی دیکھی ہوں گی کہ وہ اس چمک کو دیکھ کر متحیر ہوتے رہے۔ آخرکار اس عجیب چمک کا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر رہ نہ سکے اور جب آپؐ نے وہ تفصیلات جو سلمانؓ کے خواب وخیال میں نہ تھیں بتائیں تو یہ واضح ہوگیا کہ آپ کی ایک ایک ضرب میں مادی دنیا کے کتنے بڑے بڑے انقلابات پنہاں تھے۔ اگر سلمانؓ یہاں یہ سوال نہ کر لیتے تو معجزہ کے شوقین بھی شاید اس کو ایک ہی معجزہ سمجھتے لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ کی ضرب میں صرف ایک چٹان کے تودہ خاک بن جانے کا معجزہ نہ تھا بلکہ قیاس وگمان سے بالاتر واقعات کو عظیم الشان پیشگوئی کے علاوہ ان کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے معجزات بھی شامل تھے۔ سبحان اللہ نبی ورسول بھی ایک بشر ہی ہوتے ہیں لیکن قدرت ان کے ساتھ کبھی کبھی ایسے کرشمے بھی ظاہر فرماتی ہے جن میں سے ہر کرشمہ مادی دنیا کی شکست دینے کے واسطے کافی ہے اسی کا نام معجزہ ہے۔

حیرت ہے کہ معجزہ مادی طاقت کی شکست کا ثبوت ہوتا ہے اور معجزہ کی حقیقت سے ناآشنا اسے جرثقیل لگا کر مادہ ہی کی سرپرستی میں رکھنا چاہتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی وہ نشانیاں جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر ظاہر ہوئیں

آناً فاناً بارش برسنا

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ کی جانب سے داخل ہوا جو دارالقضا کی جانب تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ شخص آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (سواریاں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے) سب راستے بند ہو گئے۔ آپ اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ بارش برسا دے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ باران رحمت نازل فرما اے اللہ باران رحمت نازل فرما۔ انس قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہم کو آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا اور آسمان آئینہ کی طرح صاف پڑا ہوا تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان ایک گھر بھی نہ تھا۔ بس ایک کھلا میدان تھا (ایسی حالت میں آپ نے دعا فرمائی) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ابھی آپؐ نے دعا فرما کر اپنے ہاتھ نیچے کئے بھی نہ تھے کہ پہاڑوں کے برابر بادل اٹھے اور ابھی آپ منبر سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے

کہ آپ کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اٹھا جو شروع میں ڈھال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ پھر جب آسمان کے درمیان پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا پھر برسا اور ایسا برسا کہ بخدا ایک ہفتہ تک ہم نے آفتاب کی شکل نہیں دیکھی۔ راوی کہتا ہے کہ آئندہ جمعہ میں پھر وہی شخص اسی دروازہ سے آیا اور آپ اس وقت کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے وہ آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس مرتبہ اس کی شکایت یہ تھی کہ یا رسول اللہؐ بارش کی کثرت کے مارے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (ندی نالے بھر جانے کی وجہ سے) آمد و رفت بند ہو گئی لہذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ اب تو وہ بارش بند کر دے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ اب بارش ہمارے ارد گرد ہو اور ہماری بستی پر نہ ہو۔ اے اللہ اب بارش پہاڑیوں پر ٹیلوں پر وادیوں اور جنگلوں میں ہو۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپؐ اپنے دست مبارک سے جس جانب بھی اشارہ کرتے جاتے اسی جانب سے بادل پھٹتے جاتے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بادل چاروں طرف سے پھٹ گئے اور مدینہ بیچ میں اس طرح نظر آنے لگا جیسے تاج ہوتا ہے اور وادی قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور جس جانب سے بھی کوئی شخص آتا وہ بارش کی ہی خبر لے کر آتا۔ (شیخین)

فائدہ

یہاں بھی بارش کا ہونا آپ کی بہت بڑی برکت کا ظہور تھا اور وہ بھی پانی ہی سے متعلق تھا۔ مگر اس قسم کے متعدد واقعات کی شان الگ تھی۔ اس لئے ہر برکت کے ظہور کی شان ہر جگہ علیحدہ ملحوظ رکھئے تاکہ دیگر مقامات پر آپ کو اس کے الگ واقعہ شمار کرنے میں دماغی تکلیف نہ ہو۔ بیشک جہاں واقعہ ایک ہو اس کا متعدد بنانا بھی لاحاصل ہے مگر جن مقاصد کے لئے امام بخاریؒ نے ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے آپ بھی اگر ان کو مستحضر رکھیں تو مضائقہ نہیں۔

مٹھی بھر مٹی سے تمام دشمنوں کا اندھا ہو جانا

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں جنگ کی۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا اور

ایک ٹیلہ پر چڑھا تو سامنے سے دشمنوں کا ایک آدمی آیا میں نے اس کے ایک تیر مارا تو وہ کہیں چھپ گیا اور میں نہ معلوم کر سکا کہ وہ کیا ہوا۔ جب میں نے اس جماعت کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ وہ دوسرے ٹیلے سے چڑھ رہے ہیں اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھڑ گئے ہیں تو ان کی سخت تیر اندازی کی وجہ سے آپؐ کے صحابہ تتر بتر ہو رہے تھے اور میں بھی بھاگتا ہوا پلٹ پڑا۔ میں ایک چادر کمر سے نیچے باندھے ہوئے اور ایک چادر اوپر اوڑھے ہوئے تھا۔ تو میری لنگی کھل گئی۔ میں نے اسے سمیٹ کر باندھا اور بھاگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا۔ سب پر تو شکست کے آثار تھے۔ لیکن آپؐ اپنے سرخ خچر پر بڑے مطمئن سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن اکوع کوئی خطرہ دیکھ کر گھبرایا ہوا آیا ہے جب دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپؐ اپنے خچر پر سے اتر گئے اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا شاہت الوجوہ (یہ چہرے خراب و برباد ہوں) پھر تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کسی انسان کو جس کو اس نے پیدا فرمایا تھا ایسا نہ چھوڑا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں اسی ایک مٹھی سے مٹی نہ بھر گئی ہو تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی۔ (مسلم)

کنکریاں پھینکنے سے تلواریں کند ہو گئیں

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی لگے رہے۔ آپؐ سے الگ نہیں ہوئے اور آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ جسے فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپ کو ہدیہ بھیجا تھا۔ جب مسلمان اور کفار بھڑ گئے اور مسلمان سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کفار کی طرف بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ تیز چل کر کفار کے جھرمٹ میں آپ کو نہ لے جائے اور ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباسؓ! اصحاب سمرہ کو آواز دو تو خدا کی قسم جوں ہی انہوں نے میری آواز سنی تو اس طرح لبیک لبیک

کہتے ہوئے جلدی سے لوٹ پڑے ہیں جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹ پڑتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر مسلمان کفار سے جم کر لڑے۔ دوسرا اعلان انصار میں ہوا یامعشر الانصار کا نعرہ شروع ہوا۔ ہوتے ہوتے یہ نعرہ یابنی الحارث بن الخزرج پر ختم ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سوار ادھر ادھر اپنی گردن بڑھا بڑھا کر لڑائی کی تیزی دیکھ کر فرمایا اب گھما گھمی کی جنگ ہو رہی ہے پھر آپؐ نے چند کنکریاں لیں اور کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ رب کعبہ کی قسم پھر تو کفار بھاگ نکلے۔ کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا تھا کہ ذرا رنگ دیکھوں تو جنگ میری نظر میں اسی طرح جاری تھی مگر خدا کی قسم جوں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر وہ کنکریاں ماری ہیں تو میں دیکھنے لگا کہ ان کی تلوار کی دھاریں کوٹھل ہو گئیں اور جنگ کا رخ پلٹ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا تھا کہ وما رمیت الخ یعنی جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں بلکہ خدا نے پھینکی تھیں۔ (مسلم)

غزوۂ بدر میں کافروں کے منہ میں خاک

ایک جماعت سے جس میں عروہ زہری عاصم بن عمر وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ بدر میں عریش (سائبان) میں تھے۔ ان کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا اور فوجیں آپس میں گتھ گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے وہ نصرت عطا کرنے کی التجا کر رہے تھے جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا اور یہ فرما رہے تھے اے میرے اللہ اگر آپ اس تھوڑی سی جماعت کو ہلاک کر دیں گے تو پھر آپ کی پرستش نہ ہو سکے گی اور ابوبکرؓ یہ حال دیکھ کر فرما رہے تھے یارسول اللہ بس کیجئے۔ آپؐ نے اپنے رب کے سامنے بہت التجا کر لی اب یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو جو انہوں نے آپؐ سے کیا ہے ضرور پورا فرمائیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کچھ لگ سی گئی۔ آپ بیدار ہوئے تو فرمایا ابوبکرؓ کو خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ پہنچی۔ جبرئیلؑ ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے لا رہے ہیں اس کے دانتوں پر غبار پڑا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کے موقع موقع سے کھڑا کیا اور ان کو سامان جنگ جو کچھ بھی تھا اس سے لیس کیا پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص لڑائی شروع کرنے میں اس وقت تک جلدی نہ کرے جب تک کہ

اس کو اس کی اجازت نہ ملے۔ ہاں جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تب تم ان کو تیروں پر رکھ لینا۔ پھر لوگ آپس میں گتھ گئے تو جب بعضے آدمی بعض کے بالکل قریب پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں پھر ان کو لے کر آپ نے قریش کی طرف منہ کیا اور ان کو ان کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا شاهت الوجوه چہرے بگڑ جائیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت ان پر ٹوٹ پڑو تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دی اور ان کے معزز اور شرفاء میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے اور جو قید ہوئے وہ قید ہوئے۔ (ابن اسحاق) اور ابن ابی طلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی لیجئے تب آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اس کو ان کے چہروں پر پھینک مارا تو مشرکین میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا جس کی آنکھوں میں نتھنوں میں اور منہ میں اس ایک مشت کی مٹی نہ پڑی ہو اس پر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

ابوجہل کا ناکام ہونا

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل بولا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر مٹی پر رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھا کرتے ہو (ملعون کا مطلب سجدہ کرنا تھا) لوگوں نے کہا ایسا تو ہوتا ہے اس پر وہ بولا لات اور عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن رگڑ دوں گا۔ (والعیاذ باللہ) اتفاق سے ایک بار آپ کو نماز پڑھتے اس نے بھی دیکھ لیا تو اپنے اسی بیہودہ ارادہ سے آگے بڑھا تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ ناگہاں وہ پیروں کے بل اپنے پیچھے لوٹ رہا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے سامنے کسی چیز سے بچ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا یہ کیا ماجرا تھا وہ بولا میرے اور آپ کے درمیان ایک خندق نظر آتی ہے جس میں آگ اور طرح طرح کی خوفناک چیزیں تھیں اور کچھ مخلوق ایسی ہے جس کے بازو اور پر ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ میرے ذرا قریب آتا فرشتے اس کو اچک کر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ (مسلم شریف)

بچھو کے کاٹے ہوئے کا فوراً تندرست ہونا

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک سفر

میں چلی تو عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں جا کر اترے اور صحابہؓ نے ان سے ضیافت چاہی اور کچھ کھانے کو مانگا تو انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تو لوگوں نے ہر قسم کی دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تو ان میں سے کسی نے کہا کاش تم اسی جماعت کے پاس چلے جاتے ہو یہاں آ کر اترے ہوئے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز کام کی ہو۔ تو وہ لوگ ان صحابہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہم نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی جھاڑ پھونک ہے؟ ایک نے کہا ہاں بخدا میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں لیکن جب ہم نے تم سے کھانا مانگا تھا تب تو تم نے ہمیں کچھ کھانا نہیں دیا تو اب خدا کی قسم میں بھی اب دم نہ کروں گا جب تک تم لوگ ہم کو کچھ معاوضہ نہ دو گے ان لوگوں نے صحابہؓ سے بکریوں کی ایک ٹکڑی پر صلح کر لی تو وہ صحابی گئے اور مریض پر تھتکارنے لگے اور سورۃ الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر پھونکنے لگے پھر تو وہ ایسا چنگا ہو گیا جیسے جانور کی پچھاڑی کھول دی جائے (وہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگا) اسے کوئی تکلیف نہ رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے صحابہ کو جو معاوضہ طے ہوا تھا پورا پورا دیدیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ آؤ یہ بکریاں آپس میں بانٹ لیں مگر جھاڑنے والے نے کہا نہیں ایسا نہ کرنا۔ پہلے ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ سارا واقعہ جو گزرا ہے بیان کر لیں پھر یہ معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم کیسے سمجھے کہ یہ سورت ایک منتر کا کام بھی دیتی ہے۔ پھر فرمایا تم لوگوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ لے جاؤ اور ان کو آپس میں بانٹ لو اور دیکھو اپنے ساتھ میرا بھی اس میں سے حصہ لگانا۔ یہ کہہ کر آپ ہنس دیئے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری شریف)

فائدہ

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات عملی طور پر بھی ہوتی ہیں آپ نے ان کی کے دل کا شک ختم کرنے کیلئے یہ حکم فرمایا کہ میرا حصہ بھی لگاؤ تاکہ وہ اس کی حلت میں کوئی تردد نہ کریں۔ اس

قسم کے متعدد واقعات حدیثوں میں نظر پڑتے ہیں جن میں خود آپ نے اپنا حصہ بھی مقرر فرمایا اس میں سے کچھ تناول فرمایا ہے۔ یہاں اس عہد میمون کی یہ ذرا بہت قابل یادداشت ہے کہ قرآن کریم پر اجرت لینے کا سوال ہی ان کے سامنے نہ تھا۔ جب ان کی بداخلاقی پر یہ صورت سامنے آ گئی تو اب اس کی حلت کو اتنی اہمیت دی گئی کہ معاملہ آپ کی عدالت تک جا پہنچا۔ یہ واضح رہے کہ کسی دم پر اجرت لینا الگ بات ہے اور تعلیم پر اجرت لینا بالکل الگ بات ہے۔ ہمارے زمانے میں اب بڑے عالم ہونے کا معیار ہی یہ قائم ہو گیا ہے کہ اس کی تنخواہ سب سے زائد ہو۔ افسوس صد افسوس۔ والد مرحوم نے کیا خوب فرمایا۔

کبھی قطرہ میں گردش تھی اور اب صحراء میں تنگی ہے
مجھے حیرت ہے ہستی پر کہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے

میں نے یہ سطور فتویٰ دینے کی غرض سے نہیں لکھیں البتہ میں نے استاد الاساتذہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کو آخری عمر میں پونے دو سو تنخواہ بمشکل قبول کر کے روتے دیکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کھانے کا غیبی انتظام

حضرت ابو ہریرۃ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا جب اس نے اپنے گھر والوں کی تنگی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا جب اس کی بیوی نے یہ حال دیکھا تو چکی کے پاس پہنچی تو اوپر کا پاٹ اس پر رکھ کر درست کیا۔ پھر چولہے کے پاس جا کر اسے جلایا۔ اس کے بعد اس نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو روزی دے۔ اس کے بعد جو اس کی نظر پیالہ پر پڑی تو دیکھا کہ وہ کھانے سے بھرا ہوا ہے۔ چولہے کے پاس جو گئی تو دیکھا وہ (روٹیوں سے) بھرا ہوا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں شوہر لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا کیا تم کو میرے جانے کے بعد کوئی چیز نہیں پہنچی؟ وہ بولیں ہاں پہنچی اور ہمارے رب کے پاس سے پہنچی۔ پھر وہ چکی کی طرف بڑھے (اور اس کے اوپر کا پاٹ اٹھا کر الگ رکھ دیا) تو یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے بیان کی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اس چکی کا پاٹ نہ اٹھاتے تو وہ قیامت کے دن تک برابر چلتی رہتی۔ (رواہ احمد)

فائدہ

یہ قدرت کے راز ہیں کہ وہ کبھی کبھی اس قسم کے برکات بھی ظاہر فرماتی رہتی ہے مگر کسی اتفاق سے پھر از خود ایسے سامان مہیا فرما دیتی ہے کہ وہ قائم نہیں رہتے۔ گزشتہ اوراق میں آپ اس قسم کے دوسرے واقعات بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ظاہر تو اس لئے فرماتی رہتی ہے کہ ماننے والے اس کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے گاہ گاہ مشاہدہ بھی کرتے رہیں پھر ان کو صفحۂ ہستی سے گم اس لئے کر دیتی ہے کہ مومنین کے لئے غیبی ایمان لانے پر پردہ پڑا رہے۔

چھ ماہ بعد بھی شہید صحیح و سالم تھا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ احد شروع ہوا تو میرے والد بزرگوار نے شب کو مجھ سے کہا کہ آپ کے صحابہ میں سے جو سب سے پہلے شہید ہونے والے ہیں میرا خیال ہے کہ میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا اور دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تم سے زیادہ مجھ کو کوئی شخص پیارا نہیں۔ جو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں۔ دیکھو میرے ذمہ کچھ قرض رہ گیا ہے اس کو تم ادا کر دینا اور تمہاری کچھ بہنیں ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک رکھنا۔ جب صبح ہوئی تو وہی شہداء میں سب سے پہلے شخص تھے۔ میں نے شہداء کی کثرت کی وجہ سے شروع میں دوسرے شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں ان کو دفن کر دیا مگر بعد میں میرا دل اس پر راضی نہ ہو سکا کہ میں ان کو دوسروں کے ساتھ رکھوں تو میں نے ان کو چھ ماہ کے بعد نکال کر ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اتنی طویل مدت میں کان کے ذرا سے حصہ کے سوا ان کا سارا جسم اس طرح موجود تھا گویا کہ آج ہی ان کو دفن کیا ہو۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک سے حصولِ ہدایت اور علم و مال میں خیر و برکت

حضرت جریر کے لئے دعا

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ کو خطاب کر کے فرمایا کیا تم اس "ذی الخلصہ" (بت کدہ) کو نیست و نابود کر کے مجھ کو راحت نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ مگر میں گھوڑے پر جم کر سوار نہیں ہو سکتا تھا اس لئے میں نے آپ سے اپنی اس شکایت کا تذکرہ کر دیا۔ آپ نے میرے سینے پر اپنے دست مبارک کی ایک ضرب لگائی جس کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا پھر یہ دعا کی "خداوندا اس کو جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما اور اس کو ہادی و مہدی بنا دے"۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آج کا دن ہے کہ میں اپنے گھوڑے سے کبھی نہیں گرا۔ الغرض قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر یہ گئے اور اس بت کدہ کو توڑ پھوڑ کر جلا کر خاک سیاہ کر کے چلے آئے۔ (متفق علیہ)

صحیح بخاری میں اتنا اور ہے کہ جب ہم نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے مجھ کو اور قبیلہ احمس کو دعا دی۔

فائدہ

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے لیکن ہمارے بعض سیرت نگاروں نے اس کو صرف صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے باب مناقب جریر بن عبداللہ میں اس واقعہ کو کچھ تغیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے لئے دعا کا کرشمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے

میرے اللہ! عمر بن الخطابؓ یا ابوجہل بن ہشام میں سے تجھے جو شخص محبوب اور پیارا ہو اس کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت اور غلبہ عطا فرما۔ تو بس عمر بن الخطابؓ ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے اور محبوب تھے اور حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے۔ روایت میں ہے کہ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھ کے دن فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ جمعرات کو اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کو سربلند فرمایا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم سب باعزت اور سربلند ہو گئے۔ (بخاری شریف)

فائدہ

تقدیر الٰہی سے اسلام ان دو میں سے صرف ایک ہی کا مقدور طے تھا اس وجہ سے پیغمبرؐ خدا کی زبان مبارک سے دعا کا عنوان بھی اسی کے مطابق صادر ہوا کہ اے اللہ اسلام کو عزت دے ان دو میں سے اس ایک کے اسلام کے ذریعہ جو تیری بارگاہ میں زیادہ محبوب ہو عمر بن الخطابؓ کے ذریعہ یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے۔

حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی رکھ دیا اور اس وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ ابن عباسؓ نے۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک سے لگا کر پھر یہ دعا فرمائی۔ الٰہی ان کو قرآن کا علم دے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اور حکمت کا علم دے۔ پھر آپ کی دعا کی مقبولیت کے آثار ظاہر ہوئے کہ لوگ ان کو "حبر امت" کہنے لگے۔ ان کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن عباسؓ ہم لوگوں کی عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کو دس بہترین آدمیوں میں سے (عشرہ مبشرہ) خارج نہ کر سکتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر

معاملات میں ان کو آگے بڑھاتے تھے اور ان کو اکابر صحابہ میں داخل کیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم تو لوگوں میں مشہور ہی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے لئے دعا

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھ کو ایک ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا۔ اور آپؐ کی خدمت میں روتا ہوا پہنچا اور بولا یا رسول اللہ میں اپنی والدہ کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا مگر وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں لیکن آج کا واقعہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا تو اب اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیجئے کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمادے۔ آپؐ نے فوراً یہ دعا دی کہ الٰہی ابو ہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی توفیق بخش دے۔ پھر کیا تھا آپ کی دعا کی وجہ سے میں خوش ہوتا ہوا گھر کے دروازے کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھڑا ہوا ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ پائی تو فرمایا ابو ہریرہؓ باہر ہی رہنا۔ ادھر مجھ کو پانی بہانے کی آواز آئی دراصل غسل فرما چکی تھیں اور اپنا کرتہ پہن رہی تھیں۔ فوراً اپنی اوڑھنی اوڑھنے کے لئے چلیں اور فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھ کو آواز دے کر بولیں۔ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله اس مرتبہ خوشی کے مارے روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ لو ابو ہریرہؓ کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی۔ اسی وقت آپؐ نے خدا کی تعریف اور دعا کے کلمات فرمائے۔ یہ سماں دیکھ کر میں بول پڑا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ دعا بھی کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنادے۔ اور ان کو ہماری نظروں میں محبوب بنادے۔ آپؐ نے پھر اسی وقت دعا دی الٰہی اپنے اس بندہ یعنی ابو ہریرہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کی نظروں میں محبوب بنا

ے اور مومنوں کو ان کی نظروں میں محبوب بنا دے۔ اس کے بعد پھر کوئی مومن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔ (مسلم شریف)

فائدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اکثر یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ پلک جھپکنے نہ پاتی کہ وہ در استجابت پر جا پہنچتی ادھر آپ دعا فرماتے ادھر آثار قبولیت و برکات نظروں کے سامنے آ جاتے۔ اس کے تجربے صرف ایک دو بار نہیں شب و روز صحابہؓ دیکھا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ خوش نصیب آنکھیں آج بھی دیکھتی رہتی ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی والدہ کو کہاں وہ ضد اور کہاں ان کی آن میں کہاں یہ کایا پلٹ۔ اب اگر ابو ہریرہؓ خوشی کے چند آنسو نہ بہا دیتے تو اور کیا کرتے۔ غلاموں کا ناز دیکھئے کہ دوسری دعا کے لئے بکھر پڑے اور آقا کی ناز برداری دیکھئے کہ اسی وقت فوراً دعا کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر رب السموات والارضین کی رحمت کا نظارہ کیجئے کہ کس طرح اس نے در اجابت وا کر دیئے کہ آپ کی دونوں دعاؤں کے اثر۔ اس طرح ابو ہریرہؓ نے دیکھ لئے جیسا ہاتھ کی انگلیاں جس میں نہ کوئی استعارہ تھا نہ مجازنہ کوئی آنکھوں کی الٹ پھیر۔ اسی لئے یہاں معتزلہ بیچارے بھی اقرار کر لینے پر مجبور ہو گئے اور استجابت دعا کے معجزہ ہونے کے وہ بھی قائل ہو گئے۔

حضرت رافع کی بچی کا واقعہ

حضرت رافع بن سنانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور میری بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ہماری ایک لڑکی تھی اس کے بارے میں جھگڑا ہوا اس کو کون لے۔ میری بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یہ بالکل بچی ہے ابھی ابھی اس کا دودھ چھوٹا ہے۔ رافع نے کہا یہ میری لڑکی ہے مجھ کو ملنی چاہئے یہ دیکھ کر آپؐ نے رافع سے کہا جاؤ ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ اور عورت سے کہا تم بھی دوسرے گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ پھر لڑکی کو ان دونوں کے درمیان بٹھا دیا اس کے بعد اس کے والدین سے فرمایا اس کو بلاؤ وہ جدھر چلی جائے اسی کے پاس لڑکی رہے گی۔ وہ لڑکی اپنی

ماں کی طرف جانے لگی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اس کو ہدایت عطا فرما۔ بس وہ فوراً اپنے باپ کی طرف آ گئی اور فیصلہ کے مطابق انہوں نے اپنی بچی لے لی۔

فائدہ

کسی نے اس کو اسلامی فیصلہ سمجھ کر تخییر کا حکم باقی رکھا ہے۔ اور کسی کا خیال یہ ہے کہ جو ہوا آپ کی دعا کا اثر تھا۔ منظور یہ تھا کہ اسلام و کفر کے اختلاف کے ہوتے ہوئے بچی مسلمان رہے اور طرفداری بھی ثابت نہ ہو۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے لئے برکت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوفؓ پر (زعفرانی) زردی کا اثر دیکھا تو آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیسا رنگ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کس قدر مہر اس کو دیا ہے۔ عرض کیا (یا رسول اللہ) گٹھلی بھر سونا۔ آپؐ نے دعائے برکت دی اور فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کر سکو۔ (بخاری۔ مسلم)

عبدالرحمن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے دستور کے مطابق ان کا اور سعد بن الربیعؓ کا بھائی چارہ کرا دیا اس کے بعد سعد نے چاہا کہ اس رشتہ کے موافق عبدالرحمنؓ ان کے مال اور بیویوں میں نصف نصف کے شریک ہو جائیں (حتیٰ کہ وہ ایک بیوی کو طلاق دے دیں اور عبدالرحمن اس سے نکاح کر لیں) عبدالرحمن نے اس بے نظیر پیشکش کے جواب میں کہا اللہ تمہارے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے مجھ کو تم بازار دکھا دو۔ یہ گئے اور معمولی سی تجارت کر کے اتنا نفع حاصل کر لیا کہ اس سے کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر اپنے گھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن پھر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا پورا قصہ نقل کیا۔ آپ کی دعا کے اثر سے عبدالرحمن بن عوفؓ اتنے مالدار ہو گئے کہ حسب بیان زہری چار لاکھ دینار تو انہوں نے صدقہ و خیرات میں صرف کئے اور پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو

اونٹ جہاد کے لئے لوگوں کو دیئے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ ان کا یہ سب مال تجارت کی کمائی کا تھا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ان کی بیبیوں نے جب ان کے ترکہ میں اپنا آٹھواں حصہ باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں ۳۲۰۰۰۰ آیا۔

زہری کہتے ہیں کہ عبدالرحمنؓ نے بدری صحابہ کے لئے وصیت کی ان میں ہر شخص کو چار سو دینار دیئے جائیں وہ اس وقت شمار کئے گئے تو اس وقت وہ سو کی تعداد میں موجود تھے۔ عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ ام بکر کا بیان ہے کہ عبدالرحمن نے چالیس ہزار دینار کی ایک زمین فروخت کی تھی اور اس کو فقراء مہاجرین اور بنو زہرہ کے محتاج اور امہات المومنین میں تقسیم کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ عبدالرحمن نے امہات المومنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جس کی قیمت لگائی گئی تو چار لاکھ تھی۔

مہمانوں سے پہلے کھانے کا انتظام

حضرت ابوبکر صدیق کے فرزند ابو محمد بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ محتاج لوگ تھے۔ ان کا انتظام مدت تک یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا شخص اپنے ہمراہ لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے اور پھر اسی حساب سے بقیہ لوگ بھی اصحاب صفہ میں سے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ابوبکر اپنے ساتھ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دن شب کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تناول فرمایا اور عشاء کی نماز بھی وہیں ادا فرمائی۔ پھر بڑی رات گئے اپنے گھر آئے ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ آپ کو اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ انہوں نے تعجب سے فرمایا ارے کیا اتنی رات گئے تک تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے عرض کی کھانا تو ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا مگر انہوں نے آپ کے آنے سے پہلے اس کا کھانا گوارا نہ کیا۔ میں یہ باتیں سن کر صدیق اکبرؓ کا غصہ سمجھ گیا اور گھر کے کسی گوشہ میں جا چھپا انہوں نے غصہ کے لہجہ میں مجھے آواز دی خوب برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تم سب کھانا کھاؤ اور خود کھانا کھانے پر قسم

کھا بیٹھے۔ آخر کار اس قسما قسمی کے بعد کھانا شروع ہو گیا اور بخدا جو لقمہ ہم اٹھاتے اس میں ایسی برکت نظر آتی کہ وہ جتنا کم ہوتا پیچھے سے اس سے زیادہ ابھر جاتا۔ یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر بھی ہو گئے اور کھانا جتنا تھا وہ پہلے سے زیادہ نظر آتا تھا۔ ابو بکرؓ یہ ماجرا دیکھ کر اپنی بی بی سے بولے او بنی فراس کی بیٹی یہ کیا تماشہ ہے انہوں نے جواب دیا میرے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ تو پہلے سے بھی سہ گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابو بکرؓ نے بھی اس میں سے کھایا اور اپنی اس ناگواری پر کہا کہ یہ سب شیطان کی بات تھی۔ مطلب یہ کہ میرا قسم کھا جانا ایک فعل شیطانی کا نتیجہ تھا۔ پھر ایک لقمہ لے کر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے وہ صبح تک آپ کے یہاں ہی رہا۔ اتفاق سے ہمارے اور کفار کے درمیان معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہو گئی اور ہم بارہ اشخاص متفرق طور پر چل دیئے۔ ہر شخص کے ساتھ کچھ لوگ ہو لئے۔ یہ پورا اندازہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ہر ہر شخص کے ساتھ کتنے کتنے آدمی ہوں گے۔ مگر سب نے ہی وہ کھانا کھا لیا۔

فائدہ

اس ایک واقعہ سے عرب کی تہذیب واخلاق کی بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند دن قبل اسلام سے پیشتر وہ کس حالت میں پڑے ہوئے تھے اور اب کہاں سے کہاں جا پہنچے تھے۔ میزبانی کس انداز کی تھی اور مہمانوں کی تہذیب کس حد تک۔ یہ معجزہ کچھ کم قابل اعتنا ء نہیں یہاں قصہ میں ابو بکرؓ کے قسم کھا لینے اور بعد میں اس کے توڑ دینے سے ایک شرعی مسئلہ بھی معلوم ہو گیا۔ اصحاب صفہ کی احتیاج اور ان کی اتنی باعزت طور پر ضیافت کا اندازہ بھی فرمایئے پھر اسی کے ساتھ اسلامی نظم ونسق کا حال بھی کچھ معلوم کیجئے کہ اب بھی کوئی ایسا نظام قائم کر سکتا ہے جو محتاجوں کو اپنے ابنائے جنس بنا کر اس اکرام کے ساتھ ہمدردی کرتا ہو۔ آج جدید تعلیم کی بلند پروازیوں کے بعد بھی ایک دوسرے کی عزت ومال کا بھیڑیا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ کوئی دنیوی قانون نہ تھا۔ بلکہ صرف خوف الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا اور جب تک قوم میں پھر یہی خوف پیدا نہ ہوگا اس نظم کا قائم ہونا مشکل ہے۔ آپ ہزار قواعد بنائے جایئے وہ سب بددیانتی کے لئے خوشنما الفاظ سے زیادہ ثابت نہیں ہو سکتے۔

اب رہا کھانے میں برکت یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک روزمرہ کی بات تھی اور غریبوں کے لئے یہ خوان یغما یونہی بچھا رہا کرتا تھا کبھی کم اور کبھی بیش۔ ہم کو حیرت اس پر ہے کہ معجزات کا مادی حل نکالنے والے بے چارے یہاں کیا حل تلاش کریں گے اگر وہ معذور نظر آئیں تو شروع سے ہی کسی دوسری کی بجائے ان کو معجزات کا باب انسانی قوانین سے الگ سمجھنا چاہئے۔

حضرت انسؓ کے لئے دعا

بخاری نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ام سلیمؓ کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ آپ کے پاس کچھ کھجوریں اور گھی لے آئیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ گھی اس کے برتن میں اور یہ کھجوریں اس کے تھیلے میں واپس رکھ دو۔ پھر حضورؐ اس گھر کے ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے اور آپؐ نے نفل نمازیں پڑھیں پھر ام سلیمؓ کے لئے اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ مجھے ایک خاص بات عرض کرنی ہے آپؐ نے فرمایا کہو وہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا وہ آپ کی خدمت گزار لڑکا انس ہے راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے دنیا اور آخرت کی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کی ان کے لئے دعا نہ کر دی ہو اے اللہ ان کو مال اور اولاد دے اور ان کو اس میں برکت بھی دے۔ بس یہی وجہ ہے کہ میں آج تمام انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ اور مجھ سے میری لڑکی امینہ کہتی تھی کہ جب حجاج بصرہ کا حکم بن کر آیا ہے اس وقت تک کچھ اوپر ایک سو بیس تو خود میرے بیٹے پوتے جا چکے تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں تین باتوں کی دعا فرمائی۔ ان میں سے دو کا پورا ہونا تو میں نے دیکھ لیا اب آخرت میں تیسری دعا دیکھنے کی امید رکھتا ہوں۔

ابو خلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے کہا کہ انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انہوں نے دس سال تک کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی ہے ان کے پھلوں کا ایک باغ تھا اس میں سال بھر میں دو بار پھل آتے تھے اس میں ایک بیج تمسی (ریحان) کا بھی تھا جس میں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اونٹ کے لئے دعا

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا اور وہ بہت تھک گیا تھا۔ تو میں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دوں کہتے ہیں کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آ گئے اور آپؐ نے اسے چلانے کے لئے مارا اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تو پھر وہ ایسی چال چلنے لگا کہ پہلے اس طرح نہیں چل سکتا تھا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ بیمار ہے۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اپنی جگہ سے پیچھے کو ہٹے اور اس کے لئے دعا فرمائی پھر تو وہ برابر اونٹ سے آگے ہی آگے چلنے لگا۔ تو آپؐ نے فرمایا اچھا تمہارا اونٹ اب کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں اب ٹھیک ہو گیا آپ کی دعاؤں کی برکتیں اسے مل گئیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ (پھر پوری حدیث بیان کی) اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اللہ جب جب یہ سعد تجھ سے دعا کرے تو ان کی دعا قبول فرما۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اے میرے اللہ تو ان کی دعا قبول فرما اور ان کا نشانہ ٹھیک کر۔ پھر یہ حال تھا کہ حضرت سعدؓ کا ہر تیر نشانہ پر بیٹھتا تھا۔ اور ہر دعا قبول ہوتی تھی۔

حضرت علیؓ کے لئے دعا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک بار میں بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو آئے اس وقت میں یہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے اللہ اگر میرا وقت آ گیا ہے تو مجھے بیماری سے نجات دے کر راحت دے اور اگر ابھی نہیں آیا تو مجھے آرام کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ ابتلا اور آزمائش ہے تو مجھے صبر عطا فرما۔ حضورؐ نے دعا فرمائی الٰہی ان کو مرض سے شفا دے۔ پھر فرمایا اٹھ کھڑے ہو تو میں اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ درد مجھے دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ (حاکم)

مجاہدین بدر کے لئے دعا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تین سو پندرہ آدمیوں کے ساتھ میدان بدر میں نکلے جن کے حق میں آپؐ نے یہ دعا فرمائی الٰہی یہ سب پیادہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما الٰہی یہ سب ننگے ہیں ان کو لباس دے الٰہی یہ سب

دیتے تھے ان کو پیٹ بھر کر رزق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ان کی دعا قبول فرمائی کہ فتح نصیب ہوئی اور ایک شخص بھی شہید نہ ہوا کہ جب وہ لوٹا تو اس کے پاس سواری کے لئے ایک یا دو اونٹ تھے اور سب کو پوشش بھی نصیب ہوئی اور سب شکم سیر بھی ہو گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو محذورہؓ کے لئے دعا

حضرت ابو محذورہؓ (مؤذن مکہ اپنے اسلام اور مؤذن ہونے کا قصہ) بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے نکلے تو اہل مکہ میں سے دس افراد ان کی تلاش میں نکلے جن میں دسواں میں تھا۔ ہم نے نماز کے لئے آپؐ کے رفقاء کی اذانیں سنیں تو کھڑے ہو (کر) ان کا مذاق اڑانے کے لئے ہم نے بھی اذانیں دینی شروع کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں ایک شخص کی اذان میں نے سنی جس کی آواز بہت اچھی تھی اور ہمارے (بلانے کے) لئے ایک شخص کو بھیجا۔ آپؐ کے سامنے حاضر ہو کر ہم میں سے ہر ہر شخص نے اذان (دی)، سب سے آخر میں میں نے اذان دی۔ جب میں اذان دے چکا تو آپؐ نے مجھ کو بلایا اور سامنے بٹھا کر میری پیشانی کے اوپر اپنا دست مبارک پھیرا اور تین بار برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد مجھ کو حکم دیا جاؤ اور بیت اللہ کے پاس جا کر اذان دیا کرو۔ (نسائی)

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کے لئے دعا

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ بازار میں نکلتے تھے تو ان سے ابن زبیر اور ابن عمر ملتے تو یہ دونوں ان سے کہتے ہم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی تو وہ ان کو بھی شریک کر لیتے۔ تو بسا اوقات تجارت میں ان کو اتنا نفع ہوتا کہ وہ پوری اونٹنی سامان سے بھری ہوئی جوں کی توں اپنے گھر واپس کر دیتے۔ (بخاری)

حضرت عروہؓ کے لئے دعا

حضرت عروہ بن ابی الجعدؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دودھار بکری پیش ہوئی تو آپؐ نے مجھے ایک دینار عطا فرمایا اے عروہ! ادھر کے جانوروں میں جا کر ایک بکری خرید لاؤ۔ تو میں جانوروں میں گیا اور اس کے مالک سے بھاؤ تاؤ کیا تو

میں نے اس سے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور میں انہیں ہنکاتا ہوا لا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھ سے ان کا بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس کے ہاتھ ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور ایک دینار ساتھ لے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کا دینار ہے اور یہ آپ کی بکری ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیا کیا؟ چنانچہ میں نے آپ سے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان کی خرید و فروخت میں برکت دے۔ چنانچہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ میں کوفہ کے بازار میں جا کھڑا ہوتا تھا اور اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے چالیس ہزار نفع کما لیتا تھا۔ ([illegible])

حضرت ام خالدؓ کے لئے دعا

حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک کالی اوڑھنی (یا قمیص) بھی تھی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کیا خیال ہے یہ اوڑھنی میں کس کو پہنانا چاہتا ہوں؟ سب لوگ چپ رہے کچھ نہ بولے۔ آپؐ نے فرمایا ام خالد کو بلا لاؤ۔ لوگ مجھے حضورؐ کے پاس بلا کر لے گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اوڑھنی مجھے پہنائی اور دو بار یہ دعا دی۔ خوب پرانا کرو اور خوب پہنو۔ پھر اوڑھنی کی دھاریوں کو دیکھنے لگے اور اپنے دست مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا اے ام خالد! یہ "سنا" ہے۔ سنا حبشی لفظ ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا تو وہ اوڑھنی بہت دنوں تک چلتی رہی اور یہاں تک باقی رہی کہ بوسیدہ ہو گئی۔ (بخاری)

فائدہ

بعض روایات میں "حتی ذکر" کا لفظ زیادہ ہے کہ وہ اتنے دنوں تک باقی رہی کہ اس کی شہرت ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس مدت میں وہ ان کے قد کے ساتھ ساتھ ان کے جسم پر راست آتی رہی۔ یہ بھی عجیب ہے عجیب تر یہ ہے کہ ایک غیر نامی چیز نامی شے کی طرح بڑھتی رہے۔

حضرت یزید کے لئے دعا

حضرت یزید عمرو بن اخطب انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ذرا میرے قریب آؤ۔ تو آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا اے اللہ! ان کو حسن و جمال عطا فرما اور ان کے حسن و جمال کو قائم رکھ۔ راوی ان کا

حال یہ بتاتے ہیں کہ ان کی عمر بہتر اور پر اسی کی ہوئی مگر ان کی داڑھی میں بس چند ہی بال سفید ہوئے تھے۔ وہ بہت ہنس مکھ تھے اور مرتے مرتے ان کے چہرے پر جھریاں نہ پڑیں۔ (احمد)

ترمذی نے یوں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر دست مبارک پھیرا اور میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔ عروہ کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے مگر ان کے سر میں بس چند ہی بال سفید ہونے پائے تھے۔

حضرت حنظلہ کے لئے دعا

حزیم بیان کرتے ہیں کہ (حنظلہ کے والد حنظلہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور) عرض کی یا رسول اللہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور یہ میرا سب سے چھوٹا لڑکا ہے۔ میں نے اپنا مال اسے بانٹ کر دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا میاں لڑکے آگے آؤ۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اللہ تجھ میں برکت دے۔ یا یوں فرمایا کہ تجھ میں برکت ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حنظلہ کا یہ حال دیکھا کہ ان کے پاس ورم والا انسان (اور دوسری روایت بکری اور اونٹ بھی ہے) لایا جاتا اور حنظلہ اس پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ پھیر دیتے تو ورم اور سوجن اسی وقت ختم ہو جاتی اور ابوسفیان (جن کا نام مدلوک ہے) بیان کرتے ہیں کہ وہ حنظلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو وہ اسلام لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرما دی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک ان کے سر کے اگلے حصہ پر رکھا تھا صرف وہ سیاہ رہا۔ (یعنی ضعیف العمری میں) بقیہ سر سفید ہو گیا تھا۔ (بخاری)

دست مبارک کی برکت

ابوالعلی بیان کرتے ہیں کہ میں قتادہ بن ملحان کے پاس ان کے مرض الموت میں ان کے پاس موجود تھا تو ایک شخص گھر کے آخری حصے سے گزرے تو میں نے اس کا عکس حضرت قتادہ کے چہرہ پر دیکھا انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر دست مبارک پھیر دیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب بھی میں ان کو دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے چہرہ پر روغن ملا گیا ہو۔ (امام احمد)

علاماتِ قیامت

اور

کچھ دیگر پیشگوئیاں

حجاز کی آگ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ حجاز کی زمین سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جس کی روشنی سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں چمکنے لگیں گی۔ (متفق علیہ)

فائدہ

یہ آگ ۶۵۰ھ کے قریب میں ظاہر ہو چکی ہے۔ عجیب تر امر یہ ہے کہ پتھر اس سے جل کر خاک ہو جاتے تھے مگر اس پر گوشت نہ پک سکتا تھا۔

حضرت عمارؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے عمار بن یاسرؓ کے حق میں فرمایا اس بیچارے کو مسلمانوں کی ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) (بخاری)

قیصر و کسریٰ کے بارے پیشگوئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کسریٰ ہلاک ہوگا اور اس کے بعد اس کا نام ونشان اس طرح مٹے گا کہ پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر بھی ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا اور یقین کرو کہ اس کے خزانے تم لوگ اللہ کے راستے میں لٹادو گے۔ (شیخین)

فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ یقیناً مسلمانوں کی ایک جماعت یا مؤمنوں کی (راوی کو ان دونوں لفظوں میں سے اصل لفظ کے متعلق شک ہے) شاہ کسریٰ کا وہ خزانہ جو اس کے قصر ابیض میں ہے فتح کرے گی۔ (شیخین)

کسریٰ کی ہلاکت

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہؓ کی معرفت اپنا فرمان کسریٰ کو بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ اس کو بحرین کے حاکم کو دے دیں۔ بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے حوالہ کر دیا جب اس نے فرمان مبارک کو پڑھا تو غصہ میں آ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ ابن المسیبؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ بددعا کی کہ وہ بھی پارہ پارہ کر دیئے جائیں۔ (چنانچہ یہی ہوا) (بخاری شریف)

یاجوج ماجوج کا فتنہ

حضرت زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ لا الہ الا اللہ خاص طور پر عرب کے لئے افسوس ہے اس فتنے کی وجہ سے جو نزدیک آ پہنچا ہے۔ یاجوج وماجوج کی سد کا اتنا حصہ کھل چکا ہے اور آپؐ نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر بتلایا۔ زینبؓ بولیں یا رسول اللہ کیا ہم لوگوں پر یہ ہلاکت ایسے وقت آ سکتی ہے کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں؟؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں جب گندگی بہت زیادہ پھیل پڑے (ملاحم حکیم الکامل)

نوعمر لڑکوں کے ذریعہ ہلاکت

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے راست باز کی زبان مبارک سے جن کی صداقت کا جہان قائل ہے۔ یہ تیرتاک بات سنی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی

لڑکوں کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوگی۔ مروان نے تعجب سے پوچھا کیا نوعمر لڑکوں کے ذریعے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا جی ہاں مجھ کو اسی طرح معلوم ہے اگر چاہوں تو نام لے کر ان کے باپ دادا تک کا نسب بھی بیان کر دوں۔ (بخاری شریف)

دو جماعتوں کے خلاف جنگ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی ایسی دو جماعتوں میں جنگ نہ ہولے جن کا دعویٰ ایک ہی ہو (بخاری شریف)

کعبہ کو تاراج کرنے والا

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے والا ایک حبشی شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (بخاری شریف)

حضرت سراقہؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالکؓ سے فرمایا اس وقت تیری مسرت و خوشی کا عالم کیا ہوگا جب تو کسریٰ کے دو کنگن پہنے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب عمرؓ کے سامنے کسریٰ کے وہ دو کنگن ایران کی فتح کے بعد پیش کئے گئے تو انہوں نے سراقہ بن مالکؓ کو بلا بھیجا اور ان کے ہاتھوں میں وہ کنگن ڈال دیئے اور فرمایا کہ اب اس خدا کی تعریف کرو جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے یہ کنگن نکال کر سراقہ جیسے دیہاتی کو پہنا دیئے۔

فائدہ

سوچئے کہ یہ پیشگوئی ایک ریگستان کو گلزار بنا دینے والے نے کس کے متعلق اور کن حالات میں کی تھی کیا ظاہری اسباب اس کی تائید کر سکتے تھے مگر آج آپ کے سامنے وہ ایک واقعہ بن کر نظر آ رہے ہیں۔ کیا اس کو معجزات کی فہرست سے خارج کرنا اتنا معقول ہے یا معجزہ صرف ان ہی اعمال تک محدود ہے جو آپؐ کے عہد مبارک میں آپؐ سے ظاہر ہوئے۔

فارس کا خاتمہ

حضرت ابن محیریزؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فارس تو

بس ایک دو ٹکر میں ختم ہو جانے والا ہے اس کے بعد فارس کا تو نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا
ہاں روم کچھ باقی رہے گا ایک قرن ختم ہوگا اس کے بعد دوسرا باقی رہے گا۔

حضرت ابوذرؓ کے لئے پیشگوئی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا پھر فرمایا اگر کسی زمانے میں لوگ بھوک کی شدت میں مبتلا ہوں ایسی بھوک کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بستر سے اٹھ کر نماز کی جگہ بھی نہ آ سکو تو بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کی یہ تو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ فرمایا دیکھو اس وقت بھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اچھا ابوذر بتاؤ اگر لوگوں میں موت کی ایسی گرم بازاری ہو جائے کہ ایک قبر کی قیمت ایک غلام کے برابر جا پہنچے۔ بھلا ایسے زمانے میں تم کیا کرو گے؟ یہ بولے کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا دیکھو صبر کرنا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اگر لوگوں میں ایسا قتل و قتال ہو کہ خون "حجارزیت" تک بہہ جائے بھلا اس وقت تم کیا کرو گے انہوں نے عرض کی یہ بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا بس اپنے گھر میں گھسے رہنا اور اندر سے اپنا دروازہ بند کر لینا۔ انہوں نے عرض کی اگر اس پر بھی چھوٹ نہ سکوں۔ فرمایا کہ پھر جس قبیلے کے ہو وہاں چلے جانا۔ انہوں نے عرض کی اگر میں بھی اپنے ہتھیار سنبھال لوں۔ فرمایا تو تم بھی فتنے میں ان کے شریک سمجھے جاؤ گے۔ اس لئے شرکت ہرگز نہ کرنا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تلوار کی چمک تم کو خوفزدہ کر دے گی تو اپنی چادر کا پلہ اپنے منہ پر ڈال لینا اور قتل ہونا گوارا کر لینا۔ تمہارے اور قاتل کے گناہ سب کے سب قاتل ہی کے سر پڑ جائیں گے۔ (ابن حبان)

مستقبل کے حالات کی پیشگوئی

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہؓ اور معاذؓ یہ تینوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی پھر کچھ دن خلافت اور رحمت رہے گی۔ اس کے بعد خلافت کا دور ختم ہو جائے گا اور کاٹنے والا ملک بن جائے گا۔ سرکشی اور

جبر وتشدد اور امت میں فساد کا دور دورہ ہو جائے گا تا آنکہ حرامکاری شراب خوری اور ریشم کو لوگ حلال بنالیں گے اور ان حالات میں بھی قدرت کی یہ ڈھیل ہوگی کہ فتح ونصرت اور رزق کی فراخی برابر ان پر رہے گی یہاں تک کہ ان کی موت آجائے گی۔ (ابوداؤد طیالسی)

تیس سالہ خلافت

حضرت سفینہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت منہاج نبوت پر رہے گی۔ اس کے بعد پھر خلافت نہیں ہوگی بلکہ ملک گیری ہو جائے گی۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

فائدہ

سفینہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ خلافت صدیقی دو سال رہی اس کے بعد دس سال تک خلافت فاروقی کا دور رہا پھر بارہ سال عثمان غنیؓ کی خلافت رہی اور چھ سال حضرت علیؓ کی خلافت چلی۔ یہ مجموعہ تیس سال ہو گئے۔ حضرت امام حسنؓ کے دور کے چھ ماہ کی مدت ملا کر خلفائے اربعہ کی خلافت کی مدت ٹھیک تیس سال ہوتی ہے۔ جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اس کے بعد پھر ملک گیری مطمح نظر ہو گیا اور رشد وہدایت کا وہ دور ختم ہو گیا جس کو خلافت نبوت کہا جا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ارادہ کے بغیر خیال اس طرف منتقل ہوا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت کل تیس سال ہونے میں شاید حکمت یہ ہو کہ بحکم حدیث چونکہ ہر تاریخی نبی کی عمر پہلے نبی سے نصف ہوتی چلی آئی ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر نزول سے پہلی اور بعد کی ملا کر ایک سو بیس ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری عمر ساٹھ سال ہوگی چنانچہ بحذف کسر آپ کی عمر یہی ہوئی۔ اس حساب سے اگر آپ کے بعد نبوت باقی ہوتی اور کوئی نبی آنا مقدر ہوتا تو اس کی عمر آپ کی عمر کے نصف ہونی چاہئے تھی وہ تیس ہی ہے۔ چونکہ یہاں نبوت اب ختم ہو چکی تھی اس لئے خلافت نبوت علی منہاج النبوۃ کی عمر تیس سال مقدر ہوئی واللہ الحمد۔

یہاں یہ امر قابل یادداشت ہے کہ جو لوگ اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ اسی حدیث کے ماتحت کیا کسی مدعی نبوت کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے؟

بدعملی کا زمانہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جبکہ دین کی حالت ایسی کمزور ہو جائے گی کہ دین پر عمل کرنا ایسا مشکل ہو گا جیسا ہاتھ میں انگارہ پکڑنا۔ (ترمذی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت اسلام کے پر شوکت زمانے میں ہو جو شخص تم میں سے اسلامی احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا وہ ہلاک ہو گا اور آگے اسلام کے ضعف کا وہ دور آنے والا ہے کہ اس میں جو شخص اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا وہ بھی نجات پا جائے گا۔ (ترمذی)

امت کے مغضوب لوگ

حضرت ابو عامرؓ اور ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو خالص اور غالب ریشم کے کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حلال بنا کر رہیں گے اور یہ بھی ہو گا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں ایک قافلہ آ کر اترے گا جب شام کو ان کے مویشی ان کے پاس آئیں گے تو ایک شخص اپنی حاجت لے کر ان کے پاس آئے گا وہ جواب دیں گے تم کل آنا۔ اللہ تعالیٰ رات ہی میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا۔ پہاڑ ان پر گر پڑے گا اور کچھ لوگوں کو ہمیشہ قیامت تک کے لئے بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دے گا۔ (بخاری)

دین کا حجاز کی طرف سمٹنا

حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں دین تمام اطراف سے سکڑ کر حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ دور دور جا کر پھر اپنے ہی سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے اور آخر میں دین حجاز میں آ کر اس طرح پناہ لے گا جیسا کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پناہ لیتا ہے۔ بے شبہ جب اسلام دنیا میں آیا تھا تو وہ ایک پردیسی شخص کی طرح اپنے خیال کا اکیلا تھا اور آخر میں پھر اسی

طرح پردیسی بن جائے گا تو مبارک ہو ان کو جو دین کی خاطر اپنے دیس میں بھی پردیسی کی طرح بن جائیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اصلاح کریں گے میری سنت کی ان باتوں کی جو بدعتیوں نے میرے بعد آ کر خراب کر دی ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

جنت کی بشارت

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں رونق افروز تھے اور اس وقت آپ ایک تر زمین میں ایک لکڑی کا سہارا لئے ہوئے تھے کہ دفعۃً کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھے۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دیدی۔ اس کے بعد پھر کسی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔ میں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عمرؓ تھے۔ میں نے ان کے لئے بھی دروازہ کھولا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنا دی۔ اس کے بعد پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش پر ان کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔ میں نے دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ میں گیا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنا دی اور ان سے وہ بات بھی کہہ دی جو ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ انہوں نے فوراً یہ دعا فرمائی الٰہی اس پر صبر کی توفیق عطا فرما۔ اور اللہ ہی کی ذات پاک وہ ہے جس سے ہر معاملہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

فائدہ

ایک جگہ خود راوی کا بیان ہے کہ یہ نشست اس طرح پر تھی کہ میں نے اسی سے ان کی قبروں کا اندازہ کر لیا تھا۔ یعنی عثمان غنیؓ جہاں بیٹھے تھے وہ ایک جگہ ان حضرات سے ایک جانب میں بیٹھے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیداری کے واقعات بھی خواب کی طرح تعبیر طلب ہوتے ہیں پھر اس واقعہ کی بھی تعبیر تحریر فرمائی ہے۔ بعض نافہموں کو اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے لئے پیش گوئی

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو کسی اپنی خاص صورت میں دیکھ پایا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زیارت جس شخص کو بھی ہو وہ آخر کار نابینا ہو جاتا ہے۔ مگر صرف ایک نبی اس سے مستثنیٰ ہے لیکن آخر عمر میں ہوتا ہے فوراً نہیں۔ ایک روایت میں ابن عباسؓ کا یہ بیان اور ہے کہ میں ان کو گاہ بگاہ اس طرح دیکھ لیتا تھا جیسا کوئی شخص اپنے پاس والے شخص کو پس پردہ پر چھائیں کی طرح دیکھ لیتا ہے یعنی بالکل آمنے سامنے صاف دیدار نہیں ہوتا تھا ورنہ معلوم نہیں کہ عام بشر کی کیا گت بنتی۔ (مستدرک)

یہ دیدار روحانی قرب وخصوصیات پر مبنی ہے۔ ابن عباسؓ تو ایک عظیم القدر فرشتے کے اتنے سے دیدار کی تاب نہ لا سکے اور اپنی آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ پھر دیدار الٰہی کو اس پر قیاس کر لیجئے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو ہزار اشتیاق کے باوجود "لن ترانی" کا جواب سننا ہی پڑا۔ ایسا ایک جبرئیل علیہ السلام کے حق میں کیوں ارشاد فرمایا گیا۔ یہ بہت تفصیل کا محتاج ہے۔ پھر بھی حقیقت حال کا علم تو اس علام الغیوب کو ہے۔ عالم شہادت کے بسنے والے عالم غیب سے بھلا کیسے آشنا ہوں۔ الا ان یشاء اللہ۔

حضرت حاطبؓ کے خط والا واقعہ

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثدؓ اور زبیر بن العوامؓ اور مقدادؓ ہم سب سواروں کو ایک گرفتاری کے سلسلہ میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور جب مقام روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تم کو ایک مسلمان عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا جو حاطب نے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہے۔ ہم چلے آخر ہم نے اس کو پکڑ لیا وہ اونٹ پر سوار اس کو تیز دوڑائے لئے جا رہی تھی۔ اور ہم نے اس سے کہا "خط کہاں ہے"؟ وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے کجاوہ میں خط تلاش کیا مگر کوئی خط ہماری نظر نہ پڑا۔ ہم نے کہا یہ امر تو یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف واقع نہیں فرمایا تجھ کو خط نکالنا ہوگا۔ نہیں تو ہم تجھے ننگا کرتے ہیں وہ ایک کملی

پہنے ہوئے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو ننگا کرنے کے لئے اس کے تہ بندکی جگہ کی طرف بڑھا تو اس نے بالوں میں سے خط نکال کر دیدیا ہم نے وہ خط لے لیا اور اس کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کو کھول کر دیکھا تو خلاف توقع حاطب کی جانب سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی رازوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کہو حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ کہا۔ ذرا میری بات سن لیں اور میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں میں خود اہل مکہ سے نہ تھا بلکہ باہر کا آدمی تھا جوان میں آ کر بس گیا تھا۔ اور یہ جو مہاجرین ہیں ان کی وہاں رشتہ داری تھی جس کے ذریعہ ان کے عزیزوں کی وہاں نگہداشت ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب میرا ان سے کوئی رشتے ناطے کا تعلق نہیں تو لاؤ ان پر کوئی احسان ہی کر دوں۔ جس کی رعایت سے وہ میرے خاندان والوں کی بھی حفاظت کریں۔ بس اتنی ہی بات ہے ورنہ میں نے یہ حرکت نہ تو کفر کی وجہ سے کی ہے اور نہ اس لئے کہ میں مرتد ہو گیا ہوں یا کفر سے خوش ہوں۔ میرا بیان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہوں نے جو بات تھی وہ سچ سچ کہدی ہے۔ عمر غصہ میں بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس منافق کا سرتن سے جدا کرنے دیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تم کو کیا معلوم ہے کہ شرکائے بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ جو عمل چاہو کرو میں تم سب کو بخش چکا۔ (شیخین)

فائدہ

اسالیب کلام کو نہ جاننے والا اور فصاحت و بلاغت کے انداز بیان سے ناآشنا یہاں محض لفظی چکر میں پڑ کر حیران رہ جاتا ہے اور بے وجہ دماغ سوزی کر کے سوال و جواب کی الجھن میں پھنس جاتا ہے اور ایک کلام کا ذوق رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ صرف تشریف و اکرام کا ایک پیرایہ ہے جس میں لفظی وسعت ہوتی ہے مگر وہ مراد نہیں ہوا کرتی۔ دیکھئے ایک موقعہ پر اپنی شان بے نیازی کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر

اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اب یہاں کون کہہ سکتا ہے کہ کفر و ایمان کا بندہ کو اختیار دیدیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں اس کے لئے جائز کردی گئی ہیں۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ شان ربوبیت کے استغناء اور اس کی بے نیازی کا یہ ایک پیرایہ بیان ہے جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ کا ایمان و کفر اس کے حق میں سب برابر ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک طبیب اپنے مریض کی صحت کے بعد کہہ دیتا ہے کہ اب جو چاہو کھاؤ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کلمات سے اس نے زہر اور مضر اشیاء کی بھی اجازت دیدی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ بھی مریض کے صحت کا ایک پیرایہ بیان ہے۔ اسی طرح اعملوا ما شئتم کا لفظ اہل بدر کے حق میں اس کا اعلان ہے کہ تم اپنے اس عمل کی بدولت یقین کرلو کہ بخشے جاچکے لہٰذا اب جو عمل چاہو کرو۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدائی کلمات چونکہ بڑی حقیقت کے حامل ہوتے ہیں اس لئے اس کی فطرت پر اتنے اثر انداز ہوجاتے ہیں کہ پھر اس کی فطرت سے دوزخ کے اسباب کرنے کی صلاحیت ہی معدوم ہوجاتی ہے اس لئے یہ لفظی توسیع ایک طرف تو اکرام و تشریف کا پیغام ہوتی ہے اور دوسری طرف کبائر سے ان کی حفاظت کی بشارت بھی ہوتی ہے۔ اب دیکھ لیجئے یہاں حاطب کے عمل کی صورت کتنی مہلک تھی حتیٰ کہ اس پر نفاق و ارتداد تک کا شبہ بھی پیدا ہوسکتا تھا لیکن جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت انسان کی ایک فطرت کی کمزوری سے ذرا بھی آگے نہ تھی۔

شان نبوت بھی کمالات ربانی کی کیسی مظہر ہوتی ہے کہ یہاں اب بھی یہ نہیں فرمایا جاتا کہ یہ کوئی کفر کی بات ہی نہیں یہ تو صرف ایک انسانی کمزوری ہے جس سے بشر جب تک وہ بشر ہے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا مبادا اس تشریح سے اس تشریف میں کمی پیدا ہو جو اکرام الاکرمین کو ان کلمات سے اہل بدر کی مقصود تھی۔

مصلحت اور مفسدہ میں جب تعارض واقع ہوجائے تو کہاں مصلحت کو مقدم کرنا چاہئے اور کہاں مفسدہ کو یہ شریعت کا ایک بہت بڑا اہم باب ہے جس کو حضرت علیؓ جیسا شخص ہی پورا اندازہ کرسکتا ہے اب دیکھئے کہ یہاں ایک طرف مصلحت چاہتی ہے کہ اس عورت کے انکار پر اس کو اگر عریاں بھی کرنا پڑے تو اس صورت سے بھی اس کی تلاشی ضرور لے لی جائے دوسری طرف اجنبی عورت کے ستر کشف کرنے کی مضرت بھی کچھ کم نہ تھی۔ مگر حضرت علیؓ کو

یہاں مخبر صادق کی خبر کا یقین تھا اور وہ اس کے لئے مامور بھی تھے کہ جو خط اس کے پاس ہے وہ لے کر آئیں اس لئے انہوں نے کسی ظنی اور تخمینی بات پر اس مفسدہ پر جرات نہیں کی بلکہ آپ کے صریح حکم کی تعمیل کی جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو آخر ایسی بات کی بھی دھمکی دیدی جس کے بعد اس کے لئے خط کے حوالہ کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جو توازن کے ساتھ حالات کا اندازہ نہیں لگاتے وہ یا تو مصلحت کی خاطر کھلے محرکات میں بے باک ہو جاتے ہیں یا پھر مفسدہ کا اندازہ نہ لگا کر اجتماعی مصالح کو معمولی سی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں۔ جب تک شریعت کا پورا پورا علم اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے خوف سے قلب پورا معمور نہ ہو اس توازن کو نبھانا مشکل ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اس کو نہ تو نیک بخت نادان بنا سکتا ہے اور نہ شرعی مزاج سے ناواقف دانا۔

نجاشی کی وفات

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے انتقال کی خبر آنے سے پہلے جس دن اس کا انتقال ہوا تھا اسی دن لوگوں کے سامنے بیان فرمادی تھی اس کے بعد آپؐ نے باہر تشریف لا کر نماز جنازہ ادا فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔ جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ ادا کی اور ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے اصحمہ کی وفات ہو گئی ہے اور اس پر نماز ادا فرمائی اور ہماری امامت فرمائی۔ اور عمران بن حصینؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تمہارا ایک اسلامی بھائی انتقال کر گیا ہے۔ پس اس پر نماز جنازہ پڑھو۔ یعنی نجاشی پر۔

حضرت زیدؓ کے متعلق پیشگوئی

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بیمار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کو تشریف لائے اور فرمایا اس بیماری سے تو تمہیں کوئی اندیشہ نہیں لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم میرے بعد طویل عمر پاؤ گے اور نابینا ہو جاؤ گے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ انہوں نے

عرض کیا کہ میں صبر کروں گا اور طلب ثواب کی نیت اور توقع رکھوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب تو پھر تم جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہو جاؤ گے۔ انیسہ بنت زید کہتی ہیں کہ واقعی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا بھی دی کہ بینا ہو گئے اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ (بیہقی)

ایک مرتد عیسائی کا انجام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی ایمان لایا اور مسلمان ہوا اور اس نے سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب ہو گیا تھا۔ مگر پھر عیسائی بن گیا۔ وہ کہنے لگا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو میں ان کے لئے لکھ دیا کرتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی۔ اے اللہ اس کو ایسی سزا دیجئے کہ آپ کی قدرت کی نشانی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اس کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی لاش زمین نے باہر پھینک دی۔ ان لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ضرور یہ کام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ہے کہ جب وہ ان کے گروہ سے الگ ہو گیا تو انہوں نے اس کی قبر کھود ڈالی اور اس کی لاش باہر ڈال دی۔ عیسائیوں نے پھر اس کی قبر کھودی اور جتنی گہری کھود سکتے تھے اتنی گہری کھودی پھر صبح کو دیکھا تو زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی تھی۔ پھر عیسائیوں نے پہلے کی طرح الزام دیا پھر اس کے لئے تیسری بار قبر کھودی اور خوب گہری کھودی پھر بھی زمین نے اس کی لاش اگل دی۔ تب لوگ سمجھے کہ یہ کام آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تو اسے یونہی باہر پڑا چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

قریش کی طرف سے اذیتیں اور بائیکاٹ

ابن شہاب سے قصہ صحیفہ (یعنی بنو ہاشم کے مقابلے پر مشرکین قریش کا باہم عہد نامہ) جس کو عروہ بن الزبیرؓ نے بیان کیا۔ منقول ہے اور محمد بن اسحاق (مشہور مورخ) نے بھی اس کا خلاصہ نقل کیا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر مشرکین کی ایذائیں اور سختیاں پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئیں یہاں تک کہ مسلمان سخت تنگی میں مبتلا ہو گئے اور ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ ادھر قریش اس پر متفق ہو گئے کہ آپؐ کو کسی تدبیر سے کھلم کھلا قتل کر دیں۔ جب ابو طالب نے قوم کا یہ ظلم دیکھا تو انہوں نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ٹھکانے میں لے جائیں اور جو شخص بھی آپؐ کے قتل کا ارادہ کرے اس کو اس ارادہ سے منع کریں۔ ابو طالب کے اس نتیجہ پر عبدالمطلب کا سارا قبیلہ کیا مسلمان اور کیا کافر سب کے سب متفق ہو گئے۔ یہ دوسری بات تھی کہ آپ کی یہ حمایت کسی کی تو صرف حمیت قومی کی بنا پر تھی اور کسی کی ایمان و یقین کی بنا پر۔ ادھر قریش نے جب یہ دیکھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر

متفق ہو چکے ہیں تو مشرکین قریش بنو عبدالمطلب کے مقابلے پر بائیکاٹ کے لئے متفق ہو
گئے کہ نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کریں گے اور نہ خرید و فروخت اور نہ ان کے گھروں
میں آمد و رفت رکھیں گے۔ یہاں تک کہ وہ قتل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد نہ کر
دیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا جس میں یہ ذکر کیا کہ بنو ہاشم سے اس
وقت تک ہرگز کوئی صلح نہ کریں گے اور نہ ان پر رحم کھائیں گے جب تک کہ وہ قتل کرنے کے
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کر دیں اس کے بعد بنو ہاشم تین سال تک اسی
طرح اپنی جگہ محبوس رہے۔ سختیوں اور مصائب کا دور ان پر زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا رہا۔
مشرکین قریش نے ان کے لئے بازاروں کی آمد و رفت بند کر دی اور جب باہر سے کھانے
کا کوئی سامان مکہ مکرمہ آتا تو فوراً لپک کر اس کو خرید لیتے اور مقصد یہ تھا کہ اس ایذا رسانی کی
تدبیر سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو
جائیں۔ اس جگہ ابن اسحاق نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ بنو ہاشم پر بھوک کی شدت کا عالم یہ ہو
گیا تھا کہ ان کے بچوں کی آواز بنو ہاشم والی گھاٹی کے باہر سے کانوں میں آتی تھی کہ وہ بھوک
سے بلبلا رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو باندھ کر ڈال دیا تھا اس
پر ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے غرض کہ عظیم آزمائش کا وقت تھا اور مسلمانوں پر گویا
قیامت برپا تھی۔ یہاں موسیٰ بن عقبہ اس واقعہ کا تتمہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے
اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ وہ ان کے
بچھونے پر جا لیٹیں یہاں تک کہ جو بدکردار آپؐ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو وہ یہ دیکھ لے۔ پھر
جب لوگوں کو سلا دیتے تو اپنے کسی بیٹے یا بھانجے یا بھتیجے سے کہتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے بستر پر جا سوئے جب اس دور پر تیسرا سال ہونے لگا تو بنو عبد مناف اور بنو قصی اور ان
کے علاوہ قریش کے اور لوگوں نے جو بنو ہاشم کی اولاد تھے باہم ایک دوسرے کو ملامت کی اور
انہوں نے سمجھا کہ انہوں نے باہم رشتہ داری کا تعلق ختم کر کے حق کے خلاف کیا اور قطع رحم
کے جرم کے مرتکب ہو گئے اور اسی رات میں ان کا یہ مشورہ مشہور کیا کہ غداری اور بائیکاٹ کے
جو منصوبے انہوں نے گانٹھ رکھے تھے وہ یکلخت توڑ ڈالیں ادھر جس عہد نامے میں انہوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بد کا ذکر کیا تھا اس کو قدرت نے دیمک لگا دی اور وہ اس عہد نامہ کو چاٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد نامہ بیت اللہ کی چھت میں لٹکا ہوا تھا۔ دیمک نے اس عہد نامے میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا تمام جگہ سے اس کو چاٹ لیا تھا اور جو جو شرک یا ظلم یا قطع رحم کی باتیں تھیں وہ سب چھوڑ دی تھیں عہد نامہ کا یہ سارا راز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر کھول دیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب ابو طالب سے ذکر کر دیا۔ ابو طالب نے قسم کھا کر کہا آپؐ نے مجھ سے جھوٹ نہیں فرمایا اور بنو عبد المطلب کی ایک جماعت ساتھ لے کر چل پڑے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اس وقت مسجد قریش سے بھری ہوئی تھی جب انہوں نے ابو طالب کو اپنی جماعت کے ساتھ اپنی طرف آتا دیکھا تو ان کو نئی سی بات معلوم ہوئی اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ لوگ اب تکالیف سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں اس پر ابو طالب بولے تمہارے معاملے میں کچھ جدید باتیں ایسی پیش آئی ہیں جو ابھی ہم نے تم کو نہیں بتائیں تو اب وہ کاغذ لاؤ جس پر تم نے باہم عہد کیا ہے شاید کہ ہمارے اور تمہارے مابین صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ انہوں نے یہ مجمل بات اس لئے فرمائی کہ کہیں وہ لوگ صحیفے کے لانے سے پہلے ہی پہلے اس کی دیکھ بھال نہ کر لیں وہ بڑے فخر کے ساتھ اس صحیفے کو لے آئے اور ان کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے انہوں نے اس کو لا کر درمیان میں رکھ دیا اور بولے وقت آ گیا کہ تم لوگ ہماری بات قبول کر لو اور اس راہ کی طرف لوٹ آؤ جو تمہاری قوم میں پھر اتفاق پیدا کر دے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہی شخص پھوٹ کا باعث بنا ہے۔ جس کی خاطر تم نے اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی بربادی اور باہمی فساد کا خطرہ مول لیا ہے۔ اس پر ابو طالب نے کہا دیکھو میں تمہارے سامنے انصاف کی صرف ایک بات پیش کرنے آیا ہوں میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور یقیناً اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا کہ جو صحیفہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور اس نے جہاں جہاں اپنا نام تھا اس کو ہر ہر جگہ سے مٹا دیا ہے اور تمہاری غداری اور ہمارے ساتھ قطع رحمی اور ہمارے برخلاف ظلم پر تمہارے باہم اتفاق

کو باقی رکھا ہے۔ اب اگر حقیقت اسی طرح نکلے جس طرح میرے بھتیجے نے کہی ہے تو ہوش میں آ جاؤ خدا کی قسم ہم اس وقت تک ان کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا ایک بچہ موت کے گھاٹ نہ اتر جائے اور اگر آپ کی بات غلط نکلے تو ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں گے پھر خواہ ان کو تم قتل کر دینا یا زندہ رہنے دینا۔ وہ بولے ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے سچے تھے جو معاملہ تھا وہ پہلے بتا چکے تھے جب قریش نے دیکھا کہ بات وہی نکلی جو ابوطالب فرما چکے تھے تو کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو تمہارے ساتھی کا جادو معلوم ہوتا ہے اور پھر لوٹ کر اپنے کفر اور آپ کی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اور زیادہ بڑھ گئے اور اپنے پہلے عہد پر اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے بنو عبدالمطلب کی اس جماعت نے کہا کہ جھوٹ بولنے اور جادوگری کے مستحق تو ہم سے پہلے کوئی اور لوگ نہ ہوں۔ یہ بات مخفی ہے کہ ہمارے ساتھ قطع رحمی کے جرم پر تم ہی لوگ متفق ہوئے ہو۔ اب اس بات کو خباثت یا جادو کہنا زیادہ مناسب ہے یا اس صلح و آشتی کو جو ہمارا طرز عمل رہا ہے۔ اگر تم لوگ متفق ہو کر جادو نہ چلاتے تو تمہارا عہد نامہ بھی دیمک نہ کھاتی اب دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے ہی قبضہ میں تھا اور اس کے باوجود اس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے اور جس جس جگہ تمہارے ظلم کی باتیں تھیں وہ سب رہنے دی ہیں۔ بولو اب جادو چلانے والے تم ہوئے یا ہم۔ یہ سن کر کچھ لوگ قبیلہ بنو عبد مناف بن قصی کے اور قریش کے وہ لوگ جو بنو ہاشم کی عورتوں سے پیدا شدہ تھے بولے جن میں ان کے بڑے بڑے مشاہیر شامل تھے جیسے ابوالبختری، مطعم بن عدی، زہیر بن ابی امیہ، زمعہ بن الاسود اور ہشام بن عمرو ان ہی کے قبضہ میں یہ عہد نامہ تھا اور یہ بنو عامر بن لوی کی اولاد تھے۔ یہ اور دوسرے سربرآوردہ لوگ کہنے لگے کہ ہم سب لوگ اس عہد نامہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتے ہیں اس پر ابو جہل بولا اچھا یہ سازش رات میں کی گئی ہے اس عہد نامہ کے بارے میں اور اس جماعت کی شان میں جنہوں نے اس عہد نامہ سے علیحدگی ظاہر کر دی تھی اور اس میں جو عہد مذکور تھا اس کو توڑ دیا تھا۔ ابوطالب نے مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ اور نجاشی بادشاہ کے متعلق بھی مدحیہ شعر کہے ہیں (کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کا ہمدرد تھا)

موسیٰ ابن عقبہ (صاحب مغازی) بیان کرتے ہیں کہ جب اس عہد نامہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح محو و اثبات کر کے خراب کر دیا تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے باہر تشریف لے آئے اور لوگوں کے ساتھ پھر ملنے جلنے لگے۔

فائدہ

اس واقعہ کو حافظ ابن تیمیہؒ نے بطور آپؐ کے ایک معجزہ ہونے کے نصاریٰ کے سامنے رکھا ہے لیکن ہمارے بعض علماء نے اس کو بھی مرسل کہہ کر آپؐ کے معجزات میں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مرسل کی حیثیت اس عالم کے نزدیک اتنی کمتر کیوں ہے جبکہ مراسیل کا احکام کے باب میں حجت ہونا تسلیم کر لیا گیا ہو۔ بالخصوص حنفیہ کے نزدیک پھر مسلم آئمہ حدیث نے مراسیل پر مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ امام شافعیؒ گو مراسیل کے منکر ہیں مگر وہ بھی علی الاطلاق نہیں ان کے ہاں بھی استثناء موجود ہے ہمارے نزدیک امام زہریؒ کی جلالت قدر اور متاخرین میں حافظ ابن تیمیہؒ کا اس کو نقل کر دینا اس کے معتبر ہونے کے لئے کافی ضمانت ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسرے طرق سے بھی یہ واقعہ ثابت ہے۔ ابن لہیعہ کو ضعیف کہا گیا ہے مگر ان کے بارے میں اختلاف آراء کے علاوہ اس درجہ ضعف کہ ان کا بیان ساقط الاعتبار ہو قابل تسلیم نہیں۔

چلئے اگر اس ایک واقعہ کو حدیث کہنے میں کوئی تامل ہو تو بہت سی احکام کی حدیثوں میں بھی ان پر حدیث کا حکم لگانا مشکل ہوگا حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق اپنی مصنفات میں صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اپنا مختار بھی بنا لیا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی خشک مزاجی کے باوجود اس کے دلائل نبوت ہونے میں ادنیٰ سے تامل کئے بغیر دنیا کے سامنے اس کو پیش کر دیا ہے اور ان ہی کے اتباع میں اس کو اسلامی تاریخ کے عجائبات میں شمار کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ جبکہ اس ایک واقعہ کو الگ رکھ کر بھی ہمارے پاس آپؐ کے بیشمار دلائل نبوت جو زبردست دشمنوں کے واسطے بھی قابل انکار نہیں موجود ہیں تو ان ہی انبار کے درمیان اس کو تحریر کرنے میں ہمارا قلم کیوں جھجکے۔

ایک نوجوان کی گستاخی پر حلم و درگزر

ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس نازیبا سوال پر صحابہؓ نے چاروں طرف سے اس کو ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی اور خاموش خاموش کا شور مچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آ جا اور آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس سے فرمایا بتا تو اپنی ماں کے ساتھ یہ فعل گوارا کرے گا؟ اس نے کہا آپ پر قربان جاؤں بخدا ہرگز نہیں' آپؐ نے کہا اچھا تو پھر اور لوگ اس کو اپنی ماؤں کے حق میں کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کی بیٹی کے متعلق یہی سوال کیا اور اسی طرح بہنوں' پھوپھیوں اور خالاؤں اس کے سب محارم کے متعلق یہی سوال کیا اور ہر ایک کے جواب میں وہ یہی کہتا رہا میری جان آپ پر قربان ہرگز نہیں۔ اور آپ بھی یہی فرماتے رہے کہ جس عورت کے ساتھ بھی تو اس فعل کا ارادہ کرے گا وہ بھی ضرور کسی کی ماں' بیٹی' بہن' پھوپھی اور خالہ ہو گی تو پھر اور لوگ اس کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور یہ دعا کی خداوندا اس کے گناہ بخش دے اور اس کا دل پاکیزہ بنا دے اور اس کو پاک دامن بنا دے۔ بس وہ دن تھا کہ پھر وہی نوجوان کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ (مسند احمد)

فائدہ

اس کا نام ہے نبوت' آپ نے دیکھا کہ ایک طرف کس حکیمانہ انداز میں اس کو نصیحت فرمائی اور دوسری طرف کیسی مستجاب دعا دی۔ اگر آپ صرف دعا پر اکتفا فرما لیتے تو یہ معجزہ صرف اسی کے حق میں معجزہ ہو کر رہ جاتا مگر اب آپؐ کے یہ حکیمانہ کلمات ہر ذی حس کے لئے تا قیامت معجزہ کا اثر دکھاتے رہیں گے۔ دل چاہتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا لوگ پورے اعتقاد کے ساتھ نمازوں کے بعد یہی دعا کر کے شفایاب ہوتے رہیں۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل سے درگزر

امام بخاریؒ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعۂ قتل میں جشی قاتل حمزہؓ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ مکہ کی طرف لوٹے تو میں بھی مکہ میں مقیم ہو گیا یہاں تک

کہ (فتح مکہ کے بعد) اسلام پھیل گیا پھر میں طائف کی جانب نکل کھڑا ہوا تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کئے اور مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی قاصد کو پریشان نہ کرتے۔ اتفاق سے ایک جماعت قاصد بن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھی اس لئے میں بھی ان ہی کے ساتھ جا شامل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا جب آپؐ نے مجھ کو بھی دیکھا تو فرمایا کیا وہ "وحشی" تو ہی ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں آپؐ نے فرمایا کیا اس بے رحمی کے ساتھ تو نے ہی حمزہؓ کو شہید کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ خبر آپ کو میری جانب سے پہنچی ہے سچی بات تو وہی ہے آپؐ نے فرمایا اچھا کیا تو اتنی سی بات کر سکتا ہے کہ اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹا لے (تاکہ تجھے دیکھ کر میرا غم تازہ نہ ہو اور مجھ کو اپنے پیارے چچا یاد نہ آئیں) یہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے اس فرمان پر شرمندہ ہو کر باہر چلا گیا اور آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو مسیلمہ کذاب کا فتنہ شروع ہو گیا میں نے دل میں کہا کہ میں بھی اس کے مقابلے کے لئے چلوں اور شاید اس کے قتل میں کامیاب ہو کر (کم از کم روز حشر میں تو آپ کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں) اور اس عمل سے شاید حمزہؓ کے قتل کی کچھ مکافات کر سکوں۔ چنانچہ میں نے جا کر اس کی طرف اپنا نیزہ پھینکا بس وہ ٹھیک اس کے سینہ سے نکل کر اس کے پشت کی جانب سے نکل گیا۔ (بخاری شریف)

فائدہ

آخر میں وہ کہا کرتے تھے کہ زمانہ کفر میں اگر ایک بہترین ہستی کو قتل کیا ہے تو اپنے اسلامی دور میں ایک بدترین شخص کو داخل جہنم کیا ہے شاید وہ اس طرح اس عمل شر کا کچھ بدلہ ہو جائے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد

سرورِ دو عالم فخرِ بنی آدم آقائے دو جہاں نبی عالمین امام المتقین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا و مولانا و شفیعنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وسلم محض نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ اور ختم کے معنی انتہا کر دینے اور کسی چیز کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں۔ اس لیے خاتم النبیین کے معنی نبوت کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہوئے اور کسی چیز کے انتہا تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آخری حد پر آ جائے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ اور حد باقی نہ رہے جس تک وہ پہنچے۔ اس لیے ختم نبوت کے معنی یہ ہوئے کہ نبوت اپنے تمام درجات و مراتب کی آخری حد تک آ گئی اور نبوت کا کوئی درجہ اور مرتبہ باقی نہیں رہا کہ جس تک وہ آئے اور اس کے لیے حرکت کر کے آگے بڑھے۔ اس لیے "خاتم النبیین" کے حقیقی معنی یہ نکلے کہ خاتم پر نبوت اور کمالاتِ نبوت کے تمام مراتب پورے ہو گئے اور نبوتی اپنے علمی و اخلاقی کمالات کے ایک ایسے انتہائی مقام پر آ گئی کہ بشریت کے دائرہ میں نہ علمی کمال کا کوئی درجہ باقی رہا نہ اخلاقی قدروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لیے نبوت خاتم سے گزر کر آگے بڑھے اور اس درجہ و قدر تک پہنچے۔

خاتم النبیین وہ ہے جس پر کمالات کی انتہاء ہو گئی

اس سے واضح ہو گیا کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت یا انقطاعِ رسالت کے نہیں کہ نبوت کی نعمت باقی نہ رہی یا اس کا نور عالم سے زائل ہو گیا بلکہ تکمیلِ نبوت کے ہیں جس کا حاصل

یہ ہوا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تمام کمالاتِ نبوت اپنی انتہا کو پہنچ کر مکمل ہو گئے جو اب تک نہ ہوئے تھے اور اب جو نبوت دنیا میں قائم ہے وہ خاتم کی ہے۔ اور اس کامل نبوت کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی، نہ یہ کہ نبوت دنیا سے منقطع ہو گئی اور چھین لی گئی، معاذ اللہ۔ اس کا قدرتی ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت جب سے شروع ہوئی اور جن کمالات کو لے کر شروع ہوئی اور آخر کار جس حد پر آ کر رکی اور ختم ہوئی، اس کے اوّل سے لے کر آخر تک جس قدر بھی کمالاتِ نبوت دنیا میں وقتاً فوقتاً آئے اور طبقۂ انبیاء میں سے کسی کو ملے وہ سب کے سب خاتم النبیین میں آ کر جمع ہو گئے۔ جو خاتم سے پہلے اس کمالِ جامعیت کے ساتھ کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے ورنہ جہاں بھی یہ اجتماع ہوتا وہیں پہ نبوت ختم ہو جاتی اور آگے بڑھ کر یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس لیے ”خاتم النبیین“ کا جامع علومِ نبوت جامع اخلاقِ نبوت جامع احوالِ نبوت اور جامع جمیع شئونِ نبوت ہونا ضروری ٹھہرا جو غیر خاتم کے لیے نہیں ہو سکتا تھا ورنہ وہی خاتم بن جاتا۔

خاتم النبیین کی شریعت

اور ظاہر ہے کہ جب ان ہی کمالاتِ علم و عمل پر شریعتوں کی بنیاد ہے جو اپنی انتہائی حدود کے ساتھ خاتم النبیین میں جمع ہو کر اپنے آخری کنارہ پر پہنچ گئے جن کا کوئی درجہ باقی نہ رہا کہ اسے پہنچانے کے لیے خدا کا کوئی اور نبی آئے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ شریعت اور دین بھی آ کر خاتم پر ختم یعنی مکمل ہو گیا اور شریعت و دین کا بھی کوئی تکمیل طلب حصہ باقی نہیں رہا کہ اسے پہنچانے اور مکمل کرنے کے لیے کسی اور نبی کو دنیا میں بھیجا جائے۔ اس لیے خاتم النبیین کے لیے خاتم الشرائع خاتم الادیان اور خاتم الکتب یا بالفاظِ دیگر کامل الشریعت کامل الدین اور کامل الکتاب ہونا بھی ضروری اور قدرتی نکلا۔ ورنہ ختمِ نبوت کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ کامل ہی ناقص کے لیے ناسخ بن سکتا ہے نہ کہ برعکس۔ اس لیے شریعتِ محمدی جب اپنے انتہائی کمال اور ناقابلِ تغیر ہونے کے سبب سابقہ شرائع کو منسوخ کرنے کی حقدار ٹھہری ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ آخر میں آتا ہے اور منسوخ اس سے مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے اس شریعت کا آخر میں آنا اور اس کے لانے والے کا سب کے آخر میں مبعوث ہونا

بھی ضروری تھا۔ اس لیے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ آخر النبیین بھی ثابت ہوئے کہ آپ کا زمانہ سارے انبیاء کے زمانوں کے بعد میں ہو۔ کیونکہ آخری عدالت جو ابتدائی عدالت کے فیصلوں کو منسوخ کرتی ہے آخری میں رکھی جاتی ہے۔

آپ کمالاتِ بشری کے منتہا بھی ہیں اور مبداء بھی

پھر ساتھ ہی جب کہ خاتم النبیین کے معنی منتہائے کمالات نبوت کے ہوئے کہ آپ ہی پر آ کر ہر کمال ختم ہو جاتا ہے تو یہ ایک طبعی اصول ہے کہ جو وصف کسی پر ختم ہوتا ہے اسی سے شروع بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کا منتہا ہوتا ہے وہی اس کا مبدا بھی ہوتا ہے اور جو کسی شے کے حق میں خاتم یعنی مکمل ہوتا ہے۔ وہی اس کے حق میں فاتح اور سرچشمہ بھی ہوتا ہے ہم سورج کو کہیں کہ وہ خاتم الانوار ہے جس پر نور کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو قدرتاً اسی کو سرچشمہ انوار بھی ماننا پڑیگا کہ نور کا آغاز اور پھیلاؤ بھی اسی سے ہوا ہے اور جہاں بھی نور اور روشنی کی کوئی جھلک ہے وہ اسی کی ہے اور اسی کے فیض سے ہے اس لیے روشنی کے حق میں سورج کو خاتم کہہ کر فاتح بھی کہنا پڑے گا یا جیسے کسی بستی کے واٹر ورکس کو ہم خاتم المیاہ (پانیوں کی آخری حد) کہیں جس پر شہر کے سارے نلوں اور ٹنکیوں کے پانی کی انتہا ہو جاتی ہے تو اسی کو ان پانیوں کا سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ پانی چلا بھی یہیں سے ہے جو نلوں اور ٹنکیوں میں پانی آیا اور جس برا سنگ کو بھی پانی ملا وہ اسی کے فیض سے ملا جیسے ہم حضرت آدم علیہ السلام کو خاتم الآ با کہیں کہ باپ ہونے کا وصف ان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور باپ نہیں نکلتا بلکہ سب باپوں کے باپ ہونے کی آخری حد سلسلہ وار پہنچ کر حضرت آدم علیہ السلام پر ختم ہو جاتی ہے تو قدرتی طور پر وہی فاتح الآ با بھی ثابت ہوتے ہیں کہ باپ ہونے کی ابتدا بھی ان ہی سے ہوا اگر وہ باپ نہ بنتے تو کسی کو بھی باپ بننا نہ آتا۔ یا جیسے ہم حق تعالیٰ شانہ کو خاتم الوجود جانتے ہیں کہ ہر موجود کے وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے تو اصول مذکورہ کی رو سے وہی ذات واجب الوجود ان وجودوں کا سرچشمہ اور مبدا بھی ثابت ہوتی ہے کہ جسے بھی وجود کا کوئی حصہ ملا وہ اسی ذات اقدس کا فیض اور طفیل ہے۔ پس وجود کے حق میں ذات خداوندی ہی اول و آخر اور مبدا و منتہا ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح

جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "خاتم النبیین" ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا۔ اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالات نبوت آپ پر پہنچ کر ختم ہو گئے اور آپ ہی کمالات علم وعمل کے منتہا ہوتے تو اصول مذکورہ کی رو سے آپ ہی کو ان کمالات بشری کا مبداء اور سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوا اور جسے بھی نبوت یا کمالات نبوت کا کوئی کرشمہ ملا وہ آپ ہی کے واسطہ اور فیض سے ملا ہے۔

آپ ﷺ کی نبوت اصلی ہے اور باقی انبیاءؑ کی بالواسطہ ہے

پس جیسے آدم کی ابوت اول بھی تھی اور وہی لوٹ پھر کر آخری بھی ثابت ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی تھی۔ بقیہ سب باپوں کی ابوت ان کے واسطہ اور فیض سے تھی۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول بھی ہوئی اور لوٹ کر پھر آخری بھی اور ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی ہے کہ بقیہ سب انبیاء کی نبوتیں آپ کے واسطہ اور فیض سے ہیں۔ پس جیسے فلاسفہ کے یہاں ہر نوع کا ایک رب النوع مانا گیا ہے جو اس نوع کے لیے نقطہ فیض ہوتا ہے۔ ایسے ہی نبوت کی مقدس نوع کا نقطہ فیض اور جوہر فرد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اس لیے آپ کی نبوت اصلی ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوت بواسطہ خاتم النبیین ہے۔ پس ہر کمال نبوت خواہ علمی ہو یا عملی۔ اخلاقی ہو یا اجتماعی حال کا ہو یا مقام کا، وہ اولاً آپ میں ہوگا اور آپ کے واسطہ سے دوسروں کو پہنچے گا۔ اس لیے اصول مذکورہ کی رو سے دائرہ نبوت میں جب آپ خاتم نبوت ہوئے تو آپ ہی فاتح نبوت بھی ہوئے۔ اگر نبوت آپ پر رکی اور ختم ہوئی تو آپ ہی سے یقیناً چلی بھی اور شروع بھی ہوئی، اسلیے آپ نبوت کے خاتم بھی ہیں اور فاتح بھی ہیں، آخر بھی ہیں اور اول بھی ہیں۔ مبدا بھی ہیں اور منتہا بھی ہیں۔ چنانچہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا کہ۔

انی عبد اللہ و خاتم النبیین

میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں۔ (البیہقی والحاکم عن عرباض بن ساریہ)

اور جہاں آپ نے نبوت کو ایک قصر سے تشبیہ دے کر اپنے کو اس کی آخری اینٹ بتایا جس پر اس عظیم الشان قصر کی تکمیل ہوگئی۔

فانا سددت موضع اللبنة و ختم بی البنات و ختم بی الرسل
(کنز العمال)

پس میں نے ہی (قصر نبوت کی آخری) اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ ہی پر یہ قصر مکمل کر دیا گیا اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیے گئے کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں۔

وہیں آپ نے اپنے کو قصر نبوت کی اولین خشت اور سب سے پہلی اینٹ بھی بتایا۔ فرمایا:

کنت نبیا و الادم بین الروح و الجسد

میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم ابھی روح و بدن ہی درمیان ہی میں تھے۔

یعنی ان میں ابھی روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی کہ میں نبی بنا دیا گیا تھا۔ جس سے واضح ہے کہ آپ خاتم ہونے کے ساتھ ساتھ فاتح بھی تھے۔ اوّل بھی تھے اور آخر بھی۔ چنانچہ ایک روایت میں اس فاتحیت اور خاتمیت کو ایک جگہ جمع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا (جو حدیث قتادہ کا ایک ٹکڑہ ہے) کہ:۔

جعلنی فاتحاً و خاتماً

اور مجھے اللہ نے فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (خصائص کبریٰ ۱۹۷/۳۲۰)

پھر چونکہ خاتم ہونے کے لیے اوّل و آخر ہونا بھی لازم تھا تو حدیث ذیل میں اسے بھی واضح فرما دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو حضورؐ کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ:۔

ھذا ابنک احمد ھو الاول و الاخر (کنز العمال)

یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اوّل بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

پھر حدیث ابی ہریرہ میں اس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی کہ:۔

کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث (ابونعیم فی الدلائل)

میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بلحاظ پیدائش کے اور سب سے پچھلا ہوں بلحاظ بعثت کے۔

اس لیے حقیقی طور پر آپ کی امتیازی شان محض نبوت نہیں۔ بلکہ "ختم نبوت" ثابت

ہوتی ہے جس سے آپ کے لیے یہ فاتح وخاتم اور اول وآخر ہونا ثابت ہوا اور آپ سارے طبقہ انبیاء میں ممتاز اور فائق نمایاں ہوئے اور ظاہر ہے کہ جب نبوت ہی سارے بشری کمالات کا سرچشمہ ہے اور اسی لیے سارے انبیاء علیہم السلام سارے ہی کمالات بشری کے جامع ہوئے ہیں تو قدرتی طور پر "خاتم نبوت" کے لیے صرف جامع کمالات ہونا کافی نہیں بلکہ خاتم کمالات ہونا بھی ضروری ہے یعنی آپ کا ہر کمال انتہائی کمال کا نقطہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ظاہر نہیں ہو سکتے۔

تمام انبیاء کے کمالات آپ ؐ میں علی وجہ الاتم موجود تھے

اندریں صورت جہاں یہ ماننا پڑے گا کہ جو کمال بھی کسی نبی میں تھا۔ وہ بلاشبہ آپ میں بھی تھا وہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ میں وہ کمال سب سے پہلے تھا اور سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور امتیاز وفضیلت کی انتہائی شان لیے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ کمال آپ میں اصلی تھا اور اوروں میں آپ کے واسطے سے تھا۔ پس آپ جامع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں فاتح کمالات ...... اور سرچشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلی الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ آپ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے باکمال بنے۔

عقلی طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عنایت ازلی سب سے پہلے اور بلاواسطہ متوجہ ہوئی۔ وہ جس درجہ کا اثر اس سے قبول کریگا یقیناً ثانوی درجہ میں اور بالواسطہ فیض پانے والے اس درجہ کا اثر نہیں لے سکتے۔ پس اول مخلوق یعنی اول ماخلق اللہ نوری کا مصداق نور الٰہی کا جو نقش کامل اپنی استعداد کامل سے قبول کر سکتا ہے۔ اس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ آپ کی سیرت مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ جو کمالات انبیاء سابقین کو الگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب اکٹھے کر کے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ آپ کو عطا کئے گئے اور جو آپ میں مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ ذیل کی چند مثالوں سے جو شان خاتمیت کی ہزاروں امتیازی خصوصیات میں سے چند کی ایک اجمالی فہرست اور سیرت خاتم الانبیاء کے بے شمار ممتاز اور خصوصی مقامات میں سے چند کی موٹی موٹی سرخیاں ہیں۔ اس حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اولین و آخرین میں سے جس باکمال کو جو کمال دیا گیا اس کمال کا انتہائی نقطہ حضور کو عطا فرمایا گیا، اپنی ہر جہتی حیثیت سے ممتاز و فائق اور افضل تو ہے۔ مثلاً

باقی انبیاء ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں

(۱) اگر اور انبیاء نبی ہیں تو آپ خاتم النبیین ہیں"۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ نہیں تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین تھے۔

اور حدیث سلمان کا حصہ ذیل کہ ان کنت اصطفیت آدم فقد ختمت بک الانبیاء وما خلقت خلقا اکرم منک علی۔ (خصائص کبریٰ ۱۹۳/۲)

ترجمہ:۔ اور ارشاد حدیث کہ جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے کہ (اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے آپ کو خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کہ جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔

باقی اقوام کے نبی ہیں آپ نبی الانبیاء ہیں

(۲) اگر اور انبیاء کی نبوتیں مرجع اقوام و ملل ہیں تو آپ کی نبوت اس کی ساتھ ساتھ مرجع انبیاء و رسل بھی ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور یاد کرو کہ جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا۔ کتاب ہو یا حکمت، پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اسکی مدد کرو گے یہ مدد بلا واسطہ ہوگی اگر کوئی رسول دورہ محمدی کو پا جائیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام آپ ہی کی نبوت کے دورہ میں آسمان سے اتریں گے اور اتباع محمدی کریں گے) یا بواسطہ امم واقوام ہوگی اگر خود رسول دورہ محمدی نہ پائیں جیسے تمام انبیاء سابقین جو دورہ محمدی سے پہلے گزر گئے اور آپ کا دورہ شریعت انہوں نے نہیں پایا۔

باقی عابد ہیں آپ امام العابدین ہیں

(۳) اگر اور انبیاء عابد ہیں تو آپ کو ان عابدین کا امام بنایا گیا۔ ثم دخلت بیت المقدس فجمع لی الانبیاء فقدمنی جبریل حتی اممتھم (نسائی شریف)

ترجمہ:۔ شب معراج کے واقعہ کا ٹکڑا ہے کہ پھر میں داخل ہوا بیت المقدس میں اور میرے لیے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا۔ تو مجھے جبرائیل نے آگے بڑھایا یہاں تک میں نے تمام انبیاء کی امامت کی۔

باقی ظہور کے بعد نبی ہیں آپ وجود سے پہلے نبی ہیں

(۴) اگر اور انبیاء اپنے ظہور کے وقت نبی ہوئے تو آپ اپنے وجود ہی کے وقت سے نبی تھے جو تخلیق آدم کی تکمیل سے بھی قبل کا زمانہ ہے۔ کنت نبیا و اٰدم بین الروح و الجسد (مسند احمد)

ترجمہ:۔ میں نبی تھا اور آدم ابھی تک روح اور بدن کے درمیان ہی تھے (یعنی ان کی تخلیق ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔)

باقیوں کی نبوت حادث تھی آپ کی قدیم ہے

(۵) اگر اوروں کی نبوت حادث تھی تو حضور کی نبوت عالم خلق میں قدیم تھی۔

قال ابو ھریرۃ متی وجبت لک النبوۃ؟ قال بین خلق اٰدم و نفخ الروح فیہ۔ (مستدرک حاکم و بیہقی و ابو نعیم)

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟

آپ نے فرمایا۔ آدم کی پیدائش اور ان میں روح آنے کے درمیان میں۔

باقی انبیاء کائنات تھے آپ سبب تخلیقِ کائنات ہیں

(۶) اگر اور انبیاء اور ساری کائنات مخلوق ہیں تو آپ مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ سبب تخلیقِ کائنات بھی ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار (مستدرک)

ترجمہ:۔ اگر محمدؐ نہ ہوں (یعنی میں انہیں پیدا نہ کروں) تو نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت و نار کو۔

باقی مقرب تھے تو آپ اولُ المقربین ہیں

(۷) اگر عہد الست میں اور انبیاء مع تمام اولاد کے بلیٰ کے ساتھ مقرب تھے تو حضور اول المقربین تھے جنہوں نے سب سے پہلے بلیٰ کہا اور بلیٰ کہنے کی سب کو راہ دکھلائی۔ کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول من قال بلی و لذلک صار یتقدم الانبیاء وھو آخر من بعث (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے (عہد الست کے وقت) بلیٰ فرمایا۔ اسی لیے آپ تمام انبیاء پر مقدم ہو گئے درحالیکہ آپ سب کے آخر میں بھیجے گئے ہیں۔

آپ اول المبعوثین ہوں گے

(۸) اگر روز قیامت اور انبیاء قبروں سے مبعوث ہوں گے تو آپ اول المبعوثین ہوں گے۔

انا اول من تنشق عنه الارض (مسند احمد عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہوں گا کہ زمین اس کے لیے شق ہوگی یعنی قبر سے سب سے پہلے میں اٹھونگا۔

آپ کو سب سے پہلے بلایا جائے گا

(۹) اگر اور انبیاء ابھی عرصات قیامت ہی میں ہوں گے تو آپ کو سب سے پہلے پکار بھی

لیا جائے گا۔ کہ مقام محمود پر پہنچ کر اللہ کی منتخب حمد وثنا کریں۔ فیکون اول من یدعیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذا لک قولہ تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا (مسند بزار و بیہقی)

ترجمہ:۔ پس جنہیں (میدانِ محشر میں) سب سے پہلے پکارا جائے گا۔ (کہ مقام محمود پر آ جائیں اور حمد وثنا کریں۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ یہی معنی ہیں اللہ کے اس قول کے کہ قریب ہے بھیجے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

آپ قیامت میں سب سے پہلے ساجد ہوں گے

(۱۰) اگر اور انبیاء کو روز قیامت ہنوز سجدہ کی جرات نہ ہوگی تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جنہیں سجدہ کی اجازت دی جائے گی۔ انا اوّل من یوذن لہ بالسجود یوم القیمۃ

(مسند احمد عن ابی الدرداء)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہونگا۔ جسے قیامت کے دن سجدہ کی اجازت دیجائیگی۔

آپ سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائیں گے

(۱۱) اگر اور انبیاء اجازت عامہ کے بعد ہنوز سجدہ ہی میں ہوں گے تو آپ کو سب سے اول سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دے دی جائیگی انا اول من یرفع راسہ فانظر الی بین یدی . (مسند احمد عن ابی الدرداء)

وفی مسلم: فیقال یا محمد ارفع راسک سل تعط واشفع تشفع

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے سامنے نظر کروں گا۔ (جب کہ سب کی نگاہیں نیچی ہوں گی) کہا جائے گا۔ محمد! سر اٹھاؤ جو مانگو گے دیا جائے گا (جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائیگی۔

آپ اول الشافعین واول المشفعین ہوں گے

(۱۲) اگر اور انبیاء روز قیامت شافع اور مشفع ہوں گے تو آپ اوّل شافع اور اول مشفع ہوں گے۔ انا اوّل شافع و اول مشفع (ابونعیم فی الحلیہ عن جابر)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا شافع اور سب سے پہلا مشفع ہونگا (جس کی شفاعت قبول کی جائیگی)

آپ کو شفاعت کبریٰ ملے گی

(۱۳) اگر اور انبیاء کو شفاعت صغریٰ یعنی اپنی اپنی قوموں کی شفاعت دی جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ یعنی تمام اقوام دنیا کی شفاعت دی جائے گی۔

اذھبوا الیٰ محمد فیاتون فیقولون یا محمد انت رسول اللہ وخاتم النبیین غفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر فاشفع لنا الی ربک الحدیث (مسند احمد عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ شفاعت کے سلسلہ میں اس حدیث طویل میں ہے کہ جب اولین وآخرین کی سرگردانی پر اور طلب شفاعت پر سارے انبیاء جواب دیں گے کہ ہم اس میدان میں نہیں بڑھ سکتے اور لوگ آدم سے لے کر تمام انبیاء ورسل تک سلسلہ وار شفاعت سے عذر سنتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچیں گے اور طالب شفاعت ہونگے تو فرمائیں گے کہ) جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آدم کی ساری اولاد آپکے پاس حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں (گویا آج سارے عالم کو رسالت محمدی اور ختم نبوت کا اقرار کرنا پڑیگا) آپکی اگلی اور پچھلی لغزشیں سب پہلے ہی معاف کردی گئی ہیں (یعنی آپکے لیے اس عذر کا موقع نہیں جو ہر نبی نے کیا کہ میرے اوپر فلاں لغزش کا بوجھ ہے میں شفاعت نہیں کرسکتا کہیں مجھ سے ہی باز پرس نہ ہونے لگے اس لیے آپ پروردگار سے ہماری شفاعت فرمائیں تو آپ اسے بلا جھجک اور بلا معذرت کے قبول فرمالیں گے اور شفاعت کبریٰ کریں گے۔

آپ شفاعتِ عامہ کا مقام سنبھالیں گے

(۱۴الف) اگر انبیاء قیامت کی ہولناکی کے سبب شفاعت سے بچنے کی کوشش کریں گے اور لست لھا لست لھا (میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں) کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گے

تو حضور کے دعوے کے ساتھ انا لھا انا لھا (میں اس کا اہل ہوں) کہہ کر آگے بڑھیں گے اور شفاعت عامہ کا مقام سنبھال لیں گے (مصنف ابن ابی شیبہ عن سلمان)

ترجمہ:۔ اس روایت کی بھی وہی تفصیل ہے جو ۱۳ میں گزری۔

آپؐ سب سے پہلے پل صراط عبور کریں گے

(۱۳ ب) اگر اور انبیاء ابھی میدان حشر میں ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جو پل صراط کو عبور بھی کر جائیں گے

یضرب جسر جھنم فاکون اول من یجیز (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ جہنم پر پل تان دیا جائے گا تو سب سے پہلے اسے عبور کرنے والا میں ہوں گا۔

آپؐ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے

(۱۵) اگر اور انبیاء اور اولین و آخرین ابھی تو پیش دروازہ جنت ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جو دروازہ جنت کھٹکھٹائیں گے۔ انا اول من یقرع باب الجنۃ

(ابو نعیم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت کھٹکھٹاؤں گا۔

آپؐ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلے گا

(۱۶) اگر اور انبیاء اور اقوام انبیاء ابھی تو داخلہ جنت کی اجازت ہی کے مرحلہ پر ہوں گے تو آپ کے لیے سب سے پہلے دروازہ جنت کھول بھی دیا جائے گا۔ انا اول من تفتح لہ ابواب الجنۃ (ابو نعیم و ابن عساکر عن حذیفہ)

ترجمہ:۔ میرے لئے سب سے پہلے دروازہ جنت کھولا جائے گا۔

آپؐ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

(۱۷) اگر اور انبیاء ابھی جنت کھلنے پر ابھی داخلہ کے آرزومند ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے داخل جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وانا اول من یدخل الجنۃ یوم

القیمہ و لا فخر (بیہقی و ابو نعیم عن انس)

ترجمہ:۔ روزِ قیامت میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ مگر فخر سے نہیں کہتا۔

آپ ﷺ کو اولین و آخرین کے علوم عطا ہوئے

(۱۸) اگر اور انبیاء کو علوم خاصہ عطا ہوئے تو آپ کو علم اولین و آخرین دیا گیا۔

اوتیت علم الاولین والآخرین (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

ترجمہ:۔ مجھے علم اولین و آخرین دیا گیا ہے جو الگ الگ انبیاء کو دیا گیا تھا جیسے آدمؑ کو علم اسماء، یوسفؑ کو علم تعبیر خواب، سلیمانؑ کو علم منطق الطیر، خضرؑ کو علم لدنی، عیسیٰؑ کو حکمت وغیرہ۔

آپ ﷺ کو خُلقِ عظیم عطا ہوا

(۱۹) اگر اور انبیاء کو خلق حسن عطا ہوا۔ حسن کے معنی معاملات میں حدود سے نہ گزرنے کے ہیں اور خلق کریم عطا، جس کے معنی عفو مسامحہ کے ہیں تو آپ کو خلق عظیم دیا گیا جس کے معنی دوسروں کی تعدی پر نہ صرف ان سے درگزر کرنے اور معاف کر دینے کے ہیں بلکہ ان کے ساتھ احسان کرنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کے ہیں جو تمام محاسن اخلاق اور مکارم اخلاق دونوں کا جامع ہے۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ خلق حسن یہ ہے کہ ظلم کرنے والے سے اپنا حق پورا پورا لیا جائے۔ چھوڑا نہ جائے مگر عدل و انصاف جس میں کوئی تعدی اور زیادتی نہ ہو۔ یہ مساوات ہے اور خلاف رحمت نہیں۔ خلقِ کریم یہ ہے کہ ظالم کے ظلم سے درگزر کر کے اپنا حق معاف کر دیا جائے یہ کریم النفس ہے اور فی الجملہ رحمت بھی ہے کہ اگر دیا نہیں تو لیا بھی نہیں اور خلق عظیم یہ ہے کہ ظالم سے نہ صرف اپنے حق کی ادائیگی معاف کر دی جائے بلکہ اوپر سے اس کے ساتھ سلوک و احسان بھی کیا جائے جب کہ وہ حق تلفی کر رہا ہو۔ اس خلق کی روح غلبہ رحمت و شفقت اور کمال ایثار ہے اسی کو فرمایا کہ اے نبی! آپ خلق عظیم پر ہیں۔

آپ ﷺ متبوع الانبیاء ہیں

(۲۰) اگر اور انبیاء متبوع امم اقوام تھے تو حضور متبوع انبیاء و رسل تھے۔ لو کان

موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی (مشکوٰۃ)

ترجمہ: اگر موسیٰ آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

آپؐ کو تاج کتاب ملی

(۲۱) اگر دوراتیوں کو کامل نسخ کتابیں ملیں تو آپ کو تاج کتاب عطا ہوئی۔

ان عمر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول ھذہ نسخۃ من التوراۃ. فسکت. فجعل یقرا و وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل و لو کان حیاً و ادرک نبوتی لاتبعنی (دارمی عن جابر)

ترجمہ: حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ حضورؐ کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ یہ تورات ہے جب آپ خاموش رہے تو انہوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہونا شروع ہو گیا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تجھے گم کریں گم کرنے والیاں کیا چہرہ نبویؐ کا اثر تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ تب حضرت عمرؓ نے چہرہ اقدس کو دیکھا اور دہل گئے اور زبان پر جاری ہو گیا) میں پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے ہم راضی ہوئے اللہ سے بلحاظ رب ہونے کے اور راضی ہوئے اسلام سے بلحاظ دین ہونے کے اور راضی ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بلحاظ نبی ہونے کے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر آج تمہارے پاس موسیٰ آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو البتہ سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اگر آج موسیٰ زندہ ہو کر آ جائیں اور میری نبوت کو پائیں تو وہ یقیناً میری ہی اتباع کریں گے۔

آپؐ کو کمال دین عطا ہوا

(۴۲) اگر اور انبیاء کو دین عطا کیا گیا تو آپ کو کمال دین دیا گیا جس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔

الیوم اکملت لکم دینکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا (جس میں نہ اب کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی)۔

(۴۳) اگر اور انبیاء کو ہنگامی دین دیے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی دین عطا کیا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے دین کو کامل کر دیا (جس میں کوئی کمی نہیں رہی تو کسی نئے دین کی ضرورت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اس دین کا دوامی ہونا ظاہر ہے اور پہلے ادیان میں کمی تھی جس کی اس دین سے تکمیل ہوئی تو پچھلے کسی ناتمام دین کی اب حاجت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اس کا ہنگامی ہونا ظاہر ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دین عطا ہوا

(۴۴) اگر اور انبیاء کو دین عطا ہوا تو آپ کو غلبہ دین عطا کیا گیا۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت و دین دے کر تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

آپؐ کے دین میں تجدید رکھی گئی

(۴۵) اگر اور انبیاء کے دین میں تحریف و تبدیل راہ پا گئی جس سے وہ ختم ہو گئے تو آپ کے دین میں تجدید رکھی گئی جس سے وہ قیامت تک تازہ بتازہ ہو کر دوامی باقی رہے گا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اٹھاتا رہے گا اس امت کیلئے وہ لوگ جو ہر صدی کے سرے پر دین کو تازہ بتازہ کرتے رہیں گے۔

شریعت محمدی میں جلال و جمال کا کمال غالب ہے

(۲۶) اگر شریعت موسوی میں جلال اور شریعت عیسوی میں جمال غالب تھا۔ یعنی حکم کی صرف ایک ایک جانب کی رعایت تھی۔ تو شریعت محمدی میں جلال و جمال کا مجموعی کمال غالب ہے۔ جس کا نام اعتدال ہے۔ جس میں حکم کی دونوں جہتوں کے ساتھ درمیانی جہت کی رعایت ہے جسے توسط کہتے ہیں۔ وجعلنکم امۃ وسطاً۔

ترجمہ: اور ہم نے تم کو (بحیثیت دین) کے امت اعتدال۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں تنگی ختم کر دی گئی

(۲۷) اگر دینوں میں تشدد اور تنگی اور شاق ریاضتیں تھیں، جسے تشدد کہا جاتا ہے تو اس دین میں نرمی اور توافق طبائع رکھ کر تنگ گیری ختم کر دی گئی ہے۔

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار
(ابو داؤد عن انس)

ترجمہ: اپنے اوپر سختی مت کرو (ریاضت شاقہ اور ترک لذات میں مبالغے مت کرو) کہ اللہ بھی تم پر سختی فرمانے لگے اس لئے کہ جنہوں نے اپنے اوپر تشدد کیا۔ رہبانیت سے یعنی یہود و نصاریٰ تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی سو یہ مندروں اور خانقاہوں میں انہی کے بچے کھچے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اعتدال ہے

(۲۸) اگر بسلسلہ خصوصات شریعت موسوی میں تشدد ہے یعنی انتقام فرض ہے۔ عفو و درگزر جائز نہیں۔

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین الآیۃ۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے ان بنی اسرائیل پر فرض کر دیا تھا تورات میں نفس کا بدلہ نفس، آنکھ کا بدلا آنکھ۔

اور شریعت عیسوی میں تساہل ہے یعنی عفو و درگذر فرض ہے انتقام جائز نہیں۔ نص انجیل گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال بھی پیش کر دو انجیل میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم دایاں گال بھی پیش کہ بھائی ایک اور مارتا چل۔ خدا تیرا بھلا کرے گا۔

تو شریعت محمدی میں توسط و اعتدال فرض ہے کہ انتقام جائز اور عفو و درگذر افضل ہے جسمیں یہ دونوں شریعتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

وجزاء سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجرهٗ علی الله انه لا یحب الظلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور برائی کا بدلہ اسی جیسی اور اتنی ہی برائی ہے یہ خلق حسن ہے اور جو معاف کرے اور درگزر کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ ظالموں کو جو حد و د(سے گزر جانے والے ہوں) پسند نہیں کرتا۔

شریعت محمدی میں ظاہر کی طہارت بھی ہے باطن کی بھی

(۲۹) اگر شریعت عیسوی میں صرف باطنی صفائی پر زور دیا گیا ہے، خواہ ظاہر گندہ ہی کیوں نہ رہ جائے نہ غسل جنابت ہے نہ تطہیر اعضاء، دوسری ملتوں میں صرف ظواہر کی صفائی پر زور دیا گیا ہے کہ غسل بدن روزانہ ضروری ہے خواہ میں باطن میں خطرات کفر و شرک کچھ بھی بھرے پڑے رہیں تو شریعت محمدی میں طہارت ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ **وثیابک فطھر** (القرآن الحکیم) حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا۔ **فتیٰ ارفع ازارک فانه انقی لثوبک واتقی لربک** ارشاد حدیث ہے۔ **السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب۔**

ترجمہ:۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب ایک نوجوان مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا جس کی ازار ٹخنوں سے نیچی زمین پر گھسٹتی ہوئی آرہی تھی۔ تو فرمایا کہ اے جوان لنگی ٹخنوں سے اوپر اٹھا کہ یہ کپڑے کے حق میں صفائی اور پاکی اور پروردگار کی نسبت سے تقویٰ (باطنی پاکی) کا سبب ہوگی جس سے ظاہری و باطنی دونوں پاکیوں کا مطلوب ہونا واضح ہے اور حدیث میں ہے کہ مسواک کرنا منہ کی تو پاکی ہے اور

پروردگار کی رضا ہے۔ یعنی مسواک ظاہری اور باطنی دونوں پاکیاں پیدا کرتی ہے جس سے ظاہر و باطن کی صفائی اور پاکی کا مطلوب ہونا نمایاں ہے۔

دین محمدی میں پوری انسانیت کی آزادی ہے

(۳۰) اگر اور ادیان میں اپنی اپنی قوموں اور ان ہی کے چھٹکارے کی رعایت ہے۔ مقولہ موسوی ہے۔

ان ارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم

ترجمہ۔ بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو اور نہیں ستا مت۔

مقولہ عیسوی ہے کہ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں" وغیرہ تو دین محمدی میں نفس انسانیت کی رعایت اور پورے عالم بشریت پر شفقت سکھلائی گئی ہے۔

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من يحسن الى عياله (مشکوٰۃ)

ترجمہ۔ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان سے پیش آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت و حقیقت دونوں عطا ہوئیں

(۳۱) اگر اور انبیاء نے صرف ظاہر شریعت یا صرف باطن پر حکم کیا تو آپ نے ظاہر و باطن دونوں پر حکم کیا اور آپ کو شریعت و حقیقت دونوں کی عطا کی گئیں۔

عن الحارث بن حاطب ان رجلا سرق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتى به فقال اقتلوه فقالوا انما سرق قال فاقطعوه (فقطع) ثم سرق ايضا فقطع ثم سرق على عهد ابى بكر فقطع ثم سرق فقطع حتى قطعت قوائمه ثم سرق الخامسة فقال ابوبكر كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلم بهذا حيث امر بقتله اذهبوا به فاقتلوه (مستدرک، حاکم و صححه)

ترجمہ:۔ خضر علیہ السلام نے صرف باطنی شریعت یعنی حقیقت پر حکم کیا جیسے کشتی توڑ دی۔ ناکردہ گناہ لڑکے کو قتل کر دیا یا بخیل گاؤں کی دیوار سیدھی کر دی اور موسیٰ علیہ السلام نے

صرف ظاہر شریعت پر حکم کیا کہ ان تینوں امور میں حضرت خضر علیہ السلام سے مواخذہ کیا۔ جب انہوں نے حقیقت حال ظاہر کی تب مطمئن ہوئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ عام احکام شرعیہ ظاہر ہی پر ہیں اور کبھی کبھی باطن اور حقیقت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ حدیث میں اس کی نظیر یہ ہے کہ حارث بن حاطب ایک چور کو لائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسے قتل کردو حالانکہ چوری کی ابتدائی سزا قتل نہیں تو صحابہؓ نے موئی صفت بن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ اس نے تو چوری کی ہے (کسی کو قتل نہیں کیا جو قتل کا حکم فرمایا جاوے) فرمایا اچھا اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اس نے پھر چوری کی تو اس کا (بایاں پیر) کاٹ دیا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس نے پھر چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا چوتھی بار اس نے پھر چوری کی تو دایاں پیر بھی کاٹ دیا گیا۔ لیکن چاروں ہاتھ پیر کاٹ دیئے جانے کے باوجود جب اس نے پانچویں دفعہ پھر چوری کی تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اسکے بارہ میں علم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا کہ آپ نے پہلی ہی بار ابتداہی میں جان لیا تھا کہ چوری اس کا جزو نفس ہے یہ چوری کی سزاؤں سے باز آنے والا نہیں اور ابتدا ہی میں اس کے باطن پر حکم لگا کر قتل کا حکم دیدیا تھا۔ ہمیں اب خبر ہوئی جب کہ وہ ظاہر میں ضابطہ سے قتل کے قابل بنا۔ لہٰذا اسے قتل کردو۔ تب وہ قتل کیا گیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں جابجا ملتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اجتہادی مذاہب عطا کئے گئے

(۳۲ الف) اگر انبیاء سابقین کو شرائع اصلیہ دی گئیں تو آپ کو آپ کی امت کے راسخین فی العلم کو شرائع وضعیہ یعنی اجتہادی مذاہب عطا کیے گئے جن میں تشریع کی شان رکھی گئی کہ آئمہ اجتہاد اصل شریعت کے احکام وعلل واوصاف اور اسرار وحکم میں شرعی ذوق سے غور وتدبیر کر کے نئے نئے حوادث کے احکام کا استخراج کریں اور باطن شریعت کھول کر نمایاں کردیں۔

لعلمه الذين يستنبطونه منهم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر اسے وہ پیغمبر کی طرف یا راسخین فی العلم تک پہنچا دیتے تو جو لوگ ان میں سے استنباط کرتے ہیں وہ اسے جان لیتے (جس سے استنباطی اور اجتہادی شرائع ثابت ہوتی ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے

(۳۲ب) اگر اور انبیاء کے ادیان میں ایک نیکی کا اجر ایک ہی ہے تو آپ کے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور ایک نیکی برابر دس نیکیوں کے ہے۔ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ جس نے ایک نیکی کی تو اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں ملیں

(۳۳) اگر اور انبیاء کو ایک ایک نماز ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں عطاء ہوئیں۔

عن محمد بن عائشة ان آدم لما تيب عليه عند الفجر صلى ركعتين فصارت الصبح وفدى اسحق عند الظهر فصلى ابراهيم اربعا فصارت الظهر وبعث عزير فقيل له كم لبثت قال يوما فراى الشمس فقال او بعض يوم فصلى اربع ركعات فصارت العصر و غفر لداؤد عند المغرب فقام فصلى اربع ركعات فجهد فجلس في الثالثة فصارت المغرب ثلثا و اول من صلى العشاء الآخرة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم (طحاوی بحوالہ خصائص کبری ۲۰۳/۲)

ترجمہ:۔ محمد بن عائشہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ جس دن فجر کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں تو صبح کی نماز کا وجود ہوا اور حضرت اسحق علیہ السلام کا جب ظہر کے وقت فدیہ دیا گیا اور انہیں ذبح سے محفوظ رکھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعتیں بطور شکر نعمت پڑھیں تو ظہر ہوگئی اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جب زندہ کیا گیا اور کہا گیا کہ تم کتنے وقت مردہ رہے؟ کہا ایک دن، پھر جو سورج دیکھا تو کہا یا کچھ حصہ دن (جو عصر کا وقت ہوتا ہے) اور چار رکعت پڑھی تو عصر ہوگئی اور مغفرت کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ

السلام کی غروب کے وقت تو وہ کھڑے ہوئے چار رکعت پڑھنے کے لیے تین پڑھی تھیں کہ تھک گئے تو تیسری ہی میں بیٹھ گئے تو مغرب ہوگئی اور سب سے پہلے جس نے عشاء کی نماز پڑھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مذکورہ چاروں نمازیں بھی آپ کو دی گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں

(۳۴) اگر اور انبیاء کی ایک نماز ایک ہی رہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر رکھی گئیں۔

ھی خمس بخمسین (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ شب معراج میں آپ کو پچاس نمازیں دی گئیں جن میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے آپ کمی کی درخواستیں کرتے رہے اور پانچ پانچ ہر دفعہ کم ہوتی رہیں جب پانچ رہ گئیں اور آپ نے حیاء ان میں کمی کی درخواست نہیں فرمائی۔ تو ارشاد ہوا بس یہ پانچ نمازیں ہی آپ پر اور آپ کی امت پر فرض ہیں مگر یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں گی اجر وثواب میں۔

(۳۵) اگر اور انبیاء نے بطور شکر نعمت خود سے اپنی اپنی نمازیں متعین کی تو آپ کو آسمان پر بلا کر اپنی تعیین سے نمازیں خود حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائیں۔ (کما فی حدیث المعراج المشھور)

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث معراج میں تفصیلاً مذکور ہے اور حاشیہ ۲۹ میں اس کا مختصر تذکرہ آچکا ہے۔

آپؐ کے لئے پوری زمین مسجد ہے

(۳۶) اگر اور انبیاء کی نمازیں مخصوص مواقع کے ساتھ مقید تھیں جیسے محراب یا صومعہ یا کنیسہ وغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے لیے پوری زمین کو مسجد بنایا گیا۔

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا (بخاری ومسلم) وحدیث جابر، ولم یکن احد من الانبیاء یصلی حتی یبلغ محرابہ (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

ترجمہ:۔ انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اپنی محراب (مسجد) میں آئے بغیر نماز ادا کرتا ہو یعنی بغیر مسجد کے دوسری جگہ نماز ہی ادا نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں ہیں جو سابقہ انبیاء نہیں کو دی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو سجدہ اور ذریعہ پاکی بنادیا گیا ہے کہ اس سے تیمم کرلوں جو حکم میں وضو کے ہو جائے یا تیمم جنابت کرلوں جو حکم میں غسل جنابت کے ہو جائے جب کہ پانی موجود نہ ہو یا اس پر قدرت نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام کی طرف بھیجے گئے

(۳۷) اگر اور انبیاء اپنے قبیلوں اور قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ تمام اقوام اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

کان النبی یبعث الی قومه خاصه و بعثت الی الناس کافة (بخاری مسلم عن جابر)

وفی التنزیل وما ارسلنک الا کافة للناس۔

ترجمہ۔ ہر نبی خصوصیت سے اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں اور قرآن شریف میں ہے اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں اے پیغمبر مگر سارے انسانوں کے لیے۔

آپ کی دعوت عام ہے

(۳۸) اگر اور انبیاء کی دعوت خصوصی تھی تو آپ کو دعوت عامہ دی گئی۔

یایها الناس اعبدوا ربکم وقال اللہ تعالیٰ یایها الناس اتقوا ربکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ۔ اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں

(۳۹) اگر اور انبیاء محدود حلقوں کے لیے رحمت تھے تو آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت تھے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

(۴۰) اگر اور انبیاء اپنے اپنے حلقوں کو ڈرانے والے تھے۔ تو حضورؐ جہانوں کیلئے نذیر تھے۔

وان من امة الا خلافيها نذير اور حضورؐ کے لیے ہے۔ لیکون للعلمین نذیرا (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور کوئی امت نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو اور حضور کے لیے فرمایا گیا تا کہ ہوں آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے ہادی ہیں

(۴۱) اگر اور انبیاء اپنی اپنی قوموں کے لیے مبعوث اور ہادی تھے و لکل قوم هاد (ہر ہر قوم کے لیے ایک ایک ہادی ضرور آیا) تو حضورؐ سارے انسانوں کے لیے ہادی تھے۔

وما ارسلناک الا کافة للناس (القرآن الحکیم)

وبعثت انا الی الجن والانس (بخاری و مسلم عن جابر)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اور ارشاد حدیث ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں، جنوں اور انسانوں سب کی طرف۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعتِ ذکر عطا ہوا

(۴۲) اگر اور انبیاء کو ذکر دیا گیا کہ مخلوق انہیں یاد رکھے تو آپ کو رفعتِ ذکر دی گئی کہ زمینوں اور آسمانوں، دریاؤں اور پہاڑوں، میدانوں اور غاروں میں آپ کا نام علی الاعلان پکارا جائے۔ اذانوں اور تکبیروں، خطبوں اور خاتموں، وضو و نماز اور اوراد و اشغال اور دعاؤں کے افتتاح و اختتام میں آپ کے نام اور منصب نبوت کی شہادت دی جائے۔

ورفعنا لک ذکرک (القرآن الحکیم)

وحدیث ابو سعید خدری۔

قال لی جبریل قال الله اذا ذکرت ذکرت معی (ابن جریر وابن حبان)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اپنے پیغمبر تمہارا ذکر اونچا کیا۔ حدیث میں ہے کہ مجھے جبرائیل نے کہا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا (اے پیغمبر) جب آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ تو میرے ساتھ کیا جائے گا اور جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا جیسا کہ اذانوں،

تکبیروں، خطبوں اور دعاؤں کے افتتاح و اختتام کے درود شریف سے واضح ہے اور امت میں معمول بہ ہے جیسا فرمایا گیا۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول. واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین. ویطیعون اللہ ورسولہ. انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ. براءۃ من اللہ ورسولہ. واذان من اللہ ورسولہ. استجیبوا للہ والرسول. ومن یعص اللہ ورسولہ. اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا. وشاقوا اللہ ورسولہ. ومن یشاقق اللہ ورسولہ. ومن یحادد اللہ ورسولہ. ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ. یحاربون اللہ ورسولہ. ما حرم اللہ ورسولہ قل الانفال للہ والرسول. فان للہ خمسہ وللرسول. فردوہ الی اللہ والرسول. ما اتاھم اللہ ورسولہ. سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ. اغناھم اللہ ورسولہ. کذبوا اللہ ورسولہ. انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ. الذین یومنون باللہ ورسولہ. لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ہے

(۳۳) اگر اور انبیاء کا محض ذکر حق تعالیٰ نے فرمایا تو آپ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ ملا کر فرمایا۔ دیکھو سابقہ حاشیہ کی دو درجن سے زائد آیتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور جلوت میں کمال دیا

(۳۴) اگر اور انبیاء نے روحانیت کے کمال کو خلوت و انقطاع اور رہبانیت کا پابند ہو کر دکھلایا۔ تو آپ نے اسے جلوتوں کے ہجوم جہاد، جماعت، سیاحت و سفر، شہری زندگی، معاشرت اور حکومت و سیاست کے سارے اجتماعی گوشوں میں سمو کر دکھلایا۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام (الحدیث) وسیاحۃ امتی الجہاد (الحدیث) قل سیروا فی الارض (القرآن الحکیم) لا اسلام الا بجماعۃ.. (مقولہ عمر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔ اسلام میں رہبانیت (گوشہ گیری، انقطاع) نہیں اور میری امت کی سیاحت و سیر جہاد ہے۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر! کہ چلو پھرو زمین میں، اور اسلام جز جتھے اور اجتماع کی چیز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات بھی دیئے اور علمی بھی

(۴۵) اگر اور انبیاءؑ کو عملی معجزات (عصاء موسیٰ ید بیضا، احیاء عیسیٰ، نار خلیل، ناقہ صالح، ظل شعیب، قمیص یوسف وغیرہ) دیئے گئے جو آنکھوں کو مطمئن کر سکے تو آپ کو ایسے سینکڑوں معجزات کے ساتھ علمی معجزہ (قرآن) بھی دیا گیا، جس نے عقل، قلب اور ضمیر کو مطمئن کیا۔ انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (القرآن الحکیم)

ترجمہ: ہم نے قرآن اتارا تاکہ عقل سے سمجھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی معجزات ملے

(۴۶) اگر اور انبیاءؑ کو وقتی معجزات ملے جو ان کی ذوات کے ساتھ ختم ہو گئے کیونکہ وہ ان ہی کے اوصاف تھے تو حضور کو دوامی معجزہ قرآن کا دیا گیا۔ جو تا قیامت اور بعد القیامت باقی رہنے والا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا وصف ہے جو لازوال ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

ترجمہ: ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب محفوظ ہے

(۴۷) اگر اور حضرات کو وہ کتابیں ملیں جن کی حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں تھا، اسلئے وہ بدل سدل گئیں تو آپ کو وہ کتاب دی گئی جس کے وعدۂ حفاظت کا اعلان کیا گیا جس سے وہ کبھی نہیں بدل سکتی۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (القرآن الحکیم)

ترجمہ: ہم ہی نے یہ ذکر قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور فرمایا نہیں اس کے پاس پھٹک سکتا باطل، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کتاب ملی

(۴۸) اگر اور انبیاءِ سابقین کی کتابیں ایک ہی مضمون مثلاً صرف تہذیب نفس، صرف

معاشرت یا صرف، سیاست مدن یا وعظ وغیرہ اور ایک ہی لغت پر نازل شدہ وحی گئی، تو حضورؐ کو سات اصولی مضامین پر مشتمل کتاب دی گئی جو سات لغات پر اتری۔

كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد و نزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف زاجر و آمر و حلال حرام ومحكم ومتشابه و امثال. (مستدرک حاکم و بیہقی عن ابن مسعود)

ترجمہ: پہلی کتابیں ایک ایک خاص مضمون اور ایک ایک لغت میں اتری تھیں اور قرآن سات مضامین میں سات لغت کے ساتھ اترا ہے۔ زجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع کلم عطا ہوئے

(۴۹) اگر اور حضرات کو صرف ادا مطلب کے کلمات دیئے گئے تو آپ کو جوامع الکلم و جامع اور فصیح و بلیغ ترین تعبیرات دی گئیں جس سے اوروں کی پوری پوری کتابیں آپ کی کتاب کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں آ گئیں اور ان میں سما گئیں۔

اعطيت جوامع الكلم (مسند احمد عن جابر بخصائص ۲/۱۹۳)

اعطيت مكان التوراة السبع الطوال ومكان الزبور المئين و مكان الانجيل المثاني و فضلت بالمفصل (بیہقی و خلة بن الاسقع)

ترجمہ: مجھے جوامع کلم دیئے گئے ہیں یعنی مختصر اور جامع ترین جملے جن میں بڑی بات کہہ دی گئی ہو اور ارشاد حدیث ہے مجھے دیئے گئے ہیں تورات کی جگہ سبع طوال (ابتداء کی سات سورتیں آل عمران، مائدہ، نساء، انعام، انفال، توبہ) اور زبور کی جگہ مئین (سو سو آیتوں والی سورتیں اور انجیل کی جگہ مثانی سورہ فاتحہ) اور صرف مجھے ہی جو فضیلت دی گئی ہے وہ مفصل کی جس میں طوال مفصل وسط مفصل اور قصار مفصل سب شامل ہیں اور سورہ ق یا سورہ فتح یا سورہ محمدؐ سے علی اختلاف الروایات شروع ہو کر ختم قرآن تک چلی گئی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کا ذکر فرمایا

(۵۰) اگر قرآن میں حق تعالیٰ نے اور انبیاء کی ذوات کا ذکر فرمایا، تو حضورؐ کے ایک ایک عضو اور ایک ایک ادا کا پیار و محبت سے ذکر کیا ہے۔ چہرہ کا ذکر فرمایا قد نری تقلب وجهک

فی السماء۔ آنکھ کا ذکر فرمایا و لا تمدن عینیک ۔ زبان کا ذکر فرمایا فانما یسرناہ بلسانک ۔ ہاتھ اور گردن کا ذکر فرمایا و لا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ۔ سینہ کا ذکر فرمایا الم نشرح لک صدرک ۔ پیٹھ کا ذکر فرمایا و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ۔ قلب کا ذکر فرمایا نزلہ علی قلبک ۔ آپ کی پوری زندگی اور عمر کا ذکر فرمایا جس میں تمام اعضاء کے احوال بھی آ جاتے ہیں ۔ لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون۔

آیات اعضاء کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں تیرا چہرہ گھما کر آسمان کو دیکھنا۔

اور آنکھیں اٹھا کر مت دیکھ۔

بلاشبہ ہم نے (قرآن کو) آسان کر دیا ہے تیری زبان پر۔

اور مت کر اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن تک۔

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟

اور ہم نے اتار دیا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی۔

اتارا اللہ نے قرآن تیرے دل پر۔

تیری زندگی کی قسم! یہ (کفار) اپنی (بے عقلی کی) مدہوشیوں میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتماعی عبادت ملی

(۵۱) اگر اوروں کو انفرادی عبادتیں ملیں تو آپ کو ملائکہ کی طرف صف بندی کی اجتماعی عبادت دی گئی جس سے دین اجتماعی ثابت ہوا۔ فضلت علی الناس بثلاث الی قولہ و جعلت صفوفنا کصفوف الملئکۃ (مسلم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ۔ (مجھے فضیلت دی گئی ہے لوگوں پر تین باتوں میں) جن میں سے ایک یہ ہے کر دی گئی ہیں ہماری صفیں (نماز میں) مثل صفوف ملائکہ کے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ نے عالم کو جھکا دیا

(۵۲) اگر اور انبیاء کے حسی معجزات اپنی اپنی قوموں کی قامتوں کو جھکا کر رام کر سکے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا ایک ہی علمی معجزے قرآن حکیم نے عالم کی اکثریت کو جھکا کر مطیع بنا لیا۔ کروڑوں ایمان لے آئے اور جو نہیں لائے وہ اس کے اصول ماننے پر مجبور ہو گئے پھر بعض نے انہیں اسلامی اصول کہہ کر تسلیم کیا اور بعض نے عملاً قبول کر لیا تو ان کی زبانیں ساکت دیں۔

ما من الانبیاء نبی الا اعطی ما مثلہ آمن علیہ البشر و انما کان الذی اوتیتہ وحیاہ او حاہ اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعاً

(بخاری عن ھریرہ)

ترجمہ۔ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا کہ اسے کوئی ایسا اعجازی نشان نہ دیا گیا ہو جس پر آدمی ایمان لا سکے اور مجھے خدا نے وہ اعجازی نشان وحی کا دیا ہے (یعنی قرآن حکیم) جس سے مجھے امید ہے کہ میرے ماننے والے اکثریت میں ہوں گے (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کے دوران مخاطب بنایا گیا

(۵۳ الف) اگر اور انبیاء کو عبادت الٰہی میں اس جہت سے بھی مخاطب نہیں بنایا گیا تو حضور کو عین نماز میں تحیت وسلام میں مخاطب بنایا گیا۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ۔ (الف) سلامتی ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لواء الحمد ملے گا

(۵۳ ب) اگر محشر میں اور انبیاء کے محدود جھنڈے ہوں گے جن کے نیچے صرف انہی کی قومیں اور قبیلے ہوں گے تو آپ کے عالمگیر جھنڈے کے نیچے جس کا نام لواء الحمد ہو گا۔ آدم اور ان کی ساری ذریت ہو گی۔

آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ ولا فخر (مسند احمد)

ترجمہ۔ (ب) آدم اور ان کی ساری اولاد میرے جھنڈے کے تلے ہوں گے قیامت کے دن۔ مگر فخر سے نہیں کہتا بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین کے خطیب ہوں گے

(۵۴) اگر انبیاء وامم سب کے سب قیامت کے دن سامع ہوں گے۔ تو آپ اس دن

اولین وآخرین کے خطیب ہوں گے۔ فلیراجع (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ خصائص کبریٰ کی ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنی ذاتی پہچان عطاء ہوئی

(۵۵) اگر قیامت کے دن تمام انبیاء کی امتیں اپنے انبیاء کے نام اور انتساب سے پہچانی جاویں گی تو آپ کی امت مستقلاً خود اپنی ذاتی علامت اعضاء وضو کی چمک اور نورانیت سے پہچانی جائے گی۔ قالوا یارسول اللہ اتعرفنا یومئذ ؟ قال نعم لکم سیما لیست لاحد من الامم تردون علی غراً محجلین من اثر الوضوء (مسلم عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ:۔ صحابہ نے عرض کیا جبکہ آپ حوض کوثر کا ذکر فرمارہے تھے) یارسول کیا آپ ہمیں اس دن پہچان لیں گے؟ (جبکہ اولین وآخرین کا ہجوم ہوگا) فرمایا ہاں تمہاری ایک علامت ہوگی جو امتوں میں سے کسی اور میں نہ ہوگی اور وہ یہ کہ تم میرے پاس (حوض کوثر پر) اس شان سے آؤ گے کہ تمہارے چہرے روشن اور پاؤں نورانی اور چمکدار ہوں گے وضو کے اثر سے (یعنی اعضاء وضو کی چمک دمک سے میں تمہیں پہچان لوں گا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے خطاب فرمایا

(۵۶) اگر اور انبیاء کو حق تعالیٰ نے نام لے لے کر خطاب فرمایا کہ یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ. ینوح اھبط بسلم منا و برکت. یا ابراھیم اعرض عن ھذا. یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسلتی. یداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض ...... یزکریا انا نبشرک بغلم اسمہ یحییٰ. یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ. یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ.

ترجمہ:۔ اے آدم! تو اور تیری زوجہ جنت میں ٹھہرو۔

اے نوح (کشتی سے) اتر ہماری ہوئی سلامتی اور برکات کے ساتھ۔

اے ابراہیم! اس سے درگزر کر۔

اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں میں منتخب کیا اپنی پیغامبری کے ساتھ۔

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا۔

اے زکریا! ہم تجھے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط تھام۔

اے عیسیٰ! مجھے تجھے پورا پورا لینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

تو حضورؐ کو کہیں نام کے بجائے آپ کے منصبی القاب سے خطاب فرمایا جس سے آپ کی کامل محبوبیت عنداللہ نمایاں ہوتی ہے۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا۔ یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا۔ یاایھا المدثر۔ قم فانذر۔
(القرآن الحکیم)

ترجمہ: اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچا دے اس چیز کو جو ہم نے تیری طرف اتاری۔

اے نبی! ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے۔

اے کملی والے! قیام کر رات بھر مگر تھوڑا کم۔

اے چادر والے! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے سے روکا گیا

(۸۵) دیگر انبیاء کو ان کی امتیں بار بار نام لے لے کر پکارتے تھے کہ یموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الٰھۃ۔ یعیسی ابن مریم ھل یستطیع ربک؟ یلوط انا رسل ربک۔ تو اس امت کو اولاً حضورؐ کا نام لے کر مخاطب بنانے سے روکا گیا۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعا بعضکم بعضا۔

ترجمہ: اے موسیٰ! ہمیں بھی ویسے ہی خدا بنا دے جیسے ان (صنم والوں) کے ہیں۔

اے عیسیٰ! ابن مریم! کیا تیرا رب اس کی قوت کر لیتا ہے۔

اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

مت پکارو رسول کو اپنے درمیان مثل آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے کہ بے تکلف نام لے لے کر خطاب کرنے لگو، بلکہ ادب و تعظیم کے ساتھ منصبی خطابات یا رسول

اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ وغیرہ کہہ کر پکارو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اعلیٰ معراج کرایا گیا

(۵۸) اگر اور انبیاء کو معراج روحانی یا منامی یا جسمانی مگر درمیانی آسمانوں تک دی گئی۔ جیسے حضرت مسیح کو چرخ چہارم تک، حضرت ادریس کو بہشت تک تو حضور کو روحانی معراجوں کے ساتھ جسمانی معراج کے ذریعہ ساتوں آسمانوں سے گزار کر سدرۃ المنتہیٰ اور مستویٰ تک پہنچا دیا گیا۔ ثم صعد بی فوق سبع السموٰت واتیت سدرۃ المنتہی (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ پھر مجھے چڑھایا گیا ساتوں آسمان سے بھی اوپر اور میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع خود اللہ نے کیا

(۵۹) اگر اور انبیاء نے اپنی مدافعت خود کی اور دشمنان حق کو خود ہی جواب دے کر اپنی برات بیان کی۔ جیسے نوح علیہ السلام پر قوم نے ضلالت کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ یٰقوم لیس بی ضلالۃ۔ قوم عاد نے حضرت ہودؑ پر کم عقلی کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ یٰقوم لیس بی سفاھۃ۔ ابراہیم علیہ السلام پر قوم نے شکست اصنام کا الزام لگا کر ایذا دینی چاہی تو خود ہی توریہ کے ساتھ مدافعت فرمائی۔ بل فعلہ کبیرھم ھذا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان صورت فرشتوں کو قوم نے تنگ کرنے کی کوشش کی تو خود ہی اپنے لیے قوت مدافعت کی آرزو ظاہر فرمائی۔ لو ان لی بکم قوۃ او اٰوی الیٰ رکن شدید۔ تو حضور کی طرف سے ایسے مواقع پر مدافعت خود حق تعالیٰ نے فرمائی اور کفار کے طعنوں کی جواب دہی خود ہی کر کے آپ کی برات بیان فرمائی۔ کفار مکہ نے آپ پر ضلالت و گمراہی کا الزام لگایا تو فرمایا۔ ما ضل صاحبکم وما غویٰ۔ کفار نے آپ کو بے عقل اور مجنوں کہا تو فرمایا۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ اور وما صاحبکم بمجنون۔ کفار نے آپ کی پاکیزہ باتوں کو ہوائے نفسانی کی باتیں بتلایا تو فرمایا۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ کفار نے آپ کی وحی کو شاعری کہا تو فرمایا۔ وما ھو بقول شاعر اور فرمایا وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ۔ کفار

نے آپ کی باتوں کو کہانت کہا فرمایا۔ وما ھو بقول کاھن۔ کفار نے آپ کو شقوت زدہ اور معاذ اللہ شقاوت زدہ کہا تو فرمایا۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی۔

ترجمہ:۔ اے قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

اے قوم! مجھ میں سفاہت (کم عقلی) نہیں ہے۔ میں تو رب العٰلمین کا فرستادہ ہوں۔

بلکہ یہ بہت شکل قوان میں کے جڑے کا کام ہے (یعنی بہرا) مگر بجانا بڑے بڑے کا۔

اے کاش! مجھے تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مضبوط پناہ میں تو تمہارا ساتھی گمراہ نہ کج راہ۔

تم اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے مجنون نہیں اور تمہارا ساتھی جنونی نہیں ہے۔

اور خبر ہوائے نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ تو وحی ہوتی ہے۔ جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

اور وہ قول شاعر کا نہیں اور ہم نے انہیں (حضور کو) شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ ان کی شان کے مناسب تھا۔

اور وہ قول کاہن کا نہیں ہے۔

ہم نے قرآن تم پر اس لیے نہیں اتارا کہ تم تعب اور محنت میں پڑ جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحیت خود اللہ نے کی

(۶۰) اگر حضرت آدم کی تحیت کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو حضور کی تحیت بصورت درود و سلام خود حق تعالیٰ نے کی جس میں ملائکہ بھی شامل رہے اور قیامت تک امت کو اس کے کرتے رہنے کا حکم دیا اور اسے عبادت بنا دیا۔

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (القرآن الحکیم) اور السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! تم بھی درود و سلام اس نبی پاک پر بھیجو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا

(۶۱) اگر حضرت آدم کا شیطان کافر تھا اور کافر ہی رہا تو حضور کا شیطان آپ کی قوت

تاثیر سے کافر سے مسلم ہو گیا۔

کما فی الروایۃ الآتیۃ۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔

ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معین بنیں

(۶۲) اگر حضرت آدم کی زوجہ پاک (حواء) ان کی خطا میں معین ہوئیں تو حضور کی ازواج مطہرات آپ کے کار نبوت میں معین ہوئیں۔

فضلت علیٰ آدم بخصلتین کان شیطانی کافر افا عاننی اللہ علیہ حتیٰ اسلم و کن ازواجی عونالی. و کان شیطان آدم کافر. وزوجتہ عونا علی خطیئتہ (بیہقی عن ابن عمر)

ترجمہ:۔ مجھے دو باتوں میں آدم علیہ السلام پر فضیلت دی گئی ہے میرا شیطان کافر تھا جس کے مقابلہ میں اللہ نے میری مدد فرمائی یہاں تک کہ وہ اسلام لے آیا اور میری بیویاں میرے (دین کے) لیے مددگار بنیں (حضرت خدیجہؓ نے احوال نبوت میں حضور کو سہارا دیا۔ ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وقتاً فوقتاً آپ کی تسلی تشفی کی۔ حضرت عائشہؓ نصف نبوت کی حامل ہوئیں اور دوسری ازواج مطہرات قرآن کی حافظہ اور حدیث کی راوی ہوئیں) درحالیکہ آدم کا شیطان کافر ہی تھا۔ اور کافر ہی رہا اور ان کی زوجہ ان کی خطیہ میں ان کی معین ہوئیں کہ شجرہ ممنوعہ کھانے کی ترغیب دی جس کو خطاء آدم کہا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا

(۶۳) اگر حضرت آدم کو حجر جنت (حجر اسود) دیا گیا جو بیت المقدس میں لگا دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا جو آپ کی قبر مبارک اور ممبر شریف کے درمیان رکھا گیا۔ **ما بین قبری و منبری روضۃ ریاض الجنۃ** (بخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ میری قبر اور ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بت نکلوائے

(۶۴) اگر حضرت نوح علیہ السلام نے مساجد اللہ میں پانچ بت نکلوانے چاہے مگر نہ نکلے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں سے تین سو ساٹھ بت نکالے اور وہ ہمیشہ کے لیے نکل گئے اور نہ صرف بیت اللہ سے بلکہ اس کے حوالی اور مضافات سے بھی نکال پھینکے گئے۔

وقالوا لا تذرن الھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث و یعوق ونسرا (القرآن الحکیم)

ان الشیطن قد یئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب (مشکوۃ)

یایھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔اور (قوم نوح نے) کہا کہ دیکھو اپنے خداؤں (یعنی پانچ بتوں) ود سواع یغوث یعوق اور نسر کو نوح کے کہنے سے ہرگز مت چھوڑنا (چنانچہ نہیں چھوڑا تا آنکہ طوفان میں غرق ہو گئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو ساٹھ بتوں کی ناپاکی کو ہمیشہ کے لیے نکال پھینکا (جیسا کہ سیر میں مرقوم ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا ہوا

(۶۵) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام ابراہیم دیا گیا جس سے بیت اللہ کی دیواریں اونچی ہوئیں تو حضور کو مقام محمود عطا ہوا۔ جس سے رب البیت کی اونچائی نمایاں ہوئی اور عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا (القرآن الحکیم)۔ اور ساتھ ہی مقام ابراہیم کی تمام برکات سے پوری امت کو مستفید کیا گیا۔ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ۔

ترجمہ:۔قریب ہے کہ اللہ آپ کو (اے نبی کریم) مقام محمود پر بھیجے گا۔ جس پر پہنچ کر حضور حق تعالےٰ کی عظیم ترین حمد و ثنا کریں گے اور اس کی رفعت و بلندی بیان فرمائیں گے اور مقام ابراہیم کے بارہ میں قرآن نے فرمایا۔ فیہ آیات بینات مقام ابراہیم (بیت اللہ میں مقام ابراہیم ہے جو جنت سے لایا ہوا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے اور جوں جوں تعمیر اونچی ہوتی جاتی وہ پتھر اتنا ہی اونچا ہو جاتا اور جب حضرت کا اترنے کا وقت ہوتا تو پھر اصلی حالت پر آ جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق الٰہیہ دکھلائیں

(۶۶) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق ارض وسماء دکھلائی گئیں۔ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوت والارض۔ تو حضور کو ان آیات کے ساتھ حقائق الٰہیہ دکھلائی گئیں۔ لنریہ من ایتنا۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور ایسے ہی دکھلائیں ہم ابراہیم کو آسمان وزمین کی حقیقتیں اور تا کہ ہم دکھلائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (شب معراج میں) اپنی خاص نشانیاں قدرت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر مشاہدات کرائے

(۶۷) اگر حضرت خلیل اللہ کو آیات کونیہ زمین پر دکھلائیں گئیں تو حضور کو آیات الٰہیہ (آیات کبریٰ) کا مشاہدہ آسمانوں میں کرایا گیا۔ لقد رایٰ من ایٰت ربہ الکبریٰ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آگ نہ جلاسکی

(۶۸) اگر حضرت ابراہیم پر نار نمرود اثر نہ کرسکی تو حضورؐ کے کئی صحابہ کو آگ نہ جلاسکی جس پر آپؐ نے فرمایا۔

الحمد للّٰہ الذی جعل فی امتنا مثل ابراھیم الخلیل

(ابن رجب عن ابن لہیعہ خصائص کبریٰ ۲/۷۹)

ترجمہ:۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل کی مثالیں پیدا فرمائیں عمار بن یاسر کو مشرکین مکہ نے آگ میں پھینک دیا۔ حضورؐ ان کے پاس سے گزرے تو ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ینار کونی برداً وسلاماً علی عمار کما کنت علی ابراھیم۔ (عن عمر بن میمون خصائص کبریٰ ۲/۱۸۰)

اے آگ عمار پر بردوسلام ہو جا جیسے تو ابراہیم پر ہوگئی۔ ذویب ابن کلیب کو اسود عنسی نے آگ میں ڈال دیا۔ اور آگ اثر نہ کرسکی تو آپ نے وہ سابقہ جملہ ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم علیہ السلام کی مثالیں پیدا فرمائیں۔ ایک خولانی

شخص کو (جو قبیلہ خولان کا فرد تھا) اسلام لانے پر اس کی قوم نے اسے آگ میں ڈال دیا تو آگ اسے نہ جلا سکی ابن عساکر عن جعفر ابی وحشیہ) وغیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محشر میں بلند مقام عطا ہوگا

(۶۹) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محشر میں سب سے اول لباس پہنا کر انکی کرامت کا اعلان کیا جائیگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ کی دائیں جانب ایسے بلند مقام پر کھڑا کیا جائیگا کہ اولین وآخرین آپ پر غبطہ کریں گے جبکہ وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے گا۔

اول من یکسی ابراھیم یقول اللہ تعالیٰ اکسوا خلیلی فیوتیٰ بریطتین بیضا وین من ریاط الجنہ ثم اکسیٰ علی اثرہ ثم اقوم عن یمین اللہ مقاماً یغبطنی الاولون والاخرون ۔ (رواہ الدارمی عن ابن مسعود)

ترجمہ:۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو روز محشر لباس پہنایا جائیگا۔ فرمائیں گے حق تعالیٰ میرے خلیل کو لباس پہناؤ تو دو سفید براق چادریں جنت سے لائی جاویں گی اور پہنائی جاویں گی۔ پھر ان کے بعد مجھے بھی لباس پہنایا جائیگا۔ پھر میں کھڑا ہونگا۔ اللہ کی جانب یمین ایک ایسے مقام پر کہ اولین وآخرین مجھ پر غبطہ کریں گے، یعنی میری کرامت سب پر فائق ہو جائیگی جن میں ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی جاری ہوا

(۷۰) اگر حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے پر جبریل سے زمزم کا سوت جاری ہوا جس سے وہ سیراب ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی کے سوت پھوٹے۔ جس سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سیراب ہوئے۔

بینما الحسن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ عطش فاشتد ظماہ فطلب لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماءً فلم یجدہ فاعطاہ لسانہ فمصہ حتی روی ۔ (ابن عساکر عن ابی جعفر)

ترجمہ۔ اسی اثناء میں کہ حضرت امام حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں پیاس لگی اور شدید ہوگئی تو حضورؐ نے ان کے لیے پانی طلب فرمایا مگر نہ مل سکا تو آپ نے اپنی

زبان ان کے منہ میں دے دی جسے وہ چوسنے لگے اور چوستے رہے یہاں تک کہ سیراب ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع حسن عطاء ہوا

(۷۱) اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو شطر حسن یعنی حسن جزئی عطاء ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن کل یعنی حسن جامع عطا کر دیا گیا جس کی حقیقت جمال ہے جو سر چشمہ حسن اور صفت خداوندی ہے۔ فلما اکبر نه وقطعن ایدیهن . جس کی شرح حضرت عائشہؓ نے فرمائی کہ زنان مصر نے یوسف کو دیکھا تو ہاتھ قلم کر لیے۔ اگر میرے محبوب کو دیکھ پاتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں جو حضورؐ کے حسن و جمال کی افضلیت اور کلیت کی طرف اشارہ ہے۔ (مشکوۃ)

ترجمہ:۔ جب زنان مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تو اپنے ہاتھ قلم کر ڈالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کلام فرمایا

(۷۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالٰے نے کوہ طور اور وادی مقدس میں کلام کیا۔ تو حضورؐ سے ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک کلام فرمایا۔ فاوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰ ۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خدا نے اپنے بندے پر وحی کی جو اسے کرنا تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے چشمے پھوٹے

(۷۳) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے بارہ چشمے جاری ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے شیریں پانی کے کتنے ہی چشمے پھوٹ پڑے۔ فرایت الماء ینبع من بین اصابعه فجعل القوم تیوضا ون فحزرت من توضا ما بین السبعین الی الثمانین (بخاری و مسلم عن انس)

ترجمہ:۔ میں دیکھتا ہوں کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے جوش مار کر نکل رہا ہے۔ یہاں تک کہ پوری قوم نے اس سے وضو کر لی تو میں نے جو وضو کرنے والوں کو شمار کیا تو وہ ستر اور اسی کے درمیان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ جمال سے مشرف فرمایا

(۷۳) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں کو لذتِ کلام دی گئی اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت سے نوازا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کو دیدار جمال سے مشرف کیا گیا۔

ان اللہ اصطفیٰ ابراھیم بالخلۃ واصطفیٰ موسیٰ بالکلام واصطفیٰ محمدا بالرویۃ۔ (بیہقی عن ابن عباس)

ما کذب الفؤاد ما رای (القرآن الحکیم)

ترجمہ: اللہ نے منتخب کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے لیے اور منتخب کیا موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے اور منتخب کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار کیلئے۔ قرآن نے فرمایا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا سوال دیدار کرایا گیا

(۷۴) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال دیدار پر بھی لن ترانی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے کا جواب دے دیا گیا تو حضورؐ کو بلا سوال آسمانوں پر بلا کر دیدار کرایا گیا۔

ما کذب الفؤاد ما رای قال ابن عباس راہ مرۃ ببصرہ و مرۃ بفوادہ

(فتح الملہم فی التفسیر سورۃ النجم)

ترجمہ: دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حق تعالیٰ کو ایک بار آنکھوں سے اور ایک بار دل سے دیکھا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

صحابہؓ نے دریاءِ دجلہ کو پار کیا

(۷۵) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو بحر قلزم میں رستے بنا کر بمعیت موسوی گزار دیا گیا تو حضورؐ کے صحابہؓ کو بعد وفات نبوی دریائے دجلہ کے بہتے ہوئے پانی میں سے راہیں بنا کر گھوڑوں سمیت گذارا گیا۔

لما عبر المسلمون یوم مدائن الفصحم الناس دجلۃ الخ

(سنن کبریٰ ۲/۲۸۳ بحوالہ ابن جریر الاعلام الطبری)

ترجمہ۔ فتح مدائن کے موقعہ پر مسلمانوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور اس میں لوگوں نے ہجوم کیا تو صحابہ کی کرامتوں کا ظہور ہوا۔ اس میں روایت کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جب بغداد و عراق پر مسلمانوں نے فوج کشی کی تو بغداد کے کنارہ پر اس ملک کا سب سے بڑا دریا دجلہ ہے جو بیچ میں حائل ہوا۔ حضرات صحابہ کے پاس نہ کشتیاں تھیں اور نہ پیدل چل کر یہ گہرا پانی عبور کیا جا سکتا تھا۔ اس موقعہ پر بظاہر اسباب ان حضرات کو فکر دامن گیر ہوا تو حضرت علاء بن الحضرمی نے دعا کا مشورہ دیا۔ خود دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سارے صحابہ نے مل کر دعا کی۔ ختم دعا پر حکم دیا کہ سب مل کر ایک دم گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ان حضرات نے جوش ایمانی میں خدا پر بھروسہ کر کے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ گھوڑے ہانپ ہانپ گئے۔ پانی بہت زیادہ تھا تو حق تعالیٰ نے ان کے دم لینے کے لیے مختلف سامان فرمائے۔ بعض صحابہؓ کے گھوڑوں کے لیے جا بجا پانی گہرائیوں میں خشکی نمایاں کر دی گئی۔ بعض کے گھوڑے پانی ہی میں رُک کر اور کھڑے ہو کر دم لینے لگے اور پانی انہیں ڈبو نہ سکا۔ بعض کے گھوڑوں کو پانی کی سطح کے اوپر سے اس طرح گزارا گیا جیسے وہ زمین پر چل رہے ہیں جس پر اہل فارس نے ان مقدمین کی نسبت یہ کہا تھا کہ یہ انسان نہیں جنات معلوم ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ موسوی (بنی اسرائیل) کو بحر قلزم میں بمعیت موسوی راستے بنا کر قلزم سے گزارا گیا تھا تو اس امت میں اس کی نظیر یہ واقعہ ہے جس میں صحابہ نبوی کے لیے دجلہ میں راستے بنائے گئے اور ایک انداز کے نہیں۔۔ بلکہ مختلف اندازوں سے۔ اور صحابہ بھی شکر نعمت کے طور پر اس کو واقعہ موسوی کی نظیر ہی کے طور پر دیکھتے تھے۔ پس جو معاملہ بنی اسرائیل کے ساتھ نبی کی موجودگی میں کیا تو وہ معجزہ تھا اور یہاں وہی معاملہ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر نبی خاتم کے صحابہؓ کے ساتھ نبی کی وفات کے بعد کیا گیا جس سے ان کی کرامت نمایاں ہوئی اور امت محمدیہ کی فضیلت امت موسوی پر اس واقعہ خاص میں بھی نمایاں رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین بھر کے خزانے عطاء ہوئے

(۷۶) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدس (فلسطین) دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مفاتیح ارض (زمین کی کنجیاں) عنایت کی گئیں۔

او تیت مفاتیح خزائن الارض۔

ترجمہ:۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں سپرد کر دی گئیں۔

معجزۂ نبوی کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا

(۷۷) اگر عصاء موسوی کے معجزے کے مقابلہ میں ساحران فرعون نے بھی اپنی لاٹھیوں کو سانپ بنا کر دکھلایا اس صورۃً معجزے کی نظیر سامنے آگئی گو حقیقتاً وہ تخیل اور تشبیہی خیال تھی۔

فالقوا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى۔

ترجمہ:۔ ساحران فرعون نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور دیکھنے والوں کے خیال میں یوں گزرنے لگا کہ وہ سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔) تو معجزۂ نبوی قرآن حکیم کے مقابلہ میں اللہ کے بار بار چیلنجوں کے باوجود آج تک جن وانس ساحر و غیر ساحر، کاہن و غیر کاہن، اور شاعر و غیر شاعر مل کر بھی اس کی کوئی نظیر ظاہری صورت کی بھی نہ لا سکے۔

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله و لو کان بعضهم لبعض ظهیرا. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ اگر جن وانس اس پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو وہ نہیں لاسکیں گے اگر چہ سب مل کر ایک دوسرے کی مدد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سورج واپس ہوا

(۷۸) اگر حضرت یوشع ابن نون (حضرت موسیٰ) کے لیے آفتاب کی حرکت روک دی گئی کہ وہ کچھ دیر غروب ہونے سے رکا رہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب نبوی کے لیے غروب شدہ آفتاب کو لوٹا کر دن کو واپس کر دیا گیا۔

نام رسول الله صلی الله علیه وسلم و راسه فی حجر علی ولم یکن صلی العصر حتی غربت الشمس فلما قام النبی صلی الله علیه وسلم دعا له فردت علیه الشمس حتی صلی ثم غابت ثانیه.

(رواہ من طریقہ عن ابی ہریرہ و ابن منده و ابن شاہین و الطبرانی عن اسماء بنت عمیس)

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے خیال سے نماز کے لیے نہ اٹھ سکے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور یہ صورت حال ملاحظہ فرمائی) تو حضرت علی کے لیے دعا فرمائی۔ جس سے آفتاب لوٹا دیا گیا (دن نمایاں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے نماز پڑھی اور سورج دوبارہ غروب ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا

(۷۹) اگر حضرت یوشع ابن لوق کے لیے سورج روک کر اس کی روانی اور حرکت کے دو ٹکڑے کر دیے گئے تو حضورؐ کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر (القرآن الکریم)

ترجمہ:۔ قیامت قریب آ گئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت خود خدا نے کی

(۸۰) اگر حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ہوائے نفس کی پیروی سے روکا کہ لا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله.

ترجمہ:۔ (اے داؤد) ہوائے نفس کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں راہ حق سے بھٹکا دے گی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ہوائے نفس کی پیروی کی نفی فرمائی اور خود ہی بریت ظاہر کی۔

وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحيٰ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہوائے نفس سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

محمدی انگوٹھی کی تاثیر

(۸۱) اگر انگشتری سلیمانی میں جنات کی تاثیر تھی کہ وہ کسی وقت گم ہوئی تو جنات پر قبضہ نہ رہا تو انگشتری محمدی میں تسخیر قلوب وارواح کی تاثیر تھی کہ جس دن وہ عہد عثمانی میں گم ہوئی۔ اسی دن سے قلوب وارواح کی وحدت میں فرق آ گیا اور فتنۂ اختلاف شروع ہو گیا۔

بئر اریس؟ وما بئر اریس؟ سوف تعلمون۔

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ( ) انتقال کے بعد جبکہ ان کا جنازہ رکھا ہوا تھا تو اچانک ان کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی یہ کلمات نکلے۔ اریس کا کنواں؟ کیا ہے وہ اریس کا کنواں؟ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ صحابہ حیران تھے کہ ان جملوں کا کیا مطلب ہے؟ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دور عثمانی میں ایک دن حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ اریس کے کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انگلی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری تھی جسے آپ طبعی حرکت کے ساتھ ہلا رہے تھے کہ اچانک انگشتری انگشتری میں سے نکل کر کنویں میں جا پڑی۔ قلوب عثمانی اور تمام صحابہ کے قلوب میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوئی کنویں میں آدمی اترے۔ سارے کنویں کو کھنگھال ڈالا۔ مگر انگشتری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ آخر صبر کر کے سب بیٹھ رہے۔ اسی دن فتنوں کا آغاز ہو گیا اور بندھے ہوئے قلوب میں انتشار کی کیفیات آنے لگیں جو بعد کے فتنۂ تخریب و اختلاف کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنھا الیٰ یوم القیٰمۃ (میری امت میں جب تلوار نکل آئے گی) پھر وہ قیامت تک میان میں نہ جائے گی) چنانچہ اس فتنہ کے سلسلہ میں سب سے پہلا مظلمہ اور ہولناک ظلم حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اب سب کی سمجھ میں آیا کہ بیر اریس کا کیا مطلب تھا۔ یہ در حقیقت اشارہ تھا کہ قلوب کی وحدت انگشتری محمدی کی برکت سے قائم تھی۔ اس کا بیر اریس میں گم ہونا تھا کہ قلوب کی وحدت، اور امت کی یکجہتی پارہ پارہ ہو گئی۔ جو آج تک واپس نہیں ہوئی۔ پس جنات کا مسخر ہو جانا آسان ہے۔ جو آج تک بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن انسانوں کے دلوں کی تالیف مشکل ہے جو گم ہو کر آج تک نہیں مل سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولی کا علم عطاء ہوا

(۸۲) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم دیا گیا جس سے وہ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا۔ جس سے آپ ان کی فریادیں سنتے اور فیصلے فرماتے تھے۔ اونٹ کی فریاد سنی اور فیصلہ فرمایا (بیہقی

عن حماد بن مسلمہ) بکری کی فریاد سنی اور اسے تسلی دی (مصنف عبدالرزاق) ہرنی کی فریاد سنی اور حکم فرمایا (طبرانی عن ام سلمہ) چڑیا کی بات سنی اور معاملہ فرمایا (بیہقی وابونعیم عن ابن مسعود)

سیاہ گدھے سے آپ نے کلام فرمایا اور اس کا مقصد سنا (ابن عساکر عن ابن منظور)

ترجمہ:۔ ان روایات کے تفصیلی واقعات یہ ہیں ایک اونٹ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا اور کچھ بلبلاتا رہا تو آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تو اسے ستاتا ہے۔ اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا ہے۔ خدا سے ڈر۔ اس نے اقرار کیا اور توبہ کی۔ ایک بکری کو قصاب ذبح کرنا چاہتا تھا۔ جو جائز ذبیحہ تھا۔ وہ اس سے چھوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ آئی اور پیچھے پیچھے ہولی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے بکری! صبر کر حکم خداوندی پر۔ اور اے قصاب اسے نرمی سے ذبح کر۔ آپؐ جنگل میں تھے کہ اچانک یا رسول اللہ کی آواز آپؐ نے سنی۔ آپؐ نے دیکھا کوئی نظر نہ آیا ایک جانب دیکھا تو ایک ہرنی بندھی ہوئی دیکھی۔ جس نے کہا۔ یا رسول اللہ ذرا میرے قریب آئیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میرے دو بچے اس پہاڑی میں ہیں۔ ذرا مجھے کھول دیجئے کہ میں انہیں دودھ پلا دوں۔ اور میں ابھی لوٹ آؤں گی فرمایا تو ایسا کرے گی کہ لوٹ آئے؟ کہا اگر ایسا نہ کروں تو خدا مجھے عذاب دے۔ آپؐ نے کھول دیا اور وہ حسب وعدہ دودھ پلا کر لوٹ آئی اور آپؐ نے اسے وہیں باندھ دیا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک درخت پر چڑیا کے دو بچے گھونسلے میں دیکھے۔ ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ تو ان کی ماں حضورؐ کے پاس آئی اور سامنے آ کر فریادی کی سی صورت اختیار کرتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے درد میں مبتلا کیا ہے؟ عرض کیا گیا ہم نے فرمایا جہاں سے یہ بچے پکڑے تھے وہیں چھوڑ آؤ۔ تو ہم نے چھوڑ دیئے۔

بھیڑیئے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی

(۸۳) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بعض حیوانات کی بولیاں سمجھ جاتے تھے تو حضورؐ کی برکت سے جانور انسانی زبان میں کلام کرتے تھے۔ جسے ہر انسان سمجھتا تھا۔ بھیڑیئے نے

آپ کی رسالت کی شہادت عربی زبان میں دی۔ (بیہقی عن ابن عمر)۔ گوہ نے فصیح عربی میں نبوت کی شہادت دی۔ (طبرانی، بیہقی عن)

ترجمہ: بھیڑیے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی اور لوگوں کو اسلام لانے کی دعوت بھی دی۔ لوگ حیران تھے کہ بھیڑیا آدمیوں کی طرح بول رہا ہے۔ پھر ایک بھیڑیا بطور وفد کے خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے رزق کے بارے میں کہا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ یا تو ان بھیڑیوں کے لیے اپنی بکریوں میں سے خود کوئی حصہ مقرر کر دو یا انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ صحابہؓ نے بات حضورؐ پر چھوڑ دی۔ آپؐ نے رئیس الوفد بھیڑیے کو کچھ اشارہ فرمایا اور وہ سمجھ کر دوڑتا ہوا چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانوں کو بات سمجھا دی

(۸۴) اگر حضرت سلیمانؑ پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ اپنی بات حیوانات کو سمجھا دیتے تھے۔ بھیڑیے کو آپؐ نے بات سمجھا دی اور وہ راضی ہو کر چلا گیا۔ (طبرانی عن عمر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کا اقتدار عطا ہوا

(۸۵) اگر حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ کو پوری زمین کی کنجیاں سپرد کر دی گئیں جس سے مشرق و مغارب پر آپ کا اقتدار نمایاں ہوا۔ اعطیت مفاتیح الارض (مسند احمد بن حنبل)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانگے ملک عطا ہوا

(۸۶) اگر حضرت سلیمانؑ نے ملک یہ کہہ کر مانگا کہ وہ میری ساتھ مخصوص رہے میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ چنانچہ ان کی امت اور رعیت میں سے کسی کو نہیں ملا۔ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ تو حضورؐ کو مشارق و مغارب کا ملک بے مانگے بلکہ انکار کے باوجود دیا گیا جسے آپؐ نے اپنی امت کا ملک فرمایا جو آپ کے بعد امت کے ہاتھوں ترقی کرتا رہا اور دنیا کے آخری دور میں امت ہی کے ہاتھوں پوری دنیا پر چھا جائے گا۔

ان اللہ زوی لی الارض مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ ملک امتی مازوی لی منھا۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ اللہ نے زمین کا مشرق و مغرب مجھے دکھلایا اور میری امت کا ملک وہیں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک میری نگاہیں پہنچی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق مسخر ہوا

(۸۷) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر ہوئی کہ اپنے قلمرو میں جہاں چاہیں اڑ کر پہنچ جائیں تو حضورؐ کے لیے براق مسخر ہوا کہ زمینوں سے آسمانوں اور آسمانوں سے جنتوں اور جنتوں سے مستوی تک پل بھر میں پہنچ جائیں۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ معراج کی مشہور حدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں براق کی ہیئت اور قد وقامت تک کی بھی تفصیلات فرما دی گئی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر آسمان میں بھی تھے

(۸۸) اگر سلاطین انبیاء کے وزراء زمین تک محدود تھے جو ان کے ملک کے بھی زمین تک محدود ہونے کی علامت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر زمین کے تھے ابوبکرؓ و عمرؓ اور دو وزیر آسمانوں کے تھے جبرئیل و میکائیل جو آپ کے ملک کے زمین و آسمان دونوں تک پھیلے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔ ولی وزیر ای فی الارض وزیرای فی السماء اما وزیری فی الارض فابوبکر و عمر. واما وزیر ای فی السماء فجبریل ومیکائیل۔ (الریاض النضرۃ)

ترجمہ:۔ میرے دو وزیر زمین میں ہیں اور دو آسمان میں زمین کے وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں اور آسمان کے وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احیائے قلوب عطاء ہوا

(۸۹) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ دیا گیا۔ جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے تو آپ کو احیاء موتی کے ساتھ احیاء قلوب و ارواح کا معجزہ بھی دیا گیا جس سے مردہ دل جی اٹھے اور صدیوں کی جاہل قومیں عالم و عارف بن گئیں۔

ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ ویفتح بہ اعینا عمیاء واذا ناصماً وقلوبا غلفا (بخاری عن عمرو ابن العاص)

ترجمہ:۔ عمر بن عاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تورات میں یہ فرمائی

گئی ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ آپ کے ذریعہ سے ٹیڑھی قوم (عرب) کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ توحید پر نہ آ جائیں اور کھولے گا آپ کے ذریعہ ان کی اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور اندھے دل۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کھجور کے تنہ کو جان ملی

(۹۰) اگر حضرت روح اللہ کے ہاتھ پر قابل حیات پیکروں مثلاً پرندوں کی ہیئت نما انسانوں کی مردہ نعش میں جان ڈالی گئی تو حضورؐ کے ہاتھ پر نا قابل حیات کھجور کے سوکھے تنہ میں حیات آفرینی کی گئی۔ فصاحت النخلة صياح الصبي۔ (بخاری عن جابر) نیز آپ کے اعجاز سے دروازہ کے کواڑوں نے تسبیح پڑھی اور دست مبارک میں کنکریوں کی تسبیح کی آوازیں سنائی دیں۔ (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ جابر سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک سوکھا تنا جس پر ٹیک لگا کر حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب ممبر بن گیا اور آپؐ اس پر خطبہ دینے کے لیے چڑھے تو وہ سوکھا ستون اس طرح رونے چلانے لگا اور سسکنے لگا جیسے بچے سسکتے ہیں تو آپ نے شفقت و پیار سے اس پر ہاتھ رکھا تب وہ چپ ہوا۔ (خصائص ص ۷۴)

کھجور کے تنہ میں انسانوں کی سی حیات آئی

(۹۱) اگر مسیح کے ہاتھ پر زندہ ہونے والے پرندوں میں پرندوں ہی کی سی حیات آئی اور وہ پرندوں ہی کی سی حرکات کرنے لگے تو آپؐ کے ہاتھ پر جی اٹھنے والے کھجور کے سوکھے تنے میں انسانوں بلکہ کامل انسانوں کی سی حیات آئی کہ وہ عاشقانہ گریہ و بکا اور عشق الٰہی میں فنائیت کی باتیں کرتا ہوا اٹھا۔ وہاں حیوان کو حیوان ہی نمایاں کیا گیا اور یہاں سوکھی لکڑی کو کامل انسان بنا دیا گیا۔ (كما في الحديث السابق)

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث بالا میں گزرا۔

استن حنانہ از ہجر رسولؐ ناله ہامی زد چو ارباب عقول

امت محمدیہ کے لوگ کھانے پینے سے مستغنی ہوں گے

(۹۲) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھ کر کھانے پینے سے مستغنی بنایا گیا تو حضرت خاتم الانبیاء کی امت کے لوگوں کو زمین پر رہتے ہوئے کھانے پینے سے مستغنی کر دیا گیا۔ یاجوج ماجوج کے خروج اور ان کے پوری زمین پر قابض ہو جانے کے وقت مسلمین ایک محدود طبقہ زمین میں پناہ گزیں ہوں تو ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

قالوا فما طعام المومنين يومئذ؟ قال التسبيح و التكبير و التهليل

(مسند احمد عن عائشہ)

وفی روایت اسماء بنت عمیس نحوه فیه یجزئهم ما یجزی اهل السماء من التسبیح و التقدیس (خصائص کبری ۲/۲۱۵)

ترجمہ:۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آج کے دن یعنی یاجوج ماجوج کے قبضہ عمومی کے زمانہ میں) مسلمانوں کے کھانے پینے کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا۔ تسبیح و تکبیر اور تہلیل یعنی ذکر اللہ ہی غذا ہو جائے گا۔ جس سے زندگی برقرار رہے گی اور اسماء بنت عمیس کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کی حد تک وہی چیز کفایت کرے گی جو آسمان والوں (ملائکہ) کو کفایت کرتی ہے۔ یعنی تسبیح و تقدیس۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ خود اللہ تھے

(۹۳) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی حفاظت کے لئے روح القدس (جبرئیل) مقرر تھے تو حضور کی حفاظت خود حق تعالٰی فرماتے تھے۔ واللہ یعصمک من الناس (القرآن الکریم)

ہو کیوں جبرئیل دربانِ محمدؐ خدا خود ہے نگہبانِ محمدؐ

(حضرت شیخ الہند)

ترجمہ:۔ اور اللہ بچاؤ فرمائے گا تمہارا (اے محمدؐ) لوگوں (کے شر) سے۔

امت محمدیہ مجتہد بنائی گئی

(۹۴) اگر اور انبیاء کی امتیں پابند رسول و جزئیات اور بندھی ٹکی رسموں کے اتباع میں مقلد جامد بنائی گئیں کہ ان کے یہاں ہمہ گیر اصول تھے کہ ان سے ہنگامی احکام کا استخراج

کریں اور انہیں تفقہ کے ساتھ ہمہ گیر دین دیا گیا تھا کہ قیامت تک دنیا کا شرعی نظام اس سے قائم ہو جائے تو امت محمدی مفکر، فقیہ اور مجتہد امت بنائی گئی تا کہ اصول وکلیات سے حسب حوادث و واقعات احکام کا استخراج کر کے قیامت تک کا نظم اسی شریعت سے قائم کرے جس سے اس کے فتاویٰ اور کتب فتاویٰ کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچی۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون (القرآن الحکیم)

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین.

ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کی طرف اے پیغمبر ذکر (قرآن) اتارا تا کہ آپ کھول کھول کر لوگوں کے لیے وہ چیزیں بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئیں اور تا کہ لوگ بھی (ان بین المراد امور میں) تفکر اور تدبر کریں اور فرمایا کیوں ایسا نہیں ہوتا (یعنی ضرور ہونا چاہیے) کہ ہر جماعت اور ہر طبقہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلیں اور دین میں تفقہ اور سمجھ پیدا کریں۔

امت محمدیہ کے راسخین فی العلم مفروض الاطاعۃ ہیں

(۹۵) اسی لیے اگر انبیاء سابقین مفروض الطاعۃ تھے تو اللہ ورسول کے بعد اس امت کے راسخین فی العلم علماء ہی مفروض الاطاعۃ بنائے گئے۔ یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا لقب ملا

(۹۶) اگر علماء بنی اسرائیل کو احبار ورہبان کا لقب دلوایا گیا۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ تو اس امت کے راسخین فی العلم کو کانبیاء بنی اسرائیل کا لقب دیا گیا۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (ترجمہ:۔ میری امت کے علماء مثل بنی اسرائیل کے ہیں (نورانیت اور آثار کی نوعیت میں) یہ حدیث گو ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں قبول کی گئی ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نے اس سے دو جگہ استشہاد کیا ہے۔) اور انہیں انبیاء کی طرح دعوت عام اور تبلیغ عمومی کی طرح دعوت عام اور تبلیغ عمومی کا منصب دیا گیا۔ اسی لیے ایک حدیث میں علماء امت کے انوار کو انوار انبیاء سے تشبیہ دی گئی۔ ونورھم یوم القیمۃ

مثل نور الانبیاء ۔(بیہقی عن وہب ابن منبہ) نیز امت کے کتنے ہی اعمال کو اعمال انبیاء سے تشبیہ دی گئی کہ وہ اعمال یا انبیاء کو دیئے گئے یا اس امت کو عطاء ہوئے دوسری امتوں کو نہیں ملے۔ یعنی خصوصیات انبیاء سے صرف یہ امت سرفراز ہوئی۔

وامتہ امۃ مرحومۃ اعطیتھم من النوافل مثل اعطیت الانبیاء وافترضت علیھم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء والرسول حتی یاتونی یوم القیمۃ ونورھم مثل نور الانبیاء وذلک انی افترضت علیھم ان یتطھروا فی کل صلوۃ کما افترضت علی الانبیاء وامرتھم بالغسل من الجنابۃ کما امرت الانبیاء وامرتھم بالحج کما امرت الانبیاء وامرتھم بالجھاد کما امرت الرسل۔ (بیہقی عن وہب من منبہ)

ترجمہ۔ یہ امت امت مرحومہ ہے جس کو میں نے ایسے نوافل دیئے جیسے انبیاء کو دیئے ان کے فرائض وہ رکھے جو انبیاء ورسل کے رکھے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئیں گے تو ان کی نورانیت انبیاء کی نورانیت جیسی ہوگی (جیسے اعضاء وضو چمکتے ہوئے ہونگے) کیونکہ میں نے ان پر پاکیزگی ہر نماز کے لیے وہی فرض کی ہے جو انبیاء پر فرض ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ (ھذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبل) جس سے تین تین بار اعضاء وضو کا دھونا امت کے لیے سنت قرار دیا گیا جو اصل میں انبیاء کا وضو ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کے اعضاء وضو بھی اسی طرح چمکتے ہوں گے مگر یہ وضو اور امتوں کو نہیں دیا گیا۔ بجز امت مرحومہ کے تو اسی کا نور مشابہ ہو گیا انبیاء کے نور کے) اور میں نے امت کو امر کیا ہے غسل جنابت کا جیسا کہ انبیاء کو دیا تھا اور امت کو امر کیا حج کا جیسا کہ انبیاء کو کیا تھا۔ چنانچہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حج نہ کیا ہو اور امر کیا امت کو جہاد کا جیسا کہ رسولوں کو امر کیا۔ حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا بعض علماء نے انکار کیا ہے لیکن اس انکار کا مطلب زیادہ سے زیادہ ان الفاظ کا انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن حدیث کے معنی یعنی علماء امت محمدیہ کی تشبیہ انبیاء سے بلحاظ مضمون ثابت شدہ ہے۔ اس لیے حدیث اگر لفظاً ثابت نہ ہو تو بھی معناً ثابت ہے۔ اسی لیے علماء نے جگہ جگہ اس حدیث سے استدلال کیا ہے جیسا امام رازیؒ نے آیت کریمہ یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم کے تحت میں مراتب بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ پھر ایسے ہی

آیت کریمہ۔ قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم کے نیچے مراتب وکمال ونقصان بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امت محمدیہ کی توبہ دل سے ہے

(۹۷) اگر امم سابقہ (جیسے یہود) میں توبہ قتل سے ہوتی تھی۔ یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم۔ (القرآن الحکیم)

تو اس امت کی توبہ قلبی ندامت رکھی گئی۔ الندم توبة.

ترجمہ:۔ اے قوم بنی اسرائیل اتم نے گئوسالہ کو اپنا معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کر۔

ترجمہ:۔ ندامت ہی توبہ ہے جب بندہ دل میں پشیمان ہو گیا اور آئندہ اس بدی سے باز رہنے کا عزم باندھ لیا تو توبہ ہو گئی نہ قتل نفس کی ضرورت رہی نہ ترک مال کی۔

امت محمدیہ کو دونوں قبلے عطاء ہوئے

(۹۸) اگر امت موسیٰ وعیسیٰ کا صرف ایک قبلہ (بیت المقدس) تھا۔ اور اگر اہل عرب کا صرف ایک قبلہ (کعبہ معظمہ) تھا تو امت محمدیہ کو یکے بعد دیگرے یہ دونوں قبلے عطاء کئے گئے جس سے یہ امت جامع امم ثابت ہوئی۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلة ترضٰھا. (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کا کفارہ استغفار سے ہوتا ہے

(۹۹) اگر اور امتوں کی سیئات کا کفارہ دنیا یا آخرت کی رسوائی بغیر نہ ہوتا تھا کہ وہ سیئہ در و دیوار پر مع صورت کفارہ لکھ دی جاتی تھی تو اس امت کے معاصی کا کفارہ توبہ استغفار اور ستاری ومساجد کے ساتھ نمازوں سے ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

کانت بنو اسرائیل اذا اصاب احدھم الخطیئة وجدھا مکتوبا علی بابه و کفارتھا فان کفرھا کانت له خزی فی الدنیا وان یکفرھا کانت له خزی فی الاخرة و قد اعطاکم الله خیرا من

ذالک قال تعالیٰ ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما و الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ کفارات لما بینھن ۔ (ابن جریر عن ابی العالیہ)

ترجمہ:۔ بنی اسرائیل جب گناہ کرتے تو ان کے دروازوں پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھ کر انہیں رسوا کر دیا جاتا تھا اگر کفارہ ادا کرتے تو دنیا کی اور نہ کرتے تو آخرت کی رسوائی ہوتی لیکن تمہیں اے امت محمدیہ اس سے بہتر صورت دی گئی اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی بری حرکت کرے اور اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ کو غفور رحیم پائے گا (عام رسوائی اور فضیحتی نہ ہوگی) اور پھر پانچ نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کے کمال اطاعت کا ثبوت دیا

(۱۰۰) اگر امت موسوی نے دعوت جہاد کے جواب میں اپنے پیغمبر کو یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا کہ اے موسیٰ تو اور تیرا پروردگار لڑلو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں تو امت محمدیؐ نے کمال اطاعت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے نہ صرف ارض حجاز بلکہ شرق وغرب میں دین محمدیؐ کے علم کو سربلند کیا اور اعظم درجۃ عند اللہ کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

امتِ محمدیہ اور انبیاء کی شہادت دے گی

(۱۰۱) اگر اور انبیاء کی امتیں محشر میں اپنی شہادت میں اپنے انبیاء کو پیش کریں گی تو انبیاء اپنی شہادت میں اس امت کو اور یہ امت اپنی شہادت میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرے گی۔

یجاء بنوح یوم القیمۃ فیقال لہ ھل بلغت؟ فیقول نعم یارب فسال امتہ ھل بلغکم؟ فیقولون ما جاء نا من نذیر فیقول من شھودک؟ فیقول محمدؐ وامتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیجاء بکم فتشھدون انہ قد بلغ ثم قرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون

الرسول علیکم شہیدا۔ (بخاری عن ابی سعید)

ترجمہ:۔ قیامت کے دن نوحؑ لائے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امت کو تبلیغ کی؟ کہیں گے کہ ہاں اے میرے رب تو ان کی امت سے پوچھا جائیگا کہ کیا نوحؑ نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا نہیں۔ نوحؑ سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟

عرض کریں گے محمدؐ اور ان کی امت۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس وقت تم (اے امت والو) بلائے جاؤ گے اور تم گواہی دو گے کہ نوحؑ نے تبلیغ کی۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی اور ہم نے تمہیں اے امت محمدیہ! درمیانی اور معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم اقوام عالم پر گواہ بنو اور رسول کریم تم پر گواہ ہوں۔

امت محمدی اول بھی ہے آخر بھی

(۱۰۲) اگر اور انبیاء کی امتیں صرف اول ہوں تو آخر بلکہ جیج میں محدود ہوگی تو امت اول بھی ہوگی اور آخر بھی۔ جعل امتی ہم الاخرون وہم الاولون۔ (ابن عباس)

آخر میں دنیا میں اور اول قیامت میں حساب و کتاب میں بھی اول اور داخلہ جنت میں بھی اول۔

نحن الآخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیٰمۃ المقضی لھم قبل الخلائق۔ (ابن ماجہ ابن ہریرۃ وحذیفہ)

ترجمہ:۔ میری ہی امت آخر بھی رکھی ہے اور اول بھی۔ دوسری حدیث ہے ہم آخر ہیں دنیا میں اور اول ہیں آخرت میں کہ سب خلائق سے پہلے ہمارا فیصلہ سنایا جاوے گا۔

امت محمدی کو اولین و آخرین پر فضیلت دی گئی

(۱۰۳) اگر موسوی امت کو اپنے دور کے جہانوں پر فضیلت دی گئی وانی فضلتکم علی العلمین تو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق اولین و آخرین پر فضیلت دے کر افضل الامم فرمایا گیا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ (القرآن الحکیم)

و حدیث جعلت امتی خیر الامم۔ (مسند بزار عن ابو ہریرہ)

وحدیث وفی الزبور یا داؤد انی فضلت محمدا و امته علی الامم کلھم. (خصائص کبری ۱۳/۱)

یا رب تو کریمی و رسولؐ تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

ترجمہ:۔تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے کھڑی کی گئی ہے اور حدیث ہے میری امت بہترین امم بنائی گئی ہے اور حدیث ہے زبور میں کہ حق تعالے نے فرمایا۔ اے داؤد! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق فضیلت دی اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عالم فتح کر ڈالا

(۱۰۳) اگر صحابہ موسیٰ باوجود معیت موسیٰ کے بیت قدس یعنی خود اپنے قبلہ کو اپنے ہی وطن (یعنی فلسطین کو بھی فتح کرنے سے جی چھوڑ بیٹھے اور صاف کہہ دیا۔ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔تو صحابہ محمدیؐ نے اپنے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے وطن (حجاز) کے ساتھ عالم کو فتح کر ڈالا۔ انا فتحنا لک فتحاً مبینا۔ کا ظہور ہوا اور لیستخلفنھم فی الارض کا وعدہ خداوندی پورا کر دیا گیا۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام! تو اور تیرا پروردگار لڑلو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں (ہم سے یہ قتال و جہاد کی مصیبت نہیں سہی جاتی) اس امت کے بارے میں ہے کہ ہم نے تمہیں اے نبی! فتح مبین دی۔ (مکہ فتح ہو گیا) اور آیت میں ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کی خلافت و سلطنت ضرور بخشے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مکہ فتح ہوا۔ پھر خیبر اور بحرین فتح ہوا۔ پھر پورا جزیرہ عرب کا اکثر حصہ فتح ہوا۔ پھر یمن کا پورا ملک فتح ہوا۔ پھر ہجوں کے مجوس سے خرید لیا گیا۔ اطراف شام و روم و مصر و اسکندریہ وحبشہ پر اثرات قائم ہوئے کہ بادشاہ روم (قیصر) بادشاہ حبش (نجاشی) شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس شاہان عمان وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تحفے بھیج کر اپنی فرمانبرداری اور نیاز مندی کا ثبوت دیا۔ پھر صدیق اکبر خلیفہ رسول اللہؐ نے جزیرہ عرب پورا کا پورا لے لیا۔ فارس پر فوج کشی کی۔ شام کے اہم علاقے بصریٰ وغیرہ فتح ہوئے۔ پھر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں پورا شام پورا مصر، فارس وایران اور پورا روم اور قسطنطنیہ فتح ہوا۔ پھر عہد عثمانی میں اندلس،

قیصر کی بلاد قیصر ابن وسعید اقصائے یمن و عراق و خراسان وماوراء اور ترکستان کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا اور پھر اسعد کے ہاتھ پر ہند و سندھ و یورپ وایشیاء کے بڑے بڑے ممالک فتح ہوئے۔ جن پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور بالآخر زمانہ آخر میں پوری دنیا پر بیک وقت اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ وعدہ امت کو دیا گیا جو پورا ہو کر رہے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

جنت میں امتِ محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی

(۱۰۵) اگر جنت میں ساری امتیں چالیس صفوں میں ہوں گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا امت اسی (۸۰) صفیں پائے گی۔

اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذه الامة واربعون من سائر الامم. (ترمذی و دارمی۔ بیہقی بریدۃ)

امتِ محمدیہ کے صدقات سے غرباء مستفید ہوتے ہیں

(۱۰۶) اگر اور امتوں کے صدقات اور انبیاء کے خمس نذر آتش کئے جانے سے قبول ہوتے تھے جس سے امتیں مستفید نہیں ہو سکتی تھیں تو امت محمدیؐ کے صدقات وخمس خود امت کے غرباء پر خرچ کرنے سے قبول ہوتے ہیں جس سے پوری امت مستفید ہوتی ہے۔

وكانت الانبياء يعزلون الخمس فتجيء النار وتاكله وامرت انا ان اقسم بين فقراء امتي. (بخاری فی تاریخہ عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ اگر اور انبیاء علیہم السلام اپنا خمس کا حق چھوڑ دیتے تھے تو آگ آتی تھی اور اسے جلا ڈالتی تھی (یہی اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ بحوالۂ قرآن حکیم حتى ياتينا بقربان تاكله النار) اور مجھے امر کیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو تقسیم کر دوں اپنی امت کے فقراء میں۔

(خصائص کبریٰ ص۱۸۸/ج۲)

امتِ محمدیہ کے لئے الہام ہے

(۱۰۷) اگر اور انبیاء پر وحی آتی تھی جس سے اصلی تشریع کا تعلق تھا تو اس امت کے ربانیوں پر الہام اترا جس سے اجتہادی شریعتیں نکلیں۔

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول

والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونهٗ منھم.

ترجمہ:۔اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے حالانکہ اگر وہ اسے رسول یا اپنے میں سے اولو الامر کی طرف لوٹا دیتے ہیں اسے ان میں سے استنباط کرنے والے جان لیتے (جو اس میں سے نئی چیزیں مستنبط کر کے نکال لیتے۔)

امتِ محمدیہ عامہ گمراہی سے محفوظ ہے

(۱۰۸) اگر اور انبیاء کی امتیں ضلالتِ عامہ سے نہ بچ سکیں تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی عامہ سے ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا گیا۔

لاتجمع امتی علی الضلالة۔

ترجمہ:۔میری امت (ساری کی ساری مل کر کبھی بھی) گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع حجت ہے

(۱۰۹) اگر اور انبیاء کی امتوں کا مل کر کسی چیز کا جمع ہو جانا عند اللہ حجت شرعیہ نہیں تھا کہ وہ گمراہی عامہ سے محفوظ نہ تھیں تو امتِ محمدیہ کا اجماع حجتِ شرعیہ قرار دیا گیا کہ وہ عام گمراہی سے محفوظ کی گئی ہے۔

وما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن و حدیث انتم شھداء اللہ فی الارض ولتکونوا شھداء علی الناس.

ترجمہ:۔جسے مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین میں۔اور آیت کریمہ ہم نے تمہیں اے امت محمدیہ درمیانی درجہ کی امت بنایا ہے (تمہیں بھی اس کا دھیان چاہیے) اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین پر) اور آیت کریمہ ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم گواہ ہو دنیا کے انسانوں پر۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ عام نہ ہوگا

(۱۱۰) اگر اور انبیاء کی امتیں گمراہی عامہ کی وجہ سے معذب ہو ہو کر ختم ہوتی رہیں تو امت محمدیہ کو عذابِ عام اور استیصال عام سے دائمی طور پر بچا لیا گیا۔

وما کان اللہ لیعذبهم وانت فیهم وما کان اللہ معذبهم وهم یستغفرون (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کو دس گنا اعلیٰ مقام ملیں گے

(۱۱۱) اگر اور انبیاء کی امتوں کو جنت میں نفس مقامات سے نوازا جائے گا تو امت محمدیہ کو ہر مقام کا دگنا درجہ دیا جائے گا۔ تا آنکہ اس امت کے ادنیٰ جنتی کا ملک بہ نص حدیث دس دنیا کی برابر ہوگا۔ فما ظنک بالاعلیٰ؟

ترجمہ:۔ جیسا کہ آیت کریمہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها اس پر شاہد ہے۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلحاء بھی شفاعت کریں گے

(۱۱۲) اگر امم سابقہ کی شفاعت صرف ان کے انبیاء ہی کریں گے تو اس امت کی شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس امت کے صلحاء بھی کریں گے اور ان کی شفاعت سے جماعتیں کی جماعتیں نجات پا کر داخل ہوں گی۔

ان من امتی من یشفع للفئام ومنهم من یشفع للقبیلة ومنهم من یشفع للعصبة ومنهم من یشفع للرجل حتی یدخلوا الجنه۔ (ترمذی ابن ابی سعید)

ترجمہ:۔ میری امت میں ایسے بھی ہوں گے جو کئی کئی شفاعتیں کریں گے اور ایک خاندان بھر کی، بعض خاندان کے ایک حصہ کی اور بعض ایک شخص کی، تا آنکہ یہ لوگ اس کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام سے ہے

(۱۱۳) اگر اور انبیاء کی امتوں کے نام ان کے وطنوں اور قبیلوں یا انبیاء کے ناموں سے رکھے گئے جیسے عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ تو امت محمدیہ کے دو نام اللہ نے اپنے ناموں سے رکھے۔

مسلم اور مومن۔ یا یهود تسمو اللہ باسمین وسمی اللہ بهما امتی هو السلام وسمیٰ بها امتی المسلمین و هو المومن وسمیٰ بها امتی المومنین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ عن مکحول)

ترجمہ:۔ اے یہودی! اللہ نے اپنے دو نام رکھے۔ اور پھران دونوں ناموں سے نام میری آیت کا رکھا۔ اللہ تعالیٰ سلام ہے تو اس نام پر اس نے میری امت کو مسلمین کہا اور وہ مومن ہے تو اپنے اس نام پر اس نے میری امت کو مومنین فرمایا۔

تمام امتیازات کی بنیاد ختم نبوت ہے

یہ سارے امتیازی فضائل و کمالات جو جماعت انبیاء میں آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلامی سے امتوں میں اس امت کو دیے گئے تو اس کی بناء ہی یہ ہے کہ اور انبیاء نبی ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور امتیں امم واقوام ہیں اور یہ امت خاتم الامم اور خاتم الاقوام ہے اور انبیاء کی کتب آسمانی کتب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب ہے اور ادیان ادیان ہیں اور یہ دین خاتم الادیان ہے اور شرائع شریعتیں ہیں اور یہ شریعت خاتم الشرائع ہے۔ یعنی آپ کی خاتمیت کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ہی کمالات وآثار میں رچا ہوا ہے۔ پس یہ امتیازی خصوصیات محض نبوت کے اوصاف نہیں بلکہ ختم نبوت کی خصوصیات ہیں۔ اس لیے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں ختم نبوت کے مقام سے ممتاز اور افضل ہیں۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاتمیت کی ممتاز سیرت تمام انبیاء کی سیرتوں سے ممتاز اور افضل ہے چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ختم نبوت اور خاتمیت کو اپنی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی چھ امتیازی خصوصیات جوامع کلم اور غیر معمولی رعب وغیرہ ارشاد فرمائی۔ وہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی فرمائی کہ:۔

وختم بی النبیون. (بخاری ومسلم)۔ مجھ سے نبی ختم کر دیے گئے۔

ختم نبوت کا منکر تمام کمالات نبوی کا منکر ہے

اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضور کی یہ خصوصیات اور ممتاز سیرت ختم نبوت کے تسلیم کیے بغیر زیر تسلیم نہیں آسکتی۔ ان خصوصی فضائل کو وہی مان سکے گا جو ختم نبوت کو مان رہا ہو۔ ورنہ ختم نبوت کا منکر درحقیقت ان تمام فضائل و کمالات اور خصوصیات نبوی کا منکر ہے۔ گو

زبان سے وہ حضور کی افضلیت کا دعویٰ کرتا رہے۔ مگر یہ دعویٰ ختم نبوت کے انکار کے ساتھ زمانہ سازی اور حیلہ بازی ہوگا۔ بہر حال حضورؐ کے کمالات کے دائرہ میں ہر کمال کا یا اجمالی نقطہ آپ کی خاتمیت کا اثر ہے نہ کہ محض نبوت کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بھی ہیں اور جامع کمالاتِ انبیاء بھی

اس سے یہ اصول بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ شے کی انتہا میں اس کی ابتداء لپٹی ہوتی ہے اور کمال کے ہر انتہائی نقطہ میں اس کے تمام ابتدائی مراتب مندرج ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی سارے عالم میں درجہ بدرجہ پھیلی ہوئی ہے جس کے مختلف اور متفاوت مراتب ہیں لیکن اس کے انتہائی مرتبہ نور میں اس کے ابتدائی نور کے تمام مراتب کا جمع رہنا قدرتی ہے۔ مثلاً اس کے نور کا ادنیٰ درجہ ضیاء اور چاندنا ہے جو بند مکانوں میں بھی پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کا مرتبہ دھوپ ہے جو کھلے میدانوں اور صحنوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے جس سے میدان روشن کہلاتے ہیں۔ اس سے اوپر کا مرتبہ شعاعوں کا ہے جس کا باریک تاروں کی طرح فضائے آسمانی میں جال پھیلا ہوا ہوتا ہے اور فضا ان سے روشن رہتی ہے۔ اس سے بھی اوپر کا مرتبہ اصل نور کا ہے جو آفتاب کی ٹکیہ کے چوگرد اس سے لپٹا ہوا اور اس سے چھنتا ہوا ہوتا ہے جس سے آفتاب کا ماحول منور ہوتا ہے اور اس سے اوپر ذات آفتاب ہے جو بذات خود روشن ہے لیکن یہ ترتیب خود اس کی دلیل ہے کہ آفتاب سے نور صادر ہوا، نور سے شعاع برآمد ہوئی، شعاع سے دھوپ نکلی اور دھوپ سے چاندنا نکلا گویا ہر اعلیٰ مرتبہ کا اثر ادنیٰ مرتبہ ہے جو اعلیٰ سے صادر ہورہا ہے۔ اس لیے با سانی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ضیاء اور روشنی دھوپ میں تھی جب ہی تو اس سے برآمد ہوئی دھوپ شعاعوں میں تھی جب ہی تو اس سے نکلی، شعاعیں نور میں تھیں جب ہی اس سے صادر ہوا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روشنی کے یہ سارے مراتب آفتاب کی ذات میں جمع تھے جب ہی تو واسطہ بلا واسطہ اس سے صادر ہو ہو کر عالم کے طبقات کو منور کرتے رہے۔ پس آفتاب خاتم الانوار ہونے کی وجہ سے جامع

للاانوار ثابت ہوا۔ اگر نور کے سارے مراتب اس پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے تو اس میں یہ سب کے سب مراتب جمع بھی نہ ہوتے تو قدرتی طور پر خاتمیت کے لیے جامعیت لازم نکلی۔

ٹھیک اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ خاتم الکمالات ہیں جن پر نبوت کے تمام علمی وعملی اور اخلاقی واحوالی مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو آپ ہی ان سارے کمالات کے جامع بھی ثابت ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت کا ہر کمال جس جس رنگ میں جہاں جہاں اور جس جس پاک شخصیت میں موجود تھا وہ آپ ہی سے نکلا اور آخر کار آپ ہی پر آ کر ختم ہوا تو یقیناً وہ آپ ہی میں جمع بھی تھا۔ اس لیے وہ تمام امتیازی کمالات علم واخلاق اور کمالات احوال ومقامات جو مذکورہ بالا دفعات میں پیش کیے گئے ہیں اور جو آپ کے لیے وجہ امتیاز وفضیلت ہیں جب کہ آپ ہی پر پہنچ کر ختم ہوئے تو وہ بلاشبہ آپ ہی میں جمع شدہ بھی تھے ورنہ آپ پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے اور جب آپ کی ذات بابرکات جامع الکمالات بلکہ منبع کمالات ثابت ہوئی اور آپ کے سارے کمالات انتہائی ہو کر جامع مراتب کمالات ثابت ہوئے۔

مصحف گشت جامع آیات منتہی غایت ہمہ غایات

تو یقیناً آپ کی شریعت جامع الشرائع آپ کا دین جامع الادیان، آپکا لایا ہوا علم جامع علوم اولین وآخرین، آپ کا خلق عظیم یعنی جامع اخلاق سابقین ولاحقین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع کتب سابقین ہے جو آپ کی خاتمیت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے آپ کی خاتمیت کی شان نے آپ کی جامعیت ثابت ہوگی۔

مُصدِّقیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور اُن کی شریعتوں کے مُصدِّق ہیں

اب اس جامعیت سے آپ کی افضلیت کا ایک اور مقام نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ شانِ مصدقیت ہے کہ آپ سابقین کی ساری شریعتوں اور ان کی لائی ہوئی ساری کتابوں کے تصدیق کنندہ ثابت ہوتے ہیں جس کا دعویٰ قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے:۔

ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم.

ترجمہ۔ پھر تمہارے پاس (اے پیغمبران الٰہی) وہ عظیم رسول (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آ جائیں تو تمہارے ساتھ کی ہر چیز (سماوی کتب نبوت، معجزات تعلیمات وغیرہ) کے تصدیق کنندہ ہوں (تو تم ان پر) ایمان لانا اور ان کی نصرت کرنا۔

اور فرمایا:۔ بل جاء بالحق و صدق المرسلین.

ترجمہ۔ بلکہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اور رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے۔

مُصدِّقیت کی توجیہ

وجہ ظاہر ہے کہ جب آپ کی شریعت میں تمام پچھلی شریعتیں جمع ہیں اور آپ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) میں تمام پچھلی کتب سماویہ مندرج ہیں تو ان کی تصدیق خود اپنی تصدیق ہے۔ جس کی بہ صورت کی مثال سے کھلی بھی ہے کہ جیسے ہر انتہا میں اس کے ابتدائی مراتب جمع ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی وہ سارے ابتدائی مراتب نکلتے بھی اس انتہائی مرتبہ

سے ہیں۔ اس لیے سابق شریعتیں درحقیقت اس انتہائی شریعت کے ابتدائی مراتب ہونے کے سبب اسی میں سے نکلی ہوئی مانی جاویں گی ورنہ یہ شریعت انتہائی اور وہ ابتدائی نہ رہیں گی جو مشاہدہ اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ وہ اپنی جگہ مسلّم شدہ ہے پس اس جامع شریعت کی تصدیق کے بعد ممکن ہی نہیں کہ ابتدائی شریعتوں کی تصدیق نہ کی جائے بلکہ خود اس مصدقہ شریعت میں جمع شدہ ہیں۔ ورنہ خود اس شریعت کی تصدیق بھی باقی نہ رہے گی۔ اس لیے جب یہ آخری اور جامع شریعت آپ کے اندر سے ہوکر نکلی تو سابقہ شریعتیں بھی بالواسطہ آپ ہی کے اندر سے ہوکر آئی ہوئی تسلیم کی جاویں گی۔ وانہ لفی زبر الاولین اور یہ قرآن پچھلوں کی کتابوں میں بھی (لپٹا ہوا) موجود تھا) اس لیے اس شریعت کی تصدیق کے لیے پچھلی شریعتوں کی تصدیق ایسی ہی ہوگی جیسے اپنے اجزاء و اعضاء کی تصدیق اور ظاہر ہے کہ اپنے اعضاء و اجزاء اور بالفاظ دیگر خود اپنی تکذیب کون کرسکتا ہے؟ ورنہ یہ معاذ اللہ خود اپنی شریعت کی تکذیب ہو جائے گی۔ جب کہ یہ ساری شریعتیں اسی آخری شریعت کے مبادی اور مقدمات اور ابتدائی مراتب تھے تو کل کی تصدیق کے اس کے تمام تر اجزاء کی تصدیق ضروری ہے ورنہ وہ کل کی ہی تصدیق نہ رہے گی۔ اس لیے سارے پچھلے ادیان کے حق میں آپ کے مصدق ہونے کی شان نمایاں تر ہو جاتی ہے۔

اسلام تمام شریعتوں کے اقرار کا نام ہے

اور واضح ہو جاتا ہے کہ "اسلام" اقرار شرائع کا نام ہے، انکار شرائع کا نہیں۔ تصدیق مذاہب کا نام ہے۔ تکذیب مذاہب کا نہیں۔ توقیر ادیان کا نام ہے۔ تحقیر ادیان کا نہیں۔ تعظیم مقتدایان مذاہب کا نام ہے۔ توہین مقتدایان کا نام نہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کا ماننا درحقیقت ساری شریعتوں کا ماننا اور اس کا انکار ساری شریعتوں کا انکار ہے اور اسلام آجانے کے بعد اس سے منکر درحقیقت کسی بھی دین و شریعت کے مقر تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔

تمام غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کی آرزو

اس بناء پر اگر ہم دنیا کے سارے مسلم اور غیر مسلم افراد سے یہ امید رکھیں کہ وہ حضرت

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع و خاتم سیرت کے مقامات کو سامنے رکھ کر اس آخری دین کو پوری طرح سے اپنائیں اور اس کی قدر و عظمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں تو یہ بے جا آرزو نہ ہوگی مسلمانوں سے تو اس لیے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اسلام دے کر دین ہی نہیں دیا بلکہ سرچشمہ ادیان دے دیا اور ایک جامع شریعت دے کر دنیا کی ساری شریعتیں ان کے حوالے کر دیں۔ جب کہ وہ سب کی سب شاخ در شاخ ہو کر اسی آخری شریعت سے نکل رہی ہیں جس سے مسلمان بیک وقت گویا سارے ادیان و شریعت پر عمل کرنے کے قابل اور اس جامع عمل سے اپنے لیے جامعیت کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ ایک دین نہیں بلکہ تمام ادیان عالم پر مرتب ہونے والے سارے ہی اجر و ثواب اور درجات و مقامات کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔

اسلام اقرار و معرفت کا دین ہے

اندریں صورت اگر ہم یوں کہیں تو خلاف حقیقت نہ ہوگا۔ اگر وہ صحیح معنی میں عیسائی، موسائی، ابراہیمی اور نوحی بھی ہیں کہ آج انہی کے دم سے سچی نوحیت، ابراہیمیت، موسائیت اور عیسائیت دنیا میں زندہ ہے جب کہ بلا استثناء ان سب کے ماننے اور ان کی لائی ہوئی شرائع کو سچا تسلیم کرنے کی روح انہوں نے ہی دنیا میں پھونک رکھی ہے بلکہ اپنی جامع شریعت کے ضمن میں ان سب شریعتوں پر عمل پیرا بھی ہیں۔ ورنہ آج ابراہیم کے ماننے والے براہیمیت کو اس وقت تک برابر نہیں رکھتے جب تک کہ وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمد علیہم السلام کی تکذیب و توہین نہ کر لیں۔ اسی طرح آج کی عیسائیت کو ماننے والے بزعم خود اپنی عیسائیت کو اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتے۔ جب تک کہ وہ محمدیت کی تکذیب نہ کر لیں۔ گویا ان کے مذاہب کی بنیاد ہی تکذیب پر ہے تصدیق پر نہیں۔ انکار پر ہے اقرار پر نہیں۔ توہین پر ہے توقیر پر نہیں۔ جہالت پر ہے معرفت پر نہیں۔ حالانکہ مذہب نام اقرار کا ہے انکار کا نہیں۔ ایمان نام معرفت کا ہے جہالت کا نہیں، دین نام محبت کا ہے عداوت کا نہیں، پس تسلیم و اقرار، تعظیم و توقیر، علم، معرفت اور ایمان و دین کا کارخانہ سنبھلا ہوا ہے تو صرف اسلام ہی سے سنبھلا ہوا ہے۔

غلبہ اسلام

اور اسی کی تسلیم عام اور تصدیق عام کی بدولت تمام مذاہب کی اصلیت اور توقیر محفوظ ہے۔ ورنہ اقوام دنیا نے مل کر تعصبات کی راہوں سے اس کارخانہ کو درہم برہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ بنا بریں اسلام کے ماننے والے تو اس لیے اسلام کی قدر پہچانیں اور اسے دستور زندگی بنائیں کہ اللہ نے انہیں تعصبات کی دلدل سے دور رکھ کر دنیا کی تمام قوموں، امتوں اور ان کے تمام مذاہب اور شریعتوں کا رکھوالا اور محافظ بنایا اور ان میں سے غل وغش کو الگ دکھا کر اصلیت کا راز داں تجویز کیا۔ دوسرے انکار اقرار و تسلیم صرف ان ہی کی شریعت تک محدود نہیں بلکہ شاخ در شاخ بنا کر دنیا کی تمام شریعتوں تک پھیلا دیا جس سے اگر ایک طرف ان کے دین کی وسعت وعمومیت اور جامعیت نمایاں کی جو خود دین والوں کی جامعیت اور وسعت کی دلیل ہے تو دوسری طرف اسلامی دین کا غلبہ بھی تمام ادیان پر پورا کر دیا۔

جس کی قرآن نے لیظہرہ علی الدین کلہ (تا کہ اسلامی دین کو اللہ تمام دینوں پر غالب فرمائے) خبر دی تھی۔

کیونکہ غلبہ دین کی اس سے زیادہ نمایاں اور واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ دین اسلام تمام ادیان کا مصدق بن کر ان میں روح کی طرح دوڑا ہوا انہیں تھامے ہوئے ہے، ان کا قیوم اور سنبھالنے والا ہے۔ اور اسی کے دم سے ان کی تصدیق وتوثیق باقی ہے ورنہ اقوام عالم تو مذاہب کی تردید وتکذیب کر کے انہیں لاشئے محض بنا چکی تھیں۔ وقالت الیھود لیست النصاریٰ علی شیء. وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شئی (یہود نے کہا کہ نصاریٰ لاشئے محض ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود لاشئی محض ہیں) اور اس طرح ہر قوم اپنے سوا دوسرے مذاہب کو تردید وتکذیب سے دفن کر چکی تھی۔ مصدق عام اور قیوم عمومی بن کر تو اسلام ہی آیا جس نے ہر مذہب کی اصلیت نمایاں کر کے اس کی تصدیق کی اور اسے باقی رکھا جس سے مذاہب سابقہ اپنا دورہ پورا کر دینے کے بعد بھی دلوں اور ایمانوں میں محفوظ رہے اور کون نہیں جانتا کہ کسی چیز کا سنبھالنے اور تھامنے والا ہی اس چیز پر غالب ہوتا ہے، جسے وہ تھام رہا ہے۔ ورنہ بلا غلبہ کے تھامنا کیسے؟ اور تھمی شے تھامنے والے کے سامنے مغلوب اور ضعیف ہوتی

ہے۔ ورنہ اسے تھامنے والے کے سہارے کی ضرورت کیوں پڑتی؟ پس جب کہ ادیان سابقہ کی اصلیت اسلام کے سہارے تھمی ہوئی ہے تو ادیان سابقہ اس کے محتاج ثابت ہوئے اور وہ ان کے لحاظ سے غنی رہا۔ اور ظاہر ہے کہ محتاج غنی پر غالب نہیں ہوتا۔ بلکہ غنی محتاج پر غالب ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام کا غلبہ اس قومیت کے سلسلے سے تمام ادیان پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله.

ترجمہ:۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس اسلامی دین کو تمام دینوں پر غالب فرمائے۔

پس اسلام کا غلبہ جہاں حجت و برہان سے اس نے دکھلایا۔ جہاں تیغ و سنان سے اس نے دکھلایا جو باہر کی چیزیں ہیں وہیں خود دین کی ذات سے ہی دکھلایا اور وہ اس کی عمومیت، قومیت اور مصدقیت عام ہے جس سے اس نے روح بن کر ادیان کو سنبھال رکھا ہے جس سے اس دین کا بین الاقوامی دین ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام مسلم وغیر مسلم سب کے لئے نعمت ہے

بہرحال اسلام والے تو اس لیے اسلام کی قدر کرتے ہیں کہ وہ کامل، جامع مصدق عالمگیر دین اور روح ادیان عالم ہے جو انہیں پشتینی طور پر ہاتھ لگ گیا ہے۔

اور غیر مسلم اس لیے اس کی طرف بڑھیں اور اس کی قدر پہچانیں کہ آج کی ہمہ گیر دنیا میں اول تو جزوی اور مقامی ادیان چل نہیں سکتے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ہر ایک مذہب کو یا منظر عام سے ہٹ کر چھپنے کے لیے پہاڑوں اور غاروں کی پناہ لینی پڑتی ہے اور یا باہر آ کر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے اندر ترمیمیں کرنی پڑ رہی ہیں اور وہ بھی اسلام ہی سے لے کر تا کہ دنیا میں اس کے کا بک باقی رہیں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان ادیان کے محدود اور مقامی اور محض قومی ہونے کو نہیں چھپا سکتی۔ ان کے پیوندوں سے خود ہی پتہ چل جاتا ہے کہ لباس کو نمائش کی حد تک صحیح دکھلانے اور جاذب نظر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے ان قومیتوں کی حد بندیوں کے مذاہب سے دلوں کی توجہ ہٹتی جا رہی ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ اندریں صورت تقاضائے دانش و بینش اور مقتضائے فطرت صرف یہ ہے کہ اجزاء سے

ہٹ کر کل اور مجموعہ کو اپنایا جائے جس کے ضمن میں یہ جزوی دین اپنی اصلیت کی حد تک خود بخود آ جائیں اور ظاہر ہے کہ جب اصلیت کی حد تک اسلام نے تمام شرائع اور ادیان کو اپنے ضمن میں لے رکھا ہے تو اسلام قبول کرنے والے ان ادیان سے بھی محروم نہیں رہ سکتے۔

تمام ادیان کا بقاء اسلام سے ہے

بلکہ اگر وہ اپنے ادیان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اب بھی انہیں اسلام ہی کا دامن سنبھالنا چاہیے۔ کیونکہ اسلام ہی نے ان ادیان کو تا بحد اصلیت اپنے ضمن میں سنبھال رکھا ہے۔ اگر وہ اپنے ادیان کی موجودہ صورتوں پر جمے رہتے ہیں تو اول تو وہ بے سند ہیں، ان کی کوئی حجت سامنے نہیں، اسلام ان کی سند تھا۔ تو اسے انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اسلام سے ہٹ کر دوسرے مذاہب میں دین کی سند و استناد کا کوئی سسٹم ہی نہیں جس سے ان کی اصلیت کا پتہ نشان لگ سکے اور ظاہر ہے کہ بے سند بات بحث نہیں ہو سکتی اور اگر کسی حد تک کوئی اپنی سلائی فطرت سے اصلیت کا کوئی سراغ نکال بھی لے تو زیادہ سے زیادہ وہ ایک جزئی، قومی اور مقامی دین کا پیرو رہا جو آج کے بین الاقوامی، بین الاوطانی اور عمومیت وکلیت کے دور میں چل نہیں سکتا۔ اسی لیے ارباب ادیان ایسے دینوں میں ترمیمات کے مسودے لا رہے ہیں اور آئے دن اس قسم کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے رہتے ہیں۔ البتہ اگر وہ اسلام سنبھال لیں تو اس پر چلنا درحقیقت تمام ادیان پر چلنا ہے اور ہر دین کی جتنی واقعی اصلیت ہے اسے تھامے رہنا ہے اس لیے نفس دین کا تھامنا ضروری ہو تب اور اپنے اپنے ادیان کا تھامنا ضروری ہو، تب بہر دو صورت اسلام ہی کا تھامنا عقلاً اور نقلاً ضروری نکلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر چیز خاتم ہے

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے آپ کی لائی ہر چیز شریعت۔ کتاب۔ قوم۔ امت۔ اصول قواعد اور احکام وغیرہ ساری چیزیں خاتم ٹھہرتی ہیں۔ اسی لیے جس طرح آپ کو خاتم النبیین فرمایا گیا اسی طرح آپ کے دین کو خاتم الادیان بتایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم۔

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اکمال اور تکمیل دین کے بعد نئے دین کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا اس لیے یہ کامل دین ہی خاتم الادیان ہوگا کہ کوئی تکمیل طلب! ایسے ہی آپ کی امت کو خاتم الامم کہا گیا جس کے بعد کوئی امت نہیں۔ حدیث ابن داؤد میں ہے۔

نحن اٰخرها و خيرها. (درمنثور)

ترجمہ:۔ ہم (امتوں میں) سب سے آخر ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

حدیث ابی امامہ میں ہے:۔

یاایها الناس لا نبی بعدی و لا امة بعد کم. (مسند احمد)

ترجمہ:۔ اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

(یعنی میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ یہی وہ خاتمیت ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے بارے فرمایا جو حدیث عبد اللہ بن ابراہیم میں ہے کہ

فانی آخر الانبیاء مسجدی آخر المساجد۔ (مسلم)

ترجمہ:۔ میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (وہی آپ کی خاتمیت مسجد میں آئی)

حدیث عائشہؓ میں یہ دعویٰ خاتمیت کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء. (کنز عمال)

ترجمہ:۔ میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد مساجد الانبیاء میں خاتم المساجد ہے۔

اور جب کہ آپ کی آوردہ کتاب (قرآن) ناسخ الادیان اور ناسخ الکتب ہے تو یہی معنی اس کے خاتم الکتب ہونے کے ہیں۔ کیونکہ ناسخ ہمیشہ آخر میں اور ختم پر آتا ہے اور اسی لیے آپ کو دعوت عامہ دی گئی کہ دنیا کی ساری اقوام کو آپ اللہ کی طرف بلائیں۔ کیونکہ اس دین کے بعد کوئی اور دین کسی خاص قوم یا دنیا کی کسی بھی قوم کے پاس آنے والا نہیں۔ جس کی دعوت آنے والی ہوتی اسی ایک دین کی دعوت عام ہو گئی کہ وہ خاتم ادیان اور آخر ادیان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری خاتمیتیں درحقیقت آپ کی ختم نبوت کے آثار ہیں۔

خاتمیت سے جامعیت نکلی تو یہ تمام چیزیں جامع بن گئیں اور جامعیت سے آپ کی مصدقیت کی شان پیدا ہوئی جو ان سب چیزوں میں آتی چلی گئی۔ قرآن کو مصدق لما معکم کہا گیا امت کو بھی مصدق انبیاء بنایا گیا کہ سب اگلے پچھلے پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ دین بھی مصدق ادیان ہوا۔

سیرۃ نبوی کے جامع نقاط

یہی وہ سیرت نبوی ہے کہ جامع اور امتیازی نقاط ہیں۔ جن سے یہ سیرت مبارک تمام سیر انبیاء پر حاوی و غالب اور خاتم السیر ثابت ہوئی۔ اسی لیے آپ کی سیرت کا بیان محض کمال کا بیان نہیں بلکہ امتیازی کمالات اور ان کے بھی امتیازی نقاط کا بیان ہے جو اسی وقت ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو مانا جائے کہ یہ امتیازات اور امتیازی کمالات مطلق نبوت کے آثار نہیں بلکہ ختم نبوت کے آثار ہیں۔ کیونکہ ختم نبوت خود ہی نفس نبوت سے ممتاز اور افضل ہے کہ سرچشمہ نبوات ہیں۔ اس لیے اس کے امتیاز آثار بھی مطلق آثار نبوت سے فائق اور افضل ہونے ناگزیر تھے۔ پس سیرت خاتمیت کے چند نمونے ہیں جو اس مختصری فہرست میں پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں اولاً چند دفعات میں خاتم النبیینؐ کے دین کا تفوق و امتیاز دوسرے ادیان پر دکھلایا گیا ہے۔

پھر چند نمبروں میں طبقہ انبیاء کے کمالات و کرامات اور معجزات پر خاتم النبیینؐ کے کمالات و کرامات اور معجزات کی فوقیت دکھلائی گئی ہے۔

پھر چند نمبروں میں خصوصی طور پر نام بنام حضرات انبیاء علیہم السلام کے خصوصی احوال و آثار اور مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و آثار اور مقامات کی عظمت واضح کی گئی ہے۔

پھر چند شماروں میں اور انبیاء کی امتوں پر امت خاتم کی عظمت و برگزیدگی واضح کی گئی ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر جہتی عظمت و فوقیت کاملیت و جامعیت، اولیت و آخریت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے جو آپ کی خاتمیت کے آثار و لوازم ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو آپ کی خاتمیت کے اثبات میں کس درجہ اہتمام ہے کہ ختم نبوت کا دعوے قرآن کریم میں کر کے سینکڑوں سے متجاوز احادیث میں ختم نبوت کے دلائل و آثار اور شواہد و نظائر شمار کرائے گئے ہیں جن میں سے چند کا انتخاب ان مختصر اوراق میں پیش کیا گیا۔ بس ختم نبوت سے متعلق پہلی قسم کی آیات و روایات پر مشتمل کتابیں دعوے ختم نبوت کی کتابیں لکھی جائیں گی اور یہ رسالہ جس میں آثار و لوازم ختم نبوت کے نمونے اور خصوصیات ختم نبوت کے شواہد و نظائر پیش کئے گئے ہیں۔ دلائل ختم نبوت کی کتاب کہی جائے گی۔ جس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام میں سب سے زیادہ اہم و سب سے زیادہ بنیادی اور اساسی مسئلہ ہے۔ جس پر اسلامی شریعت کی خصوصیت کی بنیاد قائم ہے اگر اس مسئلہ کو تسلیم نہ کیا جائے یا اس میں کوئی رخنہ ڈال دیا جائے تو اسلامی خصوصیات کی ساری عمارت آ پڑے گی اور مسلم کے ہاتھ میں کوئی خصوصی ذخیرہ باقی نہ رہے گا۔ جس سے وہ اسلام کو دنیا کی ساری اقوام کے سامنے پیش کرنے کا حق دار رہتا تھا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بغیر قابل تسلیم ہی نہیں بن سکتیں کہ ختم نبوت کو تسلیم کیا جائے کہ اس پر خصوصیات نبوی کی عمارت بھی کھڑی ہوئی ہے۔ پس اس مسئلہ کا منکر درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا منکر اور اس مسئلہ کو مٹا دینے کا ساعی حضور اکرمؐ کی امتیازی فضائل کو مٹا دینے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔

ختم نبوت کا منکر پورے اسلام کا منکر ہے

اس لیے جو طبقات بھی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ خواہ صراحتاً اس کے منکر ہوں یا تاویل کے راستے سے، دین کے اس بدیہی اور ضروری مسئلہ کے انکار پر آ گئے۔ ان کا اسلام کا شریعت اسلام اور پیغمبر اسلام سے کوئی تعلق نہیں مانا جا سکتا اور نہ وہ اسلامی برادری میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں۔ جس طرح سے توحید کا منکر قولی ہو یا صریح۔ اسلام سے خارج اور اس سے بے واسطہ ہے اسی طرح۔ سے ختم رسالت کا منکر خواہ انکار سے ہو یا تاویل سے اسلام سے

خارج مانا جاوے گا۔ کیونکہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ کا منکر نہیں بلکہ اسلام کے سارے امتیازات، سارے ممتاز فضائل، ساری ہی خصوصیات اور صدہا دینی روایات کا منکر ہے جن کا قدر مشترک تواتر کی حد سے نیچے نہیں رہتا۔

یہ مقالہ

بہر حال ختم نبوت کے درخشاں آثار اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شمائل وفضائل یا بالفاظ دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے ہزاروں وجوہ ودلائل میں سے یہ چند نمونے ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیینؐ ہونے کی تفسیر اور تشریح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ مختصر مقالہ سیرت خاتم النبیین نہیں بلکہ سیرت خاتمیت کی چند موٹی موٹی سرخیوں کی ایک مختصر سے فہرست ہے جس کے نیچے اس بلند پایہ سیرت کی امتیازی حقائق و تفصیلات پیش کی جا سکتی ہیں۔ اگر ان روایات کی روشنی میں سیرت خاتمیت کی ان تفصیلات اور ان کے ما لہ و ما علیہ کو کھولا جائے۔ تو بلا شبہ محدثانہ اور متکلمانہ رنگ کی ایک نادر سیرت مرتب ہو سکتی ہے۔ جو تاریخی رنگ کی تو نہ ہوگی اور تاریخ محض سیرت ہے بھی نہیں۔ بلکہ پیغمبرانہ مقامات اور خاتمانہ امتیازات کی حامل محدثانہ رنگ کی سیرت ہوگی جو اپنے رنگ کی ممتاز سیرت کہلائی جائے گی۔ میں نے اس مختصر مضمون میں اس وقت صرف عنوانات سیرت کی نشاندہی کا فرض انجام دیا ہے۔ شاید کسی وقت ان تفصیلات کے پیش کرنے کی توفیق میسر ہو جائے جو ابھی تک ذہن کی امانت بنی ہوئی ہیں۔ جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے متفاوت درجات ومراتب اور خاتمیت کے انتہائی درجات ومراتب کا فرق اور تفاضل باہمی بھی کھل کر سامنے آ سکتا ہے۔ جس کی طرف تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض. میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

حیات النبی
صلی اللہ علیہ وسلم

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا آپ کی قبر مبارک پر درود سلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیہ ہے یا نہیں اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: مبسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپکے مزار کے پاس کھڑے ہوکر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا تعلق بجسدہ و بروحہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (الحدیث)

"مشکوٰۃ فی الجمعۃ رواہ ابن ماجۃ ای باسناد جید عن المنذری وله طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ مرقات جلیلہ" (ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

یہ حدیث مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے اسکو ابن ماجہ نے عمدہ سند کے ساتھ منذری سے روایت کیا ہے اور یہ بہت سے طرق سے مروی ہے۔

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری ومن صلی علی من بعید اعلمته (رواہ ابو الشیخ و سندہ جید) القول البدیع ص ۱۱۶)

* مشکوۃ رواہ البیھقی فی شعب الایمان وفی حاشیۃ اللمعات الجدیدہ (ج ۳ ص ۱۹۸)

اخرجه ابوبکر ابن ابی شیبه والعقیلی والطبرانی وفی المرقات رواہ ابو الشیخ وابن حیان بسند جید. (ج ۳ ص ۳۴۳)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے میری قبر کے پاس، میں اس کو سنتا ہوں اور جو درود پڑھے مجھ پر دور سے اسکی اطلاع کی جاتی ہے (اسکو ابو الشیخ نے روایت کیا اسکی سند عمدہ ہے) مشکوۃ میں ہے بیہقی نے اسکو روایت کیا ہے شعب الایمان میں اور لمعات میں ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عقیلی اور طبرانی نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے اور مرقات میں ہے کہ اسکو ابو الشیخ اور ابن حیان نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء (صلوۃ الله علیهم) احیاء فی قبورهم یصلون

(رواہ ابن عدی رحمه الله والبیهقی رحمه الله) وغیرهما (شفاء السقام ص ۱۳۴) اخرجه ابو یعلی فی مسنده والبیهقی انباء الاذکیا للسیوطی.

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں (اسکو عدی اور بیہقی نے اور انکے علاوہ نے روایت کیا کتاب شفاء السقام میں ص ۱۳۴ پر یہ حدیث ذکر کی ہے ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی سے انباء الاذکیا جو سیوطی کی ہے۔

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس بات میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدبخت ہے خارج از اہل سنت والجماعت ہے غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور آپ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن نقی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ مدرسہ جامعہ اشرفیہ، الجواب صواب، محمد رسول خان عفا اللہ عنہ.

ترجمہ:۔ مذکورہ جواب درست ہے جسکی تصحیح مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اور استاد الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب نے کی ہے۔

الجواب: مبسملا و محمد لا و مصلیا و مسلما

حیات شہداء کے معنی

(۱) آیت شریف "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات. بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ۲ ع۳) (ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انکی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔ (بیان القرآن ج اص ۸۷) سے معلوم ہوا کہ شہدا کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں حرام ہے ورنہ یقتل سے موت بیان ہو چکی ہے "اموات" مقولہ ہے. جس کیلئے جملہ ہونا ضروری "ھم اموات" جملہ اسمیہ استمرار پر دال ہے۔ تو حرمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے۔

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ماتوا کہنا تو جائز ہے میت وموتی کہنا جائز نہیں ہے ایسے ہی" احیاء "یعنی " ھم احیاء " کے معنی یہ کہ وہ مستمر الحیات ہیں۔

یہ شبہ کہ ہم انکو زندہ نہیں دیکھتے اسکا استدراک " ولکن لا تشعرون" سے کر دیا گیا ہے کہ حیات کیلئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہے ہیں تو ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے شعور احساس کو یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں ان کی آواز سن کر نبض چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر تم محسوس نہیں کر سکتے صرف وحی سے معلوم ہو گا اور ہو گیا۔ یہاں محض موت کی نفی نہیں موت مستمر کی نفی اور

حرمت ہے جیسے کہ یقتل سے خود موت بالیقین ثابت شدہ ہے (روح المعانی ص ۲۰ ج ۲) پر ہے۔

ولیس فی الایة نهی عن نسبة الموت الیهم بالکلیة بحیث انهم ماذاقوه اصلا ولا طرفة عین والالقال تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله ماتوا فحیث عدل عنه الی ما تری علم انهم امتازوا بعد ان قتلوا بحیاة لائقة بهم مانعة ان یقال فی شانهم اموات.

ترجمہ: آیت میں اس بات کی بالکلیہ نفی نہیں ہے کہ انہوں نے موت کا مزہ لمحہ بھر کیلئے بھی نہیں چکھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله ماتوا۔ پس جب اس سے عدول ان الفاظ کی طرف کیا گیا جو تم دیکھتے ہو سو معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کئے جانے کے بعد ممتاز ہو گئے ایک ایسی حیات سے جو انکی شان کے لائق ہے لہذا ان کے حق میں مردہ کہنا مناسب نہیں۔

لہذا انکی حیثیت ہے کہ مر گئے کہنا تو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی انکی موت مستمرہ ہے یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمرہ ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے "یقتل" میں بھی فرمایا ہے "بل احیاء" کا عطف جیسے کہ قرب کا تقاضا ہے "اموات" پر ہے جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے جیسے وہ جملہ استمراریہ تھا یہ بھی جملہ استمراریہ ہے اور "بل" نے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تو یہ معنی ہو گئے بلکہ یوں کہو کہ حیات مستمرہ سے زندہ ہیں نہی کے صیغہ "ولا تقولوا" سے اضراب امر بن جائے گا تو جیسے ان کو مستمر بالموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا یہ تو شہیدوں کیلئے ہوا اب حضرت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب و ضروری ہوا یا نہیں اس پر غور کرتے ہیں۔

انبیاء کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے

(الف) انبیاء کا سب کا درجہ شہداء سے بالاتر و بالا ہے جو حکم شہیدوں کیلئے باعث اعزاز و امتیاز ہے ان کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت "اولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین" کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی

نہیں ہو سکتا بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم ہے لہذا انکو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔

سب انبیاء شہید ہیں

(ب) انبیاء علیہم السلام سب کے سب شہید ہیں جو "فی سبیل اللہ" (اللہ کے راستے میں) تمام عمر مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہ بھی ہوں تو بھی شہید حکمی "فی سبیل اللہ" کی وجہ سے ضرور ہیں۔

علامہ سیوطی کا قول ہے وما نبی الا وقد جمع معی النبوۃ وصف الشہادۃ
(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸)

ترجمہ:۔ کوئی نبی ایسا نہیں کہ اسکے ساتھ وصف شہادت کا جمع نہ کیا گیا ہو۔) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی شہادت حاصل ہے علامہ کے رسالہ انباء الاذکیاء میں ہے امام احمد وابو یعلی وطبرانی اور مستدرک میں حاکم اور دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے فرمایا۔ لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا واتخذہ شہیدا۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میرے لئے ۹ مرتبہ یہ قسم کھانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا ہے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا اور یہ اسلئے ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔

زہر اور رگ کٹنے سے واقع ہونے والی موت شہادت ہے

(ج) (حوالہ مذکور) امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضہ الذی توفی فیہ لم ازل اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فہذا اوان انقطع ابھری من ذلک السم۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے جو (زہر آلود) کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا اسکی تکلیف مسلسل محسوس کر رہا ہوں

بس میری رگ اس زہر کی وجہ سے پھٹی ہے۔

اور سب جانتے ہیں کہ زہر سے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جو موت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاویدہ ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے تو تمام انبیاء حضرات خصوصاً "حضور صلی اللہ علیہ وسلم" کو زندہ مستقل کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام ہے۔

"ولکن لا تشعرون" کے معنی کی تحقیق

(د) "لا تشعرون" شعور سے بنا ہوا ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تم جن وانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے اب اور کوئی کر سکتا یا نہیں؟ کشف ورفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف وحی والہام سے ہی معلوم ہوگا۔ یہ مسئلے ہی یہاں سے غور طلب ہیں۔

پھر نفی صرف اس بات کی مفید ہو سکتی ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہو مگر وہ واقع نہ ہوئی ہو جو چیز عقلاً وعادۃً ناممکن ہو اس کی نفی لغو ثابت ہوتی ہے جو کلام الٰہی میں نہیں ہوگی کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھت تک نہیں لگاتا۔ یا سارا کا سارا سمندر نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا معلوم ہے نہ کر سکتے تھے نہ کیا ہے۔ اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنیٰ کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں۔ اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہوگئی کہ وہ ایسی نوع جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو یعنی جسم و روح کے مجموعہ کی حیات نہ کہ صرف روح کی آگے ان شاء اللہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں گے۔

اور پھر نفی بھی مخاطبین سے کی جا رہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گو فی الواقع ممکن ہو مگر اور مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے جانور وغیرہ۔ اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقینی طریقہ وحی الٰہی ہے در ظنی طریقہ شغف ہے۔ ان کی نفی نہیں اور تخمینی وتوہمی تو کالعدم ہے۔ لہٰذا وحی متلو آیت سے اور وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہوا بلکہ وقوع میں ہو رہا ہے اور غیر مخاطبین (جن وانس) کے سوا دہ کو حواس سے بھی ہوگا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ احادیث میں ہے حواس سے ادراک ...

ہے اور مرنے کے بعد تعلق قوی والے ہیں۔ نیز ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے ایسے ہی مجاہدات و ریاضات والے تعلق سے بالا ہوتے ہیں، انکو کافی ادراک ممکن ہے۔ جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ کشف سے بھی آنکھ سے بھی۔

انبیاء کیلئے موت مستمر کا قول حرام اور حیات مستمر کا قول واجب ہے

آیت کریمہ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوبھم من خلفھم الاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ☆ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین (پ ۴ ع ۸ آیت ۱۶۹)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انکو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انکو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو انکو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچان سے پیچھے رہ گئے ہیں انکی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں اور ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے اور بوجہ اسکے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بیان القرآن آل عمران آیت ۱۶۹)

حکم ہوا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ بھی مت گمان کرو کیونکہ اموات فعل "تحسبن" کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ نہ ا تو کہنا ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے۔

اور احیاء بھی ھم احیاء جملہ اسمیہ خبریہ استمراریہ ہے جو حیات مستمرہ ومستقلہ کو ثابت کرتا ہے دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو گیا تو اسکی نقیض عدم قول وعدم گمان موت مستمرہ واجب قرار پائی۔ اور جیسے اوپر کی آیت میں

الف، ب، ج، د، جاری ہیں یہاں بھی جاری ہونگے اور حضرات انبیاء خصوصا حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول وگمان واجب قرار پاتا ہے۔

" لا تحسبن " صیغہ نہی ہے اور نون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہونیکا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی۔ جس کو اصطلاح یہ کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظہ حکایت ونقل ہے قضیہ معقولہ کی جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی حرام ہے دونوں خلاف واقع ہیں کذاب ہیں حرام ہیں۔

حیات انبیاء کی حقیقت اور اس کے دلائل

" احیاء " کے بعد یہاں چند صفتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے۔ لہذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے وہ کونسی حیات ہے۔

لفظ حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت ونام مراد ہو۔

اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے۔ اس لئے یہاں زندگی ہی کے معنی مراد ہوں گے پھر اس زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا، پھر قبر میں ہونے والی زندگی کی بھی دو ہی صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم وروح دونوں کی زندگی۔ عقلا صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔ کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے۔ اب اس حیات سے آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ " اموات " کہنے کی ممانعت کے بعد " احیاء " فرمایا ہے یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے جو دنیا ہی میں ہونگی ضروری ہے۔

دوسری دلیل

پھر بقول امام رازیؒ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی

میں فرمایا جارہا ہے کہ احیاء ہیں تو اسی وقت کی حیات مراد ہوگی۔

تیسری دلیل

تیسرے یہ کہ یہاں انکی عزت اور امتیاز کا بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی خلود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اسی میں ہے کہ ابھی ابھی دنیا میں و قبر میں حیات ہے۔

چوتھی دلیل

چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کیلئے اسی وقت کی حیات ہوگی تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہوگی۔ کفار کیلئے ہے "اغرقوا فادخلوا نارا" فا کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہو گئے اور عذاب کیلئے حیات ضروری ہے قیامت سے پہلے غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوں تو یہ عذاب قبر اور حیات قبری ہے۔

پانچویں دلیل

پانچویں آیت "النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا" صبح و شام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہے۔ آگے کی آیت "یوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے جو قبر ہی میں ہے حیات کے ساتھ ہے ورنہ جمادات کو کیا عذاب۔

چھٹی دلیل

چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو " لاتحسبن " نہ فرماتے جبکہ تمام مومنین کی حیات قیامت میں کی معلوم ہے۔

ساتویں دلیل

ساتویں "یستبشرون" آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے یہ دنیا میں ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت

ہے اور صدقہ بلی سے مکمل حاصل ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴)

روح مع الجسم کی حیات کے دلائل

بلکہ امام صاحب نے فرمایا ہے سو الروایات فی هذا الباب کانھا بلغت حد التواتر فکیف یمکن انکارھا.

ترجمہ۔ اس باب (حیات النبی کے مسئلہ) میں روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ان سے انکار کیوں کر ممکن ہے۔

صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعزاز و امتیاز کا موقع ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا۔

دوسری دلیل

دوسرے ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لا تحسبن" نہ فرمایا جاتا موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ خلود مومن و کافر سے یقینی حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسری دلیل

تیسرے پچھلی آیت میں "احیاء" کے بعد "لا تشعرون" ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا کہ روحیں سب کی زندہ خلود جنت و دوزخ سے ہوگی۔ پھر عدم شعور کیسا وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھی دلیل

چوتھے اس آیت کا لفظ "یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم" دلیل ہے اسکی کیونکہ حصول بشارت جو خاصہ مجموعہ کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کہا جا سکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے بشرہ کھال کو کہتے ہیں۔ استبشار اسی کا کھلنا ہے یعنی خوشی ہے۔

پانچویں دلیل

پانچویں "یرزقون" فرمایا ہے۔ رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو ہی ہوتی ہے۔

چھٹی دلیل

پیچھے جس قدر آیات واحادیث عذاب قبر کے بارے میں اور قبر میں جسم کی طرف اعادہ روح جمہور کے نزدیک اور بغیر روح کے عذاب وثواب کا ادراک نہیں ہوسکتا ہے نہ ثواب نہ عذاب۔ یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجموعہ روح وجسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تو تواتر سے ثابت ہے امام رازی کہتے ہیں۔ الاخبار فی ثواب القبر و عذابه کالمتواترة (ج ۲ ص ۳۰ تفسیر کبیر)

ترجمہ: ثواب اور عذاب قبر کے بارے میں روایات مثل متواتر کے ہیں۔

آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح وجسم کے مجموعہ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

حیات برزخی کا ثبوت

(۳) عینی شرح بخاری جدید (ج ۸ ص ۱۴۵) پر ہے کہ آیت شریف "ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین"

ترجمہ: اے ہمارے رب آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبارہ زندگی عطا کی۔

میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر کیا ہے اور دو اسطرح متحقق ہوسکتی ہیں کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہوتا کہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دنیوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی۔"

جب تک حقیقی معنی موت وحیوت کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی قرینہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقینا درست نہیں حقیقی دو موتیں اسی طرح ہوسکتی ہیں ایک دنیوی حیوت کے بعد ایک قبر کی قبری حیات کے بعد لہذا اس سے حیوت قبری ثابت ہے۔

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے۔

وما المراد بالاماتتین والاحیائین فی هذه الآیة الا الاماته قبل مزار

القبور ثم الاحیاء فی القبر ثم الاماتة فیه ایضا بعد مسئلة منکر و نکیر ثم الاحیاء للحشر هذا هو الشائع المستفیض من اصحاب التفسیر ۔

ترجمہ:۔اس آیت میں دو موتوں اور دو حیاتوں سے کیا مراد ہے سوائے اس کے کہ ایک موت قبر میں جانے سے پہلے ہو پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہو پھر اس میں موت واقع ہو منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد پھر حیات ہو حشر کیلئے ،اصحاب تفسیر سے یہی معنی مشہور و شائع ہیں۔

اس عبارت کی مزید توضیح وتشریح کیلئے کتاب کے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں

(خلیل احمد تھانوی)

ثبوت عذاب قبر دلیل حیات ہے

(۳) یعنی میں اس سے اوپر بیان ہے آیت "وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیها غدوا وعشیا"

ترجمہ:۔سورۃ مومن آیت ۴۶ ترجمہ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (بیان القرآن ،ج ۱۰ ص ۳۹)

میں ،بتایا ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا عذاب قبر ہوگا ۔آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے "ویوم تقوم الساعة ادخلو آل فرعون اشد العذاب"۔

ترجمہ:۔اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کردو۔

اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا سوال جواب بھی ثابت ہے۔

کیونکہ کل من قال بعذاب القبر قال بهیهما جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے یعنی کل من لم یقل بهما لم یقل بعذاب القبر تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا اور عذاب قبر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی۔

علامہ نووی آگے عذاب قبر کی احادیث کیلئے کہتے ہیں ولنا ایضا احادیث صحیحة و اخبار متواترة

ترجمہ۔ اسی لئے اس باب میں بھی احادیث صحیحہ اور اخبار متواترہ ہیں۔

پھر احادیث در احادیث (پھر بہت سی حدیثیں درج کی گئی ہیں۔) درج ہیں۔ صحیحہ و متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اس کا اثر ہوہی نہیں سکتا۔ علماء کے صحیح کہنے کے بعد ہو تو علی اختلاف ہی نہیں ہوگا لہذا کسی کی بھی حیات کا انکار متواتر سے ثابت شدہ عذاب کا انکار ہوگا۔ جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کوہی ہوسکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے ورنہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنی؟ عذاب تو کسی کا اہم مصدر خاصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شیرینی حیات (زندگی کی مٹھاس کو) کو سلب کرنا عذوبۃ حیات کوہی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب عذاب ہے یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے (شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸) پر ہے۔

واما ما ذهب اليه الصالحى من المعتزلة والطبرى وطائفة من الكرامية من تجويز ذلك التعذيب على الموتى من غير احياء فخروج من المعقول لان الجماد لاحس له فكيف يتصور تعذيبه.

ترجمہ۔ اور یہ بات کہ جس کی طرف معتزلہ میں سے صالحی طبری اور کرامیہ کی ایک جماعت گئی ہے کہ اموات کو بغیر زندہ کے عذاب دیا جائیگا یہ عقل سے خارج ہے اس لئے جماد میں حس نہیں ہوتی پس اس میں عذاب کا تصور کیسے ہوگا۔

ہر انسان کا قبر میں زندہ ہونا

(۵) سورۃ براءۃ میں کفار منافقین کے ذکر میں ہے "سنعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم"۔

ترجمہ۔ التوبۃ آیت ۱۰۱ ترجمہ ہم ان کو دوہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا کا ایک عذاب قبر کا ہے۔

"عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۹۹ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فهذا

العذاب الاول حین اخرجهم من الجسد والعذاب الثانی عذاب القبر" ۔

ترجمہ۔ پس یہ پہلا عذاب ہے جب کہ انکو جسم سے نکالا جایگا اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔

اور" فتح الباری، ج ۳ ص ۱۸۰" پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصری کا قول ہے

مرتین عذاب دنیا وعذاب قبر ہے اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا

اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا باعث

تکلیف نہیں ہے۔ ایسے ہی بے حیات کی کاٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب

قبر کی کل آیات واحادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہوتی

ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت ہے تو تواتر سے

ہی حیات قبر بھی ثابت ہے اس لئے شیخ ابن حجر فرماتے ہیں "واستدل بها علی ان الارواح

باقیة بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة۔ (فتح الباری، ج ۳ ص ۱۸۰)

ترجمہ۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ روح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے

اور یہی قول اہل سنت کا ہے۔

بلا حیات عذاب قبر ہونے کی نفی

(۲) سورۃ انعام میں ہے "ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملائكة

باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسكم الیوم تجزون عذاب الهون"۔

ترجمہ۔ الانعام آیت ۹۳ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی

سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہونگے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو

ذلت کی سزا دی جائیگی (بیان القرآن)

الیوم کا عذاب قبل قیامت کا عذاب عذاب قبر ہے جو بلا حیات نہیں ہوتا بعض معتزلہ نے

بلا حیات عذاب قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ تفتازانی رح ۸ ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں۔

وهذا خروج عن المعقول لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه ۔ یہ

اور شرح مواقف سے بھی نقل ہے۔

ترجمہ۔ اور یہ بات عقل سے خارج ہے اس لئے کہ جماد میں حس نہیں ہوتی جس کی

کے لئے عذاب کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تشریح آیت واثبات حیات فی القبر

(۷) یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے (سورۃ ابراہیم آیت ۲۷)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

عن البراء بن عازبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا اقعد المؤمن فی قبرہ اتی ثم شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فذالک قولہ "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ" اور اس کے بعد ہے حدثنا شعبۃ بھذا وزاد "یثبت اللہ الذین آمنوا" نزلت فی عذاب القبر۔

ترجمہ:۔ براء بن عازب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب بٹھایا جاتا ہے مومن اپنی قبر میں آتے ہیں اس کے پاس فرشتے پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پس یہ معنی ہیں اس آیت کے کہ "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔" اور اس کے بعد اسی روایت کو شعبہ سے بھی نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں کہ "یثبت اللہ الذین آمنوا" کی آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری ج ص ۸۳)

علامہ عینی نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس سے اوپر ذکر ہے کہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر عذاب القبر فقال ان المسلم اذا شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ الی آخر الحدیث۔ (ج ۸ ص ۲۰۰)

ترجمہ:۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا عذاب قبر کو پس فرمایا کہ بیشک مسلمان

جب گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ محمد اللہ کے رسول ہیں آخر حدیث تک۔
ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاملہ ہے اور مسلمانوں کو ثابت و قائم رکھنا قبر میں کا ہے جو دلیل ہے حیات فی القبر کی۔ یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جا سکے اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب قبر کے متعلق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قبر میں روح کے جسم سے تعلق اور عذاب قبر کی نوعیت

(۸) "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی۔" ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو انکی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آتی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا اور باقی جانوں کو ایک معیاد معین تک کیلئے رہا کر دیتا ہے۔ (الزمر آیت ۴۲ بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۵)
"یتوفی" قبض کرتا ہے اس کے بذریعہ عطف دو مفعول ہیں ایک نفس (روح) حین موتھا دوسرے نفس (روح) نوم کے اندر یہ فعل دونوں پر وارد ہے ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہذا احوبات یہاں ہے وہ وہاں ہے جو وہاں ہے جو یہاں ہے۔ اور سب دیکھتے ہیں کہ سونے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سونے میں بھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سونے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سونے میں نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور پھر آیت "وھو الذی یتوفاکم باللیل"
ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے۔ الانعام آیت ۶۰ سے بھی قبض روح معلوم ہوتا ہے علامہ علی قاری نے کمالین علی الجلالین میں لکھا ہے۔

عن علی قال یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسد فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الی جسدہ باسرع من لحظۃ ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے فرماتے ہیں نکلتی ہے روح نیند کے وقت اور اس کی شعاعیں باقی رہتی ہیں جسم میں پس جب آدمی بیدار ہوتا ہے نیند سے تو لوٹ آتی ہے اس کی روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں۔ اور حاکم و طبرانی سے حضرت علی کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کیلئے ہے کہ روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاتی ہے اس کا خواب سچا ہوتا ہے اور جو عرش سے نیچے رہ اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے اور نفس سے روح ہی مراد ہے۔ تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۹ میں احادیث سے اسکو ثابت کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں سونے کے وقت کی دعا میں ہے ان امسکت نفسی فارحمھا۔
ترجمہ: اگر آپ روک لیں میری روح کو اس پر رحم فرمائیں۔ اور بخاری و صحاح کی حدیث میں فجر کی قضا ہونے کی حدیث میں ہے ان اللہ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء ترجمہ: اللہ نے تمہاری روحوں کو جب چاہتے روک لیتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا نفس روح ایک ہی ہے جو منقبض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہذا ضروری ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو۔ ہر انسان مسلم و کافر تک کو حاصل ہو۔

مگر اعمال صالحہ سے اس کی قوت وضعف کا فرق رہے سب سے اقوی انبیاء علیہم السلام کی۔ پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین، پھر عامۃ المسلمین اور پھر کفار کی ہو، جو سبب ہوگا تنعیم یا تکلیفات کا جن کی تفصیلات احادیث شریف میں اور اشارات آیات میں ہیں۔ اور جیسے نیند نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی ہوشیاروں سے بیدار آنکھیں بند اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے کوئی کم کوئی غافل مثل مردہ کے اسی طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہو گئے۔ ایک مثل حیات کا ہے کہ کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ، سردی، گرمی اور احتیاجات سے پاک ہو۔ یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جس کے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام، عورت بیوہ نہیں، مال ترکہ نہیں یہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں ہے۔

دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل و کفن نہیں باقی سب ہیں یہ شہید ہیں جو قتل ہو۔

پھر اس سے کم جو شہید حکمی ہیں پھر صالح مومن کیلئے پھر سب سے کم کافر کیلئے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض و ضرب سے کم اور ضعیف و مریض بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوئے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے۔ عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم شہداء اور انبیاء کو صفر ہوگا۔

حدیث سے حیات النبی کا اثبات اور اسکی نوعیت

(۱) احادیث صحیحہ متواترہ سے حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہے عربی میں امام بیہقی اور علامہ سیوطی وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولینا صفدر صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسالے موجود ہیں۔ علامہ سیوطی کتاب الحاوی للفتاوی (ج ۲ ص ۱۴۷) پر کہتے ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار۔ ترجمہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی حیات ہمارے نزدیک علم قطعی کے طور پر معلوم ہے جس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث متواترہ کو پہنچ چکی ہیں۔

اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبی کا قول لکھا ہے۔

الی غیر ذلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملائکۃ فانہم موجودون احیاء ولا یراھم احد من نوعنا الا من خصہ اللہ بکرامۃ من اولیائہ۔ ترجمہ۔ اس قسم کی روایات سے یہ بات قطعی طور پر حاصل ہوتی ہے کہ موت انبیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہیں کہ ہم ان کو پاتے نہیں اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں ان کا حال فرشتوں کا سا ہے کہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں انسانوں میں سے کوئی انکو نہیں دیکھ سکتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اپنے کرم سے خاص کر لیا ہو اولیاء میں سے۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۴۱۸) والاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علیہ ای عذاب القبر اکثر من ان تحصی بحیث تواتر القدر المشترک وان کان کل

واحد منها من قبیل الآحاد ۔ اور اس کے بعد احادیث درج ہیں۔

ترجمہ:۔ اور احادیث صحیحہ اس بات پر کہ عذاب قبر ہوتا ہے اتنی زیادہ ہیں کہ انکا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ان میں عذاب قبر کا ہونا مشترک ہے اگر چہ ان میں سے ہر ایک از قبیل خبر واحد ہو۔

اور علامہ سیوطیؒ کی کتاب شرح الصدور فی شرح احوال الموتی والقبور (ص ۶۳ سے ص ۷۷) تک پچاس احادیث درج ہیں اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج کئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو احادیث نقل کرنیکی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف وقوت پر نظر کرنیکی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند و بالا حجت ہے اس لئے تواتر احادیث کے حوالے نقل کئے گئے نقل احادیث کی ضرورت نہیں۔

حیات النبی پر اجماع اہل حق ہے

(۱۰) اجماع اہل حق اسی پر ہے (الف) حاوی سیوطی ج ۲ ص ۱۳۹ پر شیخ الشافعیة الاستاذ ابو المنصور عبد القاهر کا قول لکھا ہے۔

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم حى بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته ويحزن بمعاصى العصاة منهم وانه تبلغه صلاة من يصلى عليه من امته.

ترجمہ:۔ ہمارے اصحاب میں سے متکلمین محققین نے فرمایا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور وہ اپنی امت کی طاعات سے خوش اور گناہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کو درود پہنچایا جاتا ہے جو انکی امت میں سے ان پر درود بھیجتا ہے۔

(ب) فقہ اکبر مصنفہ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول واعادة الروح الى العبد فى قبره حق وضغطة القبر حق و عذابه حق كائن للكفار كلهم اجمعين وبعض المسلمين.

ترجمہ:۔ اور روح کا بندے کی طرف اسکی قبر میں لوٹایا جانا حق ہے اور قبر کا دبانا حق ہے اسکا عذاب حق ہے جو سب کافروں کیلئے اور بعض مسلمانوں کیلئے ہے۔

کی شرح میں ص ۹۰ پر علی قاری کہتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالی یخلق فی المیت نوع حیوة فی القبر قدر مایتألم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انه هل یعاد الروح. اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح، وقیل یتصور الاتری ان النائم یخرج روحه ویکون روحه متصلا بجسده حتیٰ یتالم فی المنام ویتنعم، وقدروی عنه علیه الصلوٰة والسلام انه سئل کیف یوجع اللحم فی القبر ولم یکن فیه الروح، فقال علیه الصلوٰة والسلام کما یوجع بسنک ولیس فیه الروح.

ترجمہ۔ جان لو یہ بات کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں اس قسم کی حیات پیدا کرتا ہے کہ جس سے وہ تکلیف اور راحت محسوس کرتا ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا لوٹائی جاتی ہے روح تاکہ فرشتوں کا جواب فعل اختیاری بن جائے کیونکہ وہ بغیر روح کے متصور نہیں ہوتا اور بعض کا قول ہے کہ بغیر روح کے بھی جواب متصور ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سوئے ہوئے کی روح نکالی جاتی ہے پھر بھی روح کا اس کے جسم سے تعلق ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ نیند میں راحت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ قبر میں گوشت میں درد کیسے ہوگا جبکہ اس میں روح نہ ہوگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے اور اس میں روح نہیں ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح علیین و سجین میں رہتے ہوئے جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب بنتی ہے یہی تو حیات قبری ہے۔

اور اسی صفحہ کے آخر میں فرمایا ہے انعام و ایلام قبر کے باب میں ہے۔

واختلف فی انه بالروح او بالبدن اوبهما وهوا لا صح منهما الا اناانؤمن بصحته ولا نشتغل بکیفیته.

ترجمہ۔ انعام قبر اور عذاب قبر کے باب میں بیان فرماتے ہیں کہ اختلاف اس میں ہے کہ (عذاب و راحت) روح کو ہوگا یا بدن کو یا دونوں کو اور یہی صحیح ہے (کہ دونوں کو ہوگا) مگر یہ کہ ہم اس کے ہونے کا تو یقین کر سکتے ہیں البتہ کیفیت سے تعرض نہیں کرتے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۰ باب ماجاء فی عذاب قبر، جبکہ عذاب قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونے کی کہ جماد عذاب کا اہل نہیں ہے۔

واکتفی باثبات وجوده خلا فالمن نفاه مطلقا من الخوارج وبعض المعتزلة کضرار بن عمر و وبشیر المریسی ومن وافقهما وخالفهم فی ذالک اکثر المعتزلة و جمیع اهل السنة وغیر هم اکثرو من الاحتجاج له۔

ترجمہ:۔ اور اکتفاء کیا ہے (امام بخاری) نے اس کے (عذاب قبر کے) وجود کو ثابت کرنے پر بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسکی مطلق نفی کی ہے خوارج اور بعض معتزلہ میں سے جیسے کہ ضرار بن عمر اور بشیر المریسی اور وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں کی موافقت کی ہے۔ اور تمام اہل سنت اور اکثر معتزلہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس سلسلے میں بہت سارے دلائل لئے ہیں۔

اہل سنت والجماعت اور اکثر امت کا عذاب قبر پر اتفاق حیات پر اتفاق ہوا جن میں اکثر معتزلہ بھی آ گئے تو وہ بھی حیات قبر کے قائل ہیں۔

ایضا قوله (البخاری) و قوله تعالی "وحاق بال فرعون" الایۃ کے تحت، واستدلال بها علی ان الارواح باقیة بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة۔

ترجمہ:۔ اور امام بخاری کا قول ہے اللہ تعالی کے اس قول وحاق بآل فرعون سے دلیل پکڑی ہے اس بات پر کہ ارواح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور یہی اہل سنت کا قول ہے۔

ایضاً ص ۱۸۲ حدیث عائشہؓ "انک لا تسمع الموتی" کے تحت ہے۔

ترجمہ:۔ ایسے ہی ص ۱۸۲ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ" بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے" سے استدلال کیا ہے۔

وقد اخذ ابن جریر و جماعة من الکرامیة من هذه القصة ان السوال فی القبر یقع علی البدن فقط، ان الله یخلق فیه ادار کا بحیث

یسمع ویعلم ویلذ ویالم. وذهب ابن حزم و ابن هبیرة ان السوال یقع علی الروح فقط من غیر عود الی الجسد وخالفهم الجمهور فقالوا: تعاد الروح الی الجسد او بعضه کما ثبت فی الحدیث.

آگے ان کے شبہات کے جواب ہیں اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں سے عذاب والوں کا چلانا اور انس وجن کے علاوہ سب کا سننا وارد ہے جس سے عذاب قبر کا جسد ودنیا کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

ترجمہ: ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے اس قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ سوال قبر میں صرف بدن سے ہوگا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسا ادراک پیدا فرما دیں گے کہ جس سے وہ سنے گا جانے گا تکلیف یا راحت محسوس کرے گا ابن جریر اور ابن ہبیرہ اس طرف گئے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوگا اس کے جسم میں لوٹنے کے بغیر اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح جسم میں لوٹائی جائے گی یا اس کا بعض لوٹایا جائیگا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

(ز) عمدۃ القاری للعینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۴۵ پر جوتوں کی آواز سننے پر جوتیوں کی آواز کے بعد ہے۔

فیہ اثبات عذاب القبر وھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ وانکر ذالک ضرار بن عمرو بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلۃ.

ترجمہ: اس میں عذاب قبر کا اثبات ہے اور یہی مذہب ہے اہل السنت والجماعت کا اور ضرار بن عمرو اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

(و) شرح العقیدہ بشرح حال لمولی واقم البیوطی ص ۲۰۷

ومحنۃ الروح البدن جمیعا باتفاق اھل السنۃ وکذ القول فی النعیم.

ترجمہ: باتفاق اہل سنت امتحان روح اور بدن دونوں کا ہے ہیں اور ایسا قول ہے نعیم میں۔

(ؤ) شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷

المقصد الحادی عشر احیا الموتی فی قبورھم ومسئلۃ منکر و نکیر لھم و عذاب القبر للکافر و الفاسق کلھا حق عندنا واتفق

علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثر بعده ای بعد الخلاف و ظهوره وانکره مطلقا ضرار بن عمرو بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلة.

ترجمہ:۔ گیارہواں مقصد ہے اس بیان میں کہ مردے اپنے قبروں میں زندہ ہیں منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر کا فرو فاسق کیلئے ہمارے نزدیک سب حق ہے سلف امت اس مسئلہ میں اختلاف کے ظہور سے پہلے متفق تھے اور اکثر ان میں سے اختلاف کے ظہور کے بعد بھی متفق ہیں اور ضرار بن عمرو اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے۔

(ز) حاشیہ چلپی اس تحریر پر ہے۔

اتفق اهل الحق علی ان الله تعالی یعید الی المیت فی القبر نوع حیات قدر ما یتالم ویلتذ.

ترجمہ:۔ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کیلئے اتنی حیات لوٹاتے ہیں جس سے وہ تکلیف و راحت محسوس کرے۔

(ح) فقہ اکبر ص ۹۹ وفی المسئلة خلاف المعتزلة و بعض الرافضة.

ترجمہ:۔ اور اس مسئلہ میں معتزلہ اور بعض شیعہ کا اختلاف ہے۔

(ط) شامی ج ۲ ص ۷۷۳ فیہ عیدین قال اهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق الی ان قال فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتالم الروح والجسد وان کان خارجا عنه.

ترجمہ:۔ شامی ج ۲ ص ۷۷۳ میں باب عیدین سے نقل ہے اہل سنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے (اس قول تک) پس عذاب دیا جاتا ہے گوشت کو روح کے ساتھ اور روح کو جسم کے ساتھ پس تکلیف محسوس کرتی ہے روح بھی جسم بھی اگرچہ روح جسم سے باہر ہوتی ہے۔

(ی) احسن الفتاویٰ ص ۷۴۱۔۳ حضرت شیخ عبدالحق جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔

"حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را درے خلافے نیست حیات انبیاء حقیقی نہ حیات معنوی روحانی"۔

ترجمہ۔ حیات انبیاء متفق علیہ ہے اس مسئلہ میں کسی کا خلاف نہیں ہے انبیاء کی حیات حقیقی ہے نہ کہ معنوی وروحانی۔

اور حیات القلوب میں فرماتے ہیں:

بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام و ثبوت این صفت مر ایشان را و ترتب آثار و احکام آن ہیچ کس را از علماء خلاف نیست۔

ترجمہ۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات اور اس صفت پر انکے ثبوت اور اس پر آثار واحکام کے مرتب ہونے میں علماء میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (طحطاوی ص ۴۴۷) میں ہے:

ومما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق

لمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین.

ترجمہ۔ اور جو بات محققین کے نزدیک طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے پس آپ متمتع ہوتے ہیں تمام لذتوں سے اور عبادات سے سوائے اس کے کہ آپ پردہ فرمائے ہیں قاصرین کی نگاہوں سے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ طبع جدید ج ۳ ص ۲۳۸

قال ابن حجر و ما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیوۃ بھا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملائکۃ امر لا مریۃ فیہ.

ترجمہ۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء کے بارے میں جو بات کھل آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں کہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں کھانے پینے سے ایسے ہی مستغنی ہیں جیسے فرشتے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

لہٰذا انکار حیات قبری کسی بھی فرد بشر کیلئے معتزلہ اور روافض وخوارج کا قول ہے اہل حق کا قول نہیں ہے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات۔ اس کا انکار کتنا خطرناک ہے غور کیا جائے!!!

قیاس سے حیات النبی کا اثبات

(۱۱) چونکہ حدیث شریف میں ہے وجعلت قرة عینی فی الصلوة اگر حیات نہ ہوگی صلوۃ نہ ہو سکے گی قرۃ العین سے محرومی ہوگی یا ایک عذاب بن جائیگا کہ عذاب ازالہ عذوبہ حیات ہی ہوتا ہے العیاذ باللہ اس لئے قیاس بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

رفع تعارض

(۱۲) غلط فہمی یا شبہ اسلئے ہی پیش آ سکتا ہے کہ بعض احادیث و تفاسیر میں بعض سے تعارض معلوم ہوتا ہے اسلئے جمع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) مشکوۃ کی حدیث اکتبوا کتابه فی علیین واعیدوه الی الارض کے تحت علی قاری نے مرقاۃ جدید ج ۴ ص ۲۵ میں لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ ان کی تقدیر علیین میں لکھو پھر ان کو زمین کی طرف پھیر دو۔

قال العسقلانی فی فتاواه : ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة الدنیا بل اشبه شئی به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا یجمع بینما ورد ان مقرها فی علیین والسجین و بین مانقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند افنیة قبورها قال ومع ذالک فهی ماذون لها فی التصرف وتاوی الی محلها من علیین او سجین، قال واذا نقل المیت من قبر الی قبر فالاتصال المذکور مستمر وکذالو تفرقت الاجزاء.

ترجمہ:۔ عسقلانی نے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ مومنین کی ارواح علیین اور کفار کی ارواح سجین میں ہوتی ہے اور ہر روح کا اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے وہ اتصال دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں ہوتا بلکہ وہ سونے والے کے تعلق سے بھی شدید ہوتا ہے اس طرح ان دونوں باتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ جو روایت میں آیا ہے کہ روح کا مستقر تو علیین اور سجین ہے اور یہ بات کہ جس کو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ وہ جسم اپنی

قبروں میں ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود اس روح کو اجازت تصرف ہوتی ہے اور وہ درد محسوس کرتی ہے اپنے کل علیین اور سجین میں رہتے ہوئے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی میت ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جائے تو یہ اتصال مذکورہ وہاں بھی مستمر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اجزاء متفرق بھی ہو جائیں تب بھی اتصال رہتا ہے۔

(ب) کلام شمس الحق ابن حجر اس مسئلہ پر ایک اختلاف نقل کر کے جواب دے رہے ہیں۔

واجاب الاول بان الروح ماخرجت منه حقيقة ولكن ضعفت تدبيرها لتعلقها بعالمها العلوى فقط بدليل سوال منكر و نكير و عذابها في القبر ونعيمها و احساس الميت بذالك وهنا اسرار يعرفها اهل الله لا تسطر في كتاب فان الكتاب يقع في يد اهله و غير اهله.

ترجمہ۔ پہلا جواب یہ ہے کہ روح جسم سے حقیقۃً نکلی نہیں ہے بلکہ اس کی تدبیر کمزور پڑ جاتی ہے اس کا تعلق عالم علوی سے تو ختم ہو چکا جیسے اس کی دلیل منکر نکیر کا سوال ہونا اسکو قبر میں عذاب و انعام کا ہونا اور میت کا اس کو محسوس کرتا ہے اور اس میں بہت سے اسرار ہیں جنکو اہل اللہ پہچانتے ہیں لیکن اس کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ کتاب تو اہل و نااہل کے ہاتھ پڑتی ہے۔
یعنی علیین و سجین میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر اختیاری رہتا ہے مگر دنیوی تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغولی میں ہے اور نوم سے قوی ہے روح حقیقت میں خارج نہیں ہوتی توجہ دوسری طرف ہو جاتی ہے جہاں روح کا تعلق ہے وہاں روح توجہ کرتی ہے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۲

والحامل للقائلين بان السوال يقع على الروح فقط ان الميت قد يشاهد في قبره حال المسئلة لا اثر فيه من اقعاد و غيره ولا ضيق قبره ولا سعة و كذالك غير المقبور كالمصلوب، وجوابهم ان ذالك غير ممتنع في القدرة بل له نظير في العادة وهو النائم فانه يجد لذة والما لا يدرك جليسه بل اليقظان قد يدرك الما ولذة لما يسمعه او يفكر فيه ولا يدرك ذالك جليسه وانما

انی الغلط من قیاس الغائب علی الشاهد، واحوال مابعد الموت علی ما قبله والظاهر ان الله تعالی صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذالک وستره عنهم ابقاء علیهم. لئلا یتدافنوا ولیست للجوارح الدنیویة قدرة علی ادراک امور الملکوت الامن شاء الله وقد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله "انه یسمع خفق نعالهم" وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق وقوله یضرب بین اذنیه وقوله فیقعد انه وکل ذالک من صفات الاجساد۔

ترجمہ:۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہے کہ سوال صرف روح سے ہوگا کہتے ہیں کہ کبھی ہم قبر میں میت کا مشاہدہ اس حال میں کرتے ہیں کہ اس پر قبر میں بٹھائے جانے اور قبر کے کشادہ و تنگ ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ ہیں جن کو قبر میں دفن نہیں کیا جاتا جیسے پھانسی پر لٹکایا جانے والا شخص۔

انکی اس بات کا جواب یہ ہے کہ غیر ممتنع القدرت نہیں ہے بلکہ انکی نظیر عادۃ موجود ہے اور وہ سونے والا ہے کہ کبھی کبھی وہ لذت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص محسوس نہیں کرتا بلکہ بیدار آدمی بھی کبھی لذت و راحت محسوس کرتا ہے جب وہ اسکو سنتا ہے یا اسکے بارے میں سوچتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص اسکا ادراک بھی نہیں کرتا بلکہ یہ قیاس شاہد پر کرنا ہی غلط ہے اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا قبل موت کے واقعات پر قیاس غلط ہے۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی نظروں اور کانوں کو اسکے مشاہدہ سے باز رکھا یہ معاملہ ان سے پوشیدہ رکھا ہے کہ کہیں وہ اپنے مردوں کو دفن ہی نہ کریں۔

اور دنیوی اعضاء جوارح کو عالم ملکوت کے معاملات دیکھنے کی قدرت ہی نہیں ہے سوائے انکے جن کو اللہ چاہے۔ اور احادیث سے وہ بات ثابت ہو چکی ہے جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے کہ میت جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنتا ہے اور ان کا یہ قول کہ قبر کے ملنے سے اسکی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ان کا یہ قول کہ وہ سنتا ہے جب مارا جاتا ہے اس کو کوڑا۔

اور یہ قول کہ دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور اسکا یہ قول کہ وہ بیٹھتا ہے اور یہ

سب کی سب جسم کی صفات ہیں۔

(د) عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالیؒ نے جو تحقیق فرمائی ہے وہ غور اور یقین کرنے کے قابل ہے۔

وارباب القلوب والبصائر يشاهدون بنور البصيرة هذه المهلكات، وانشعاب فروعها، ان مقدار عددها لا يوقف عليه الا بنور النبوة فامثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم تنكشف له دقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التصديق والتسليم.

اسکو غور سے پڑھا جائے اور دیکھا کہ انکار کا کیا درجہ ہے۔

ترجمہ۔ اہل دل اور اہل بصیرت اپنی نور بصیرت سے اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مہلکات قبر کی بہت سی اقسام اور شعبے ہیں کہ جن کی تعداد اور مقدار سے انسان واقف نہیں ہو سکتا سوائے نور نبوت کے پس اس قسم کی خبریں کہ ان کا ظاہر صحیح ہوتا ہے اور اسرار چھپے ہوتے ہیں لیکن وہ اسرار صاحب بصیرت لوگوں کیلئے واضح ہوتے ہیں پس جس پر وہ دقائق منکشف نہ ہوں تو اس کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ان کے ظواہر کا انکار کرے بلکہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ان کی تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا ہے۔

حل اشکالات

(۱۴) جو شبہ اور اس کا حل امام غزالیؒ نے جو احیاء العلوم میں دیا ہے عبارت مذکورہ کے بعد ہے ترجمہ یہ ہے:

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک مدت تک قبر میں دیکھتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی دیکھ نہیں پاتے تو مشاہدہ کیخلاف کیسے تصدیق کر لی جائے تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق میں ہمارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اسلم طریقہ بھی ہے کہ تم اسی کی تصدیق کر لو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں لیکن تم دیکھتے ہیں ہو تو یہ آنکھ عالم ملکوت کے دیکھنے کے

دیکھ پانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اور امور آخرت سب امور ملکوت ہی ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہؓ جبریل کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آئے تھے حالانکہ انکو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے تھے۔ تو اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی تمہارے لئے بڑا اہم کام ہے (یعنی اپنا ایمان درست کر لو) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ جنکا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جانوروں کے مشابہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ بچھو بھی جو قبر میں ڈستے ہیں وہ ہمارے عالم کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جسکو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو۔ وہ سوتے میں دیکھتا ہے کہ سانپ اسکو ڈس رہا ہے وہ اسکی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ نیند میں چلاتا ہے اور اسکی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے۔ مگر تم اسکو سکون میں دیکھتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتے ہو لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈسنے میں ہوتی تو کوئی فرق نہیں ہوگا کہ اس کا تخیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)

(۳) تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے پھر زہر خود بھی اذیت نہیں دیتا بلکہ تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے۔ تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی ہی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوائے اسکے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادۃً اس کو پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹنے کی اذیت ہے سبب کا ثمرہ تو حاصل ہوگا گو صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے جسکے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب"

فقط

غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں آتیں نہ بیان کی جا سکتی ہیں مگر سب ان کے معتقد ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہیں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی چاہیے۔

منکر حیات النبی کا حکم

(۱۴) ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کو درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے تو اس کیلئے ہم سب کے دینی جد امجد حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سا فرق ہے یہاں سوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق مشتبہ ہے اور وہاں ہر کسی کے متعلق سوال ہے اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ

عزیز الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۹۳

سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند و زائران خود را می شناسد و سلام و کلام ایشان را می شنود یا نے؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی میماند درایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند. امادر شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر متواتر ثابت است و تفصیل آن دفتر طویل می خواهد. در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور که تصنیف شیخ جلال الدین سیوطیؒ است و دیگر کتب حدیث باید دید. در کتب کلامیه اثبات عذاب القبر می مانند حتی که بعض اهل کلام منکر آن را کافر میدانند. و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور صحیح نتواند شد. و نیز در احادیث صحیحه مشهوره در باب زیارت قبور و سلام بر موتی و همکلامی باآنها که "انتم لنا سلف و نحن بالاثر وانا ان شاء الله بکم لاحقون" ثابت است. و در بخاری و مسلم موجود است که آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم باشہداء بئر خطاب فرمودند۔
"هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا" مردم عرض کردند
"یا رسول اللہ اتتكلم من اجساد ليس فيها روح" فرمودند "ماانتم
باسمع منهم ولكنهم لا يجيبون" در قرآن مجید ثابت است "لاتقولوا
لمن يقتل فى سبيل الله اموات بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين
بما آتاهم الله من فضله" بلکه از احوال پس آیندگان خودهم
خوشی و بشارت ثابت است "ويستبشرون بالذين لم يلحقوا
بهم من خلفهم الاخوف عليهم ولا هم يحزنون"
بالجمله انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نه باشد دارالحاد
بودن او شبه نیست۔
واما قواعد فلسفیه پس بقائی روحانی بعد از مفارقت و بقاء
شعور و ادراک و لذت روحانی مجمع علیه فلاسفه است الا
جالینوس، ولهذا او را در فلاسفه نشمرده اند۔ پس ظاهر است
که بدن دائما در تحلل است و روح در شعور و ادراک دائما
در ترقی است پس مفارقت بدن در سلب ادراک و شعور او
چه قسم تاثیر تواند کرد۔
سوال: اگر ادراک و شعور میماند بقدر حیات میماند یا زیاده
وکم میشود؟
جواب: ادراک و شعور اهل قبور بعد موت در بعض امور
زیاده می شود و در بعضے کم آنچه تعلق باامور غیب دارد
ادراک آنها زیاده است وآنچه تعلق در امور دنیویه باشد
ادراک آنها کم، سببش آنست که التفات و توجه ایشان در
امور غیبیه زیاده است۔ و در امور دینویه کم۔ باین جهت
تفاوت واقع می شود والا اصل ادراک و شعور یکسان است
بلکه اگر تامل کرده شود در دنیا نیز توجه والتفات بزیادتی و
کمی در شعور و ادراک واقع می شود چنانچه دقائق علمیه را
وکلائے دربار کم می فهمند ولذائذ طعام و محاسن نساء و
کیفیات نعمات و اوتار را امیرزاده ها خوب ادراک میکنند۔

وعلماء وفضلاء در ادراک آن چیز ها بسیار قاصر اند. ایں همه سبب قلت توجه والتفات دانند و کثرت آن.

ترجمہ سوال:۔ انسان کا مرنے کے بعد ادراک وشعور باقی رہتا ہے اپنی قبر پر آنے والوں کو پہچانتا ہے ان کا سلام وکلام سنتا ہے یا نہیں؟

ترجمہ جواب: انسان کا ادراک وشعور باقی رہتا ہے اس بات پر شریعت اور قواعد فلسفیہ میں اجماع ہے پس باعتبار شریعت تو عذاب قبر اور قبر کی لذتوں کا پانا اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جسکی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور جو کہ شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے میں اور دوسری کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے علم کلام کی کتابوں میں عذاب قبر کا ثبوت دیکھا جا سکتا ہے حتی کہ بعض اہل کلام نے اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے اور عذاب وراحت بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہو سکتے۔

نیز مشہور احادیث میں زیارت قبور کے باب میں مردوں کو سلام کرنا اور ان سے ہمکلام ہونے کا ذکر یوں ثابت ہے " انتم لنا سلف و نحن بالاثر وانا انشاء الله بکم لاحقون " آپ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں اور ہم آپکے نقش قدم پر آرہے ہیں اور جلد ہی انشاء اللہ آپ سے مل جائیں گے اور بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء بدر سے یوں خطاب فرمایا:

"کیا تم نے اللہ کے وعدے کو سچ پالیا" لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روح نہیں" فرمایا "تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے"

قرآن پاک میں ثابت ہے" جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے انکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں انکو انکے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے خوش ہوتے ہیں اس پر جو ان کو اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔"

بلکہ اپنے پسماندگان کے احوال کے علم پر بھی انکی خوشی وبشارت ثابت ہے (قرآن میں ہے) "اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس

حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ (ان شواہدات کی روشنی میں) بالجملہ اگر اموات کے ادراک وشعور کا انکار کفر نہ بھی ہو تو اس کے الحاد ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

اور قواعد فلسفیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد اسکا باقی رہنا اور شعور وادراک ولذت روحانی کا باقی رہنا یہ فلاسفہ کا متفق علیہ موقف ہے سوائے جالینوس کے اور اسی وجہ سے اسکو فلاسفہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ پس یہ بات ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور روح کے شعور ادراک میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے پس روح کے جسم سے جدا ہونے کی صورت میں اس کے ادراک وشعور کے سلب ہونے کو ہم کس قسم میں شمار کریں گے۔

ترجمہ سوال: اگر ادراک وشعور باقی رہتا ہے تو کیا حیات تک باقی رہتا ہے یا کم وبیش؟

ترجمہ جواب: اہل قبور کا ادراک وشعور مرنے کے بعد بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض میں کم۔ جن امور کا تعلق غیب سے ہوتا ہے ان میں ادراک زیادہ ہوتا ہے اور جن امور کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے ان میں ادراک کم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا التفات اور توجہ امور غیبیہ کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور امور دینویہ کی طرف کم۔ اس اعتبار سے فرق ہو جاتا ہے۔ مگر اصل کے اعتبار سے ادراک وشعور میں دونوں یکساں ہیں۔ اگر غور کرو تو دنیا میں بھی توجہ کی کمی زیادتی سے ادراک وشعور میں کم زیادتی ہوتی ہے چنانچہ علمی نکات اور دریاری موشگافیوں کو کم لوگ سمجھ پاتے ہیں اور کھانوں کے ذائقوں عورتوں کی عشوہ طرازیاں اور گانوں کی کیفیات وغیرہ کو امراء خوب محسوس کرتے ہیں اور علماء وفضلاء عموماً ان چیزوں کے ادراک سے قاصر ہیں یہ سب فرق اصل میں توجہ اور التفات کی کم بیشی سے ہی تو ہوتا ہے۔	فقط: خلیل احمد تھانوی

منکر حیات النبی کی امامت کا حکم

اوپر آیت واحادیث متواتر واجماع اہل حق وقبول عقل سلیم کے دلائل کے بعد شاہ صاحب کا فتوی فیصلہ کن ہے۔

آیات کا انکار احادیث متواترہ کا انکار، اجماع کا انکار، یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی

رہنا مشکل تھا۔ مگر بات یہ ہے قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو سکے انکار کو کفر نہیں کہا جا سکتا چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد عربیت پر صحیح بن جاتی ہیں گو دوسری آیات احادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو۔

والحد و دتندرء بالشبهات۔ (شبہ پیدا ہونے سے حد ساقط ہو جاتی ہے)

اس لئے شاہ صاحبؒ نے فرمادیا ہے۔

"اگر کفر نہ باشد" (اگر کفر نہ ہو)

چونکہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کے خلاف ہے باطل فرقوں معتزلہ خارجیہ اور رافضیہ کا ہے اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائیگا۔ اور نماز کی امامت کا قاعدہ کے تحت آ جائیگا جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملتی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے اسکی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور جس کو ان دونوں سے یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح مل سکنے سے معذوری ہو اس کیلئے مکروہ تنزیہی ہوگی۔ کہ تنہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں بہ تفصیل احادیث

"من وقر فاسقا اور من وقر بدعیا" (الحدیث)

"اور صلوا خلف کل بر وفاجر" حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے (جیسے کہ شامی نے کیا ہے جو توقیر کرے فاسق کی اور توقیر کرے بدعتی کی، اور نماز پڑھو ہر نیک وفاجر کے پیچھے والی احادیث سے استدلال کر کے مسئلہ کی وضاحت کی ہے)۔ واللہ اعلم

(۱۵) چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل السنت والجماعت کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی۔ کچھ عقلی و نقلی دلائل بھی پیش کئے تھے بزرگان ملت نے ان کو نقل کر کے انکا باطل ہونا ظاہر و ثابت کیا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ اہل السنت و الجماعت سے معتزلہ وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے اسلئے سردست پیش نہیں کی گئیں۔

وما علینا الا البلاغ

وضاحت

برادر محترم جناب مولانا خلیل احمد تھانوی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کا گرامی نامہ ملا آپ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی عبارت پر جو سوال تحریر کیا اس کا جواب حضرت والد صاحب مدظلہم نے تحریر فرما دیا ہے وہ اس کی توضیح کے طور پر ضمیمہ میں تحریر فرما دیں احقر نے بھی ایک تحریر لکھی ہے اگر مناسب ہو اسکو بھی شامل کرلیں۔

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی

۲۳ ذوالحجہ ۱۳۱۹ھ

ضمیمہ نمبرا

از حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم

شرح مواقف ج ۸ص ۳۱۸ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک موت قبر میں جان سے پہلے ہوتی ہے پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے مگر یہ زندگی فی الجملہ بقدر مایتالم و یتلذذ ہوتی ہے حیات مطلقہ اور کامل حیات نہیں ہوتی، مگر سوال نکیرین کے وقت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے بعد کمزور اور ضعیف کر دی جاتی ہے جس سے تعذیب و تنعیم متصور ہو سکے اس تضعیف حیات کو ہی اماتت سے تعبیر کر دیا گیا ہے، مگر یہ اماتت من کل الوجوہ نہیں ہوتی فی الجملہ ہی ہوتی ہے تعذیب و تنعیم کا احساس باقی رہتا ہے اس قدر حیات باقی رہتی ہے جس سے یہ احساس ہو سکے، اس کے بعد حشر میں حیات مطلقہ دی جاتی ہے۔

شرح مواقف کی عبارت میں ثم الاحیاء فی القبر ثم الاماتة فیه ایضا بعد مسئلہ منکر و نکیر حیات و موت فی الجملہ مراد ہے کامل حیات و موت مراد نہیں ہے البتہ سوال نکیرین کے وقت کچھ زیادہ حیات دی جاتی جس کے بعد کم کر دی جاتی ہے۔ اسکو اماتت و احیاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں اس موت بعد السوال کو نوم سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ "نم کنومة العروس" وارد ہوا ہے۔

اب امید ہے کہ تنعیم و تعذیب فی القبر پر اشکال وارد نہ ہوگا۔ کہ سوال نکیرین کے بعد جب موت واقع کر دی گئی تو تنعیم و تعذیب کے وارد ہونے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ حیات کے بغیر تو تنعیم و تعذیب غیر متصور ہے۔ واللہ اعلم

حاصل یہ ہے کہ موت و حیات کلی مشکک ہے اسکا حسب موقع اطلاق کہیں ضعیف اور کہیں قوی ہوتا ہے سب جگہ یکساں نہیں ہوتا کلی متواطی نہیں ہے۔

فقط

هذا ما عندی و العلم عند الله العلیم الخبیر

عبدہ المذنب السید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ ۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ضمیمہ نمبر۲

از مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی

نمبر ۳ کی عبارت سے مقصود صرف حیات فی القبر کا اثبات ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے منکر ہیں اور یہ مقصود قرآن کریم کی آیت قالوا ربنا امتنا اثنتين و احييتنا اثنتين الآية کی مذکورہ تفسیر اور شرح مواقف کی درج شدہ عبارت سے واضح طور پر ثابت ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بھی اس آیت مبارکہ اور شرح مواقف کی عبارۃ مذکورہ سے اسی استدلال فرمایا ہے جیسا کہ حضرت کی عبارت لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے، سے معلوم ہوتا ہے۔ اب رہا یہ کہ اس سے حیات فی القبر کا اثبات کیسے ہوتا ہے تو اس کی تقدیر خود حضرت کی عبارت میں صراحتہ موجود ہے جو تقریباً شرح مواقف کی عربی عبارت کا حاصل ترجمہ ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت قرآن قالوا ربنا الآية کی تفسیر اور جو تقریر شرح مواقف میں کی گئی ہے اس میں جو دو حیات اور دو موت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دو موت اور حیات ہیں جو حقیقی ہوں اور برزخ قبر میں قائم و تلذذ کیلئے میت کو جو حیات حاصل ہوگی وہ من وجہ حیات ہے جو دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس آیت میں اصالتہ اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اثبات اس تقریر کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے اس کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شئی، کو یقیناً مستلزم نہیں پھر جبکہ دلائل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو اس کا انکار ہرگز صحیح نہیں۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ بقدر ما یتالم و یتلذذ میت کو جو حیات قبر میں دی جاتی ہے وہ اس تقریر کے خلاف نہیں ہے۔

فحينئذ لا تعارض ولا اشكال والله اعلم بحقيقة المقال

احقر سید عبد القدوس ترمذی

چہل حدیث
متعلقہ فضائل
درود شریف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

(۱) جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں اور جس پر فرشتے درود بھیجیں اس پر خدائے کریم درود بھیجتا ہے اور جس پر خدائے کریم درود بھیجے تو اس پر تو دنیا کی ہر چیز درود بھیجتی ہے۔

(۲) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نگران فرشتوں (کراماً کاتبین) کو حکم فرما دیتے ہیں کہ تین دن تک اس شخص کا کوئی گناہ (صغیرہ) نہ لکھو۔

(۳) جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درود سے ایک فرشتہ پیدا فرما دیتے ہیں جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں اور اس کی گردن اور اس کا سر عرش کے نیچے ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے خدا تو بھی اپنے بندے پر رحمت نازل فرما جب تک وہ تیرے نبی پر درود بھیج رہا ہے۔"

(۴) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور جو دس بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر سو بار درود بھیجتا ہے اور جو سو بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر ہزار بار درود بھیجتا ہے اور جو ہزار بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اسکو دوزخ میں عذاب نہ دے گا۔

(۵) جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حق میں دس نیکیاں لکھتے ہیں اس کی دس برائیاں مٹا دیتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کرتے ہیں۔

(۶) فرمایا کہ۔ ایک دن (حضرت) جبریل میرے پاس آئے اور بولے کہ اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے پاس ایک ایسا مژدہ لے کر آیا ہوں جو آپ سے پہلے کسی کے پاس بھی نہیں لایا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر تین بار درود پڑھے گا تو اگر وہ کھڑا ہوگا تو بیٹھنے سے پہلے اس کی مغفرت ہو جائے گی اس وقت (آپ یہ سن کر) اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔"

(۷) فرمایا کہ۔" جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس بار درود بھیجے گا تو اس کے چالیس سال کے (صغیرہ) گناہ مٹا دیے جائیں گے۔"

(۸) فرمایا کہ۔" جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ (صغیرہ) معاف فرما دیں گے۔"

(۹) فرمایا کہ۔" جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن مجھ پر سو بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرماتا ہے اور اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے کہ وہ جس وقت قبر میں دفن کیا جائے تو وہ فرشتہ اس شخص کو جنت کی خوشخبری سنا دے جس طرح تم لوگ اپنے کسی (باہر سے آنے والے) بھائی کے لئے تحفہ لے کر جاتے ہو۔"

(۱۰) فرمایا کہ۔" جو شخص مجھ پر ایک دن میں سو بار درود بھیجتا ہے تو اس دن اس کی سو ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔"

(۱۱) فرمایا کہ۔" مجھ سے زیادہ قریب تم میں سے وہ شخص ہے جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہے۔"

(۱۲) فرمایا کہ۔" جو شخص مجھ پر ہزار مرتبہ درود پڑھے گا اسے مرنے سے پہلے ہی جنت کی خوشخبری دے دی جائے گی۔"

(۱۳) فرمایا کہ۔" (حضرت) جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بولے یا رسول اللہ جب بھی کوئی شخص آپ پر درود شریف بھیجتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔"

(۱۴) فرمایا کہ۔" وہ دعا جو میرے درود کے بعد ہو وہ نامقبول نہیں ہوتی ہے۔" (یعنی

ضرور قبول کرلی جاتی ہے)

(۱۵) فرمایا کہ:۔ ''مجھ پر درود بھیجنا پل صراط کے لئے نور روشنی ہے وہ شخص دوزخ میں نہ داخل ہوگا جو مجھ پر درود بھیجتا ہے۔''

(۱۶) فرمایا کہ:۔ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجنا اپنی عبادت مقرر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا وآخرت کی ضرورت پوری فرمادے گا۔''

(۱۷) فرمایا کہ:۔ ''جو شخص مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو جنت کا راستہ بھٹک جائے گا۔''

(۱۸) فرمایا کہ:۔ ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہوا میں ہیں جن کے ہاتھوں میں نورانی کاغذ ہیں (وہ فرشتے) مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر درود کے سوا اور کچھ نہیں لکھتے۔''

(۱۹) فرمایا کہ:۔ ''اگر کوئی بندہ قیامت میں ساری دنیا والوں کی برابر نیکیاں لے کر آئے مگر اس میں مجھ پر درود نہ ہو تو وہ ساری نیکیاں مردود ہو جائیں گی مانی نہ جائیں گی۔''

(۲۰) فرمایا کہ:۔ ''میرا سب سے زیادہ دوست وہ ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے۔''

(۲۱) فرمایا کہ:۔ ''جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود استعمال کیا تو فرشتے اس پر برابر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام کتاب میں لکھا رہے گا۔''

(۲۲) فرمایا کہ:۔ ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے (گماشتے) زمین میں گشت لگاتے رہتے ہیں جو مجھ کو میری امت کا درود پہنچاتے ہیں تو میں ان کے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔''

(۲۳) فرمایا کہ:۔ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجے گا میں روز قیامت اسکا شفیع اور سفارشی ہوں گا اور جو مجھ پر درود نہ بھیجے گا تو اس سے بے تعلق ہوں۔''

(۲۴) فرمایا کہ:۔ ''قیامت میں ایک جماعت کے لئے جنت کا حکم ہوگا وہ لوگ راستہ بھٹک جائیں گے (حضرات صحابہ کرامؓ) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے (دنیا میں) میرا نام سنا اور مجھ پر درود نہیں بھیجا۔''

(۲۵) فرمایا کہ:۔ ''ایک شخص کے حق میں دوزخ کا حکم کیا جائے گا تو میں کہوں گا اسے میزان (ترازوئے حشر) کی طرف لوٹا لاؤ تب میں ایک چیز جو (بہت چھوٹی) چیونٹی جیسی میرے پاس ہوگی اس کے لئے ترازو میں رکھوں گا اور وہ چیز مجھ پر درود ہوگی پھر تو اس کی

ترازو جھک جائے گی اور اعلان کر دیا جائے گا کہ فلاں شخص خوش قسمت ہو گیا۔"

(۲۶) فرمایا کہ:۔"جس محفل میں بھی لوگ جب بھی اکٹھے ہوئے ہوں اور مجھ پر درود پڑھے بغیر متفرق و منتشر ہو گئے ہوں تو یہ لوگ ان لوگوں کی طرح ہیں جو کسی میت کے پاس سے متفرق ہو گئے ہوں اور اسے غسل نہ دیا گیا ہو (جس طرح میت کے لئے غسل ضروری ہے اسی طرح ہر محفل میں درود پڑھنا بھی ضروری ہے) اور نہ وہ محفل اس میت کی مانند ہو گی جسے غسل نہ دیا گیا ہو۔"

(۲۷) فرمایا کہ:۔"اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اور اسے تمام مخلوق کے نام دے دیئے ہیں تو اب قیامت تک جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ مجھے اس کے نام کے ساتھ پہنچائے گا اور وہ کہے گا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلانی کے بیٹے فلاں شخص نے آپ پر درود بھیجا ہے۔"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

(۲۸) فرمایا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجنا گناہ کو اتنا زیادہ مٹاتا ہے کہ تحقیق کی روشنائی کو پانی بھی اتنا نہیں مٹاتا ہے۔"

فرمایا کہ:۔"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہو جاؤں جتنا کلام زبان سے اور روح بدن سے قریب ہے تو پھر تم نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔"

(۲۹-۳۰) فرمایا کہ:۔"ایک فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے ایک شہر کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا حکم دیا جس پر اللہ تعالیٰ کو غضب آ گیا تھا مگر اس فرشتہ کو کچھ رحم آ گیا اور اس نے تعمیل حکم (شہر کو اکھیڑ پھینکنے میں جلدی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کو اس فرشتہ پر بھی غصہ آ گیا اور اس کے بازو توڑ دیئے۔ حضرت جبرئیلؑ اس کے پاس سے گذرے تو اس نے اپنی تکلیف بیان کی جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا تو ...... اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے چنانچہ اس فرشتے نے درود بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی برکت سے اس کے بازو واپس کر دیئے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:۔

(۳۱) فرمایا"جس شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود پڑھا اور دو رکعت نماز

پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کی نماز قبول کر لی جائے گی اس کی ضرورت پوری کی جائے گی اور اس کی دعا رد نہیں کی جائے گی۔"

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر درود بھیجنے کے متعلق سوال کیا تو:

(۳۲) آپ نے فرمایا کہ " مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں خوب کوشش کرو اور (یوں) کہو "اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد"

(مطلب یہ ہے کہ درود شریف میں آپ کے نام نامی کے ساتھ آل واصحاب کو بھی شامل کر لیا جائے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(۳۳) فرمایا کہ " مجھ پر درود بھیجتے رہا کرو کیونکہ تمہارا مجھ پر درود بھیجنا تمہارے حق میں زکوٰۃ ہے (اس سے تمہارے ایمان واسلام کی صفائی ہوتی رہے گی) اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرتے رہا کرو" جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(۳۴) فرمایا کہ " اس شخص کی نماز نہیں (کامل) جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا ہو۔"

(۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر بھی وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

(۳۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جس شخص نے درود بھیجنے کی صورت میں یوں کہہ دیا کہ "جزی اللہ عنا محمداً خیراً یا جزی اللہ نبینا محمداً بما هو اهله۔"

(اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے یا اللہ تعالیٰ ہمارے

نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جزا دے جو ان کی شایانِ شان ہو) تو اس شخص نے اپنے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو تھکا دیا وہ اس مختصری دعا کی تفصیل لکھتے لکھتے تھک جائیں گے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(۳۷) فرمایا کہ:۔ "اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو (جس طرح قبر میں رہنے والے عبادت نہیں کرتے اسی طرح تم بھی اپنے گھروں میں بھی) مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تم کو چاہئے جہاں بھی رہو۔ تمہارے درود مجھ تک پہنچتے رہیں۔"

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ "جب بھی کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھے لوٹا دیتے ہیں تا کہ اس کے درود کا جواب دوں (روح لوٹانے کا مطلب علماء نے یہ بتایا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ حق میں مشغول رہتے ہیں اور درود کی خبر پا کر درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

(۳۹) فرمایا کہ:۔ "روز قیامت تم میں سے وہ شخص میرے زیادہ قریب ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا رہا ہوگا۔"

(۴۰) فرمایا کہ:۔ "جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں سامنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو تو اس کو چاہئے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے کیونکہ وہ شخص روزانہ پانچ سو مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا تو کبھی تنگدست نہ ہوگا اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اس کی تمام غلطیاں معاف کر دی جائیں گی اور ہمیشہ خوش خرم رہے گا۔ اس کی دعا قبول ہوگی اس کی تمنائیں پوری ہوں گی دشمن کے خلاف اس کی مدد کی جائے گی اور وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو جنت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔"

(گوہر مقصود - از: حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہ العالی)

مفتی شہزاد گروہ مہر

مسئلہ

توسل بافضل الرسل

علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی کتاب "وفاء الوفاء" میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے توسل حاصل کرنے کے متعلق ایک بحث نظر آئی جس میں اصل مسئلہ کے دلائل کے ساتھ ساتھ حکایات واقعات بھی پیش کئے گئے ہیں مناسب معلوم ہوا کہ مختصراً اس کو بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔

جس طرح یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کی تمام مخلوقات میں اعلیٰ واکمل اور سب سے بہتر و برتر ہیں جیسا کہ علامہ جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور جیسا کہ حضرت مولانا قاسمؒ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں   امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور جس طرح حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان جملہ کمالات میں کمال کا پہلو بھی اسی بنا پر آتا ہے کہ وہ آپ کی ذات والا صفات سے متعلق ہو گئے کیونکہ ہم جب یہ مانتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات ہی باعث تخلیق عالم اور آپ کا نور ہی اول موجودات ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ نے جن جن صفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف فرمانا چاہا ہوگا انہیں صفات میں کمال و حسن کا پہلو بھی رکھا ہوگا جیسا کہ امتیازی حضرت اسعد رام پوری فرماتے ہیں ۔

رسالت کو شرف ہے ذات قدسی سے تعلق ہے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم الانبیاء تم ہو

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نہ صرف یہ کہ منبع کمالات و مجمع صفات ہے بلکہ آپ کی ذات شریف معیار کمالات بھی ہے جو صفت کمال آپ میں موجود نہ ہو درحقیقت وہ کمال ہی نہیں ۔

اس تمہید کے بعد اب مسئلہ توسل میں مدعیہ حدیث کی تمام بحث کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل حاصل کرنے کی چار صورتیں ہیں :۔

(۱) آپ کی تخلیق عنصری سے پہلے آپ کا توسل ۔
(۲) آپ کی ولادت ظاہری و عنصری کے بعد آپ کا توسل ۔
(۳) آپ کی وفات عنصری و ظاہری کے بعد آپ کا توسل ۔
(۴) عالم حشر اور قیامت میں آپ کی شفاعت و توسل ۔

مختلف احادیث سے ان سب کا ثبوت ملتا ہے پہلی صورت کے لئے وہ مشہور روایت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنے قصور کی معافی کے لئے آپ کا توسل چاہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے اپنی پیدائش کے بعد جب سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر کلمہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔

پوری روایت طبرانی و حاکم نے نقل کی ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے ۔

دوسری صورت کے لئے بھی طبرانی کی وہ مشہور روایت ہے جس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جس میں آپ کے توسل سے حاجت (یعنی بینائی) طلب کی گئی ہے اور وہ پوری ہوگئی ہے ۔ (طبرانی عن عثمان بن حنیف)

تیسری صورت کے لئے بھی انہیں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک شخص کو وہی دعا تعلیم

فرمائی ہے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی) اور اس شخص کی حاجت بھی اس توسل کی برکت سے پوری ہوگئی ہے۔ (طبرانی معجم کبیر) وہ دعا یہ ہے۔

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد (یا رسول اللہ) انی اتوجہ بک الی ربک ان تقضی حاجتی

چوتھی صورت میں یعنی قیامت میں توسل کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت تو ایسی ہے جس پر اجماع ہو چکا ہے۔ (محتاج اثبات نہیں ہے)

علامہ سمہودیؒ کی بحث توسل کا خلاصہ ختم ہوا۔

انہیں دلائل کی روشنی میں ہمارے اکابر توسل کے جواز بلکہ اس کے مفید ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ تعلیم الدین میں ہے کہ "بزرگوں کے توسل سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

توسل کے سلسلہ میں چند حکایات

اس بحث کے بعد علامہ سمہودی نے شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان کی کتاب "مصباح الظلام" سے چند حکایات نقل فرمائی ہیں:

حکایت نمبر (۱):۔ حضرت محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد صاحب کے پاس اسی دینار (اشرفی) بطور امانت رکھے اور یہ اجازت دے دی کہ اگر تمہیں کسی وقت ضرورت ہو تو خرچ کر سکتے ہو وہ شخص تو اپنی امانت رکھ کر جہاد پر باہر چلا گیا اور یہاں کچھ ہی دنوں بعد ان کے حالات کچھ تنگ ہو گئے مجبوراً انہوں نے وہ روپے (اشرفیاں) خرچ کر دیئے۔ ایک روز وہ شخص میرے والد صاحب کے پاس آ پہنچا اور ان سے اپنی اشرفیاں طلب کیں۔ والد صاحب نے کہا کہ میرے پاس کل آنا۔ وہ چلا گیا اب جب رات ہوئی تو والد صاحب کبھی مزار مبارک کی پناہ لیتے اور کبھی آپ کے منبر شریف کی پناہ لیتے یہاں تک کہ صبح آ ہونے والی حالت میں صبح ہونے کو ہی تھی کہ اندھیرے میں کوئی شخص آیا اور بولا اے محمد یہ لو۔ چنانچہ میرے والد صاحب نے جو ہاتھ بڑھایا تو ایک تھیلی ہاتھ میں آئی جس میں اسی اشرفیاں تھیں۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور وہ شخص آیا تو انہوں نے وہ اشرفیاں اس کو دے دیں۔

حکایت نمبر (۲) ۔ حضرت ابو الخیر اقطعؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ علی صاحبہا التحیۃ والتسلیم میں داخل ہوا اور اس وقت میں فاقے سے تھا اسی حالت میں میں پانچ دن تک وہاں مقیم رہا ایک لقمہ بھی میرے منہ میں نہیں گیا ایک روز مرقد شریف کے سامنے حاضر ہوا اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام پیش کیا اور میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا مہمان ہوں۔" (یہ کہہ کر) میں وہاں سے ہٹ گیا اور مزار شریف کے عقب میں سو گیا، خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کی داہنی جانب، حضرت عمر فاروقؓ بائیں جانب اور حضرت علیؓ آپ کے سامنے تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھے جگایا اور کہا حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں، میں اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا تو آپ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی جس کا آدھا حصہ میں کھا گیا۔ اس کے بعد میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں آدھی روٹی موجود ہے۔

حکایت نمبر (۳) :۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن ابی زرعہ الصوفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (ابو زرعہ) اور ابی عبداللہ بن خفیف کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا راستے میں ہمیں سخت قسم کے فاقہ کا سامنا کرنا پڑا اسی حالت میں ہم مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے اور وہاں اسی طرح بھوکے لیٹ رہے میں اس وقت سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا لہٰذا میں بار بار اپنے والد کے پاس جاتا (بھوک سے پریشان تھا) اور کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ آخر میرے والد صاحب مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آج کی رات آپ کا مہمان ہوں اور وہ یہ کہہ کر گردن جھکا کر مراقبہ میں بیٹھ گئے تھوڑی دیر میں اپنا سر اوپر اٹھا لیا اور کبھی رونا کبھی ہنسنا شروع کر دیا ان سے وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے میرے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیئے ہیں بیدار ہونے کے بعد جو انہوں نے ہاتھ کھولا تو اس میں چند درہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز تک واپس لوٹ آئے جب بھی ہم ان ہی میں سے خرچ کرتے رہے۔

حکایت نمبر (۴) ۔ شریف ابو محمد عبدالسلام بن عبدالرحمن الحسینی الفاسیؒ کہتے ہیں کہ

میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین دن مقیم رہا ان دنوں میں نے کسی سے کھانا نہیں مانگا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب آیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور میں نے کہا اے نانا جان میں بھوکا ہوں اور آپ سے ثرید کی آرزو کرتا ہوں پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں سو گیا ابھی میں سو ہی رہا تھا کہ ایک دم سے کوئی شخص مجھے جگانے لگا میں اٹھ بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کے ساتھ کاٹھ کا ایک پیالہ ہے جس میں ثرید ہے اور خوب گھی اور گوشت ہے اس آدمی نے مجھ سے کہا کھاؤ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئی وہ بولا میرے چھوٹے بچے ہیں وہ تین دن سے اس کھانے کی فرمائش اور خواہش کر رہے ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ میرے لئے کچھ پیسوں کا بندوبست فرمایا تو میں نے یہ کھانا تیار کیا اور سو گیا تو خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تمہارا ایک بھائی اس کھانے کی مجھ سے خواہش کر رہا ہے اسے کھلا دو۔

حکایت نمبر (۵):۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سند کیساتھ مجھ سے نقل کیا ہے کہ ثابت بن احمد بغدادی کہتے ہیں کہ انہوں نے مدینہ شریف میں ایک شخص کو دیکھا کہ فجر کی اذان قبر شریف کے پاس کہی اور اس میں **الصلوۃ خیر من النوم** کہا تو مسجد کے خادموں میں سے ایک خادم اس کے پاس آیا اور ایک تھپڑ رسید کر دیا وہ شخص رونے لگا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو اس خادم کو فالج پڑ گیا اور لاد کر گھر پہنچایا گیا۔ پھر تین دن بعد انتقال بھی ہو گیا۔ **اللھم نعوذبک من غضبک وغضب رسولک وثناء لک رحمتک وشفاعۃ نبیک نبی الرحمۃ علیہ صلوتک وسلامک۔**

حکایت نمبر (۶):۔ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک ثقہ شخص نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا جس کا نام وہ بھول گے وہ شخص کہتے ہیں کہ میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اس وقت میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہ تھی چنانچہ میں بھوک سے بیحد کمزور ہو گیا تو میں حجرہ شریف کے قریب آیا اور میں نے عرض کیا۔

''یا سید الاولین والآخرین میں مصر کا باشندہ ایک انسان ہوں جناب کے پڑوس میں

مجھے پانچ مہینے ہوئے ہیں اور میں بیحد کمزور ہو گیا ہوں میں نے اپنے دل میں یہی کہا ہے کہ میں سوال تو اللہ اور اس کے رسول ہی سے کروں گا کہ میرے بس میں کسی ایسے شخص کو کر دے جو مجھے شکم سیر کر دے۔ (خوب پیٹ بھر کھلا دے) یا مجھے میرے گھر تک پہنچا دے۔" یہ کہنے کے بعد حجرہ شریف کے قریب میں نے خوب دعائیں مانگیں اور پھر منبر کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں ایک شخص حجرہ شریف میں داخل ہوا اور کھڑے ہو کر کچھ بات کرتا رہا اور کہتا رہا نانا جان، نانا جان پھر وہ میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کھڑے ہو میں کھڑا ہو کر اس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے لے کر باب جبریل سے نکلا اور بقیع سے آگے بڑھ کر ایک خیمہ میں پہنچا جس میں ایک لڑکی تھی اور ایک لڑکا ان دونوں سے کہا اٹھو اپنے مہمان کے لئے کھانا پکاؤ، لڑکے نے لکڑی جمع کر کے آگ جلائی اور لڑکی نے موٹی روٹی پکائی اور مجھے وہ باتوں میں لگائے رہا یہاں تک کہ وہ لڑکی روٹی لے کر آ گئی اور عمدہ کھجور بھی لے آئی۔ اب اس نے مجھ سے کہا کھاؤ میں تھوڑا کھا کر رک گیا تو اس نے کہا اور کھاؤ میں نے اسے بتایا کہ میں نے کئی مہینوں سے گیہوں نہیں کھایا تھا تو اس نے بقیہ بچا ہوا سب کھانا اور دو صاع کھجور توشہ دان میں رکھ دیا اور مجھ سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے میں نے اپنا نام بتایا تو کہنے لگا تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آئندہ تم میرے نانا سے شکایت نہ کرنا انہیں یہ بات بہت گراں گذرتی ہے اور اس وقت سے جب بھی تمہیں بھوک لگے گی تمہاری خوراک تم کو پہنچ جایا کرے گی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تمہارے جانے کی کوئی سبیل نکال دے۔ پھر اس نے اس لڑکے سے کہا انہیں لیجاؤ اور میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف تک پہنچا کر آؤ اب میں اس لڑکے کے ساتھ چل کر بقیع تک پہنچا تو میں نے اس سے کہا تم لوٹ جاؤ اب تو میں پہنچ ہی گیا اس نے کہا اے جناب اللہ جانتا ہے میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک آپ کو حجرہ شریف تک نہ پہنچا دوں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے آقا کو اس کی خبر فرما دیں۔

چنانچہ اس نے مجھے حجرہ تک پہنچا دیا اور الوداع کہہ کر رخصت ہوا۔ اب میں وہاں ٹھہرا رہا اور چار دن تک وہی کھانا کھاتا رہا جو اس نے مجھے دیا تھا۔ پھر جب مجھے بھوک لگی تو وہی

لڑکا میرے لئے کھانا لے آیا اسی طرح برابر جب مجھے بھوک لگتی تو وہ کھانا لاتا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے وہاں سے روانگی کی سبیل پیدا فرما دی۔

حکایت نمبر (۷)۔ ابو العباس بن نفیس المقری الضریر کہتے ہیں کہ میں مدینہ شریف میں تین دن بھوکا رہا پھر مزار شریف پر حاضر ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھوکا ہوں پھر میں سو گیا (کمزوری کی حالت میں) یہاں تک کہ کسی لڑکی نے مجھے پیر سے ہلایا تو میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا وہ بولی تیار ہو جاؤ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا تب اس نے میرے آگے روٹی اور کھجور، گھی لا کر رکھا اور کہا کھاؤ ابو العباس مجھے میرے نانا جان نے اس کا حکم فرمایا ہے اور تمہیں جب بھی بھوک لگے تم میرے پاس آ جانا۔

علامہ سمہودی نے اس حکایت کے بعد ابو سلیمان داؤد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے مواقع میں جس کو کسی کی میزبانی وغیرہ کا حکم فرماتے ہیں وہ آپ کی ذریات طیبات ہی میں سے ہوتا ہے۔ خاص کر جب کسی کو کوئی کھانا کھلانا منظور ہوتا ہے۔ کیونکہ شریف لوگوں سے جب کوئی کھانا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں اپنے ہی سے پہل کرتے ہیں لہٰذا آپ جو کہ سید الاشراف ہیں آپ کے حسن خلق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ کی ذریت ہی میزبانی کے فرائض انجام دے۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگان دین کے طفیل میں ہمیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کی سنت کا اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الامین۔

(گوہر مقصود۔ از حضرت مولانا عبد القدوس صاحب رومی مدظلہ العالی)

مفتی شہر آگرہ۔ ہند

نعتیہ کلام

بحضورِ سیدالمرسلین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ

لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ یہ "نعت" کہنے کے بعد ..... جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے ..... تو ان کا ارادہ یہ تھا ..... کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے ..... جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا ..... تو امیر مکہ کو خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں ..... امیر مکہ نے ممانعت کر دی ..... مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے ..... امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وہ آ رہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستے سے پکڑوا کر بلایا ..... ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا ..... اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا۔

اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ (نعتیہ اشعار یہ ہیں)

ز مہجوری برآمد جانِ عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ کے فراق سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔
اے رسول خدا! نگاہ کرم فرمائیے اے ختم المرسلین رحم فرمائیے

نہ آخر رحمۃ للعالمینی	ز محروماں چرا غافل نشینی

آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم محروم نصیبوں اور ناکام قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

زخاک اے لالۂ سیراب برخیز ‌‌ ‌‌ چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی اور سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خواب نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب ‌‌ ‌‌ خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

بروں آور سر از برد یمانی ‌‌ ‌‌ کہ روئے تست صبح زندگانی

اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔

شب اندوہ مارا روز گرداں ‌‌ ‌‌ ز رویت روز ما فیروز گرداں

ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروز مندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ ‌‌ ‌‌ بسر بر بند کافوری عمامہ

جسم اطہر پر حسب عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمایئے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمایئے۔

فرود آویز از سر گیسواں را ‌‌ ‌‌ فگن سایہ بپا سرو رواں را

اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تاکہ ان کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر و جسم انور کا سایہ نہ تھا لہٰذا گیسوئے مشکبوں کا سایہ ڈالئے)

ادیم طائفی نعلین پا کن ‌‌ ‌‌ شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

حسب دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے اور ان کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتہ جاں سے بنایئے۔

جہانے دیدہ کردہ فرش راہ اند ‌‌ ‌‌ چو فرش اقبال پابوس تو خواہند

تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش

زمین کس طرح آپ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

> ز حجرہ پائے در صحن حرم نہ — بفرق خاک رہ بوساں قدم نہ

حجرہ شریف یعنی گنبد خضراء سے باہر آ کر صحن حرم میں تشریف رکھئے۔ راہ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھئے۔

> بدہ دستی ز پا افتادگاں را — بکن دلداری دلدادگاں را

عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔

> اگرچہ غرق دریائے گناہیم — فتادہ خشک لب بر خاک راہیم

اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتاپا غرق ہیں لیکن آپ کی راہ مبارک پر تشنہ و خشک لب پڑے ہیں۔

> تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے — کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

آپ ابر رحمت ہیں شایان شان یہی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہ کرم بار ڈالی جائے۔

(اب اگلے اشعار کے ترجمہ سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کا تو خیال ہے کہ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ ان سے زیارت مقدسہ کا حال بیان فرماتے ہیں اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے تمنا فرماتے ہیں۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا رجحان دوسری طرف ہے اسی لئے یہ ترجمہ میں اس کی رعایت کی جائے گی)

> خوشا کز گرد رہ سویت رسیدیم — بدیدہ گرد از کویت کشیدیم

ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گرد راہ سے آپ کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچہ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم — خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

> بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم — چراغت را ز جاں پروانہ کردیم

مسجد نبوی میں دوگانہ شکر ادا کرتے۔۔۔ سجدہ شکر بجا لاتے۔۔۔۔۔ روضہ اقدس کی

شمع روشن کا اپنی جان حزیں کو پروانہ بناتے۔

گہے در روضہ ات گشتیم گستاخ | دلم چوں پنجرہ سوراخ سوراخ

آپ کے روضۂ اطہر اور گنبد خضراء کے اس حال میں مستانہ وار یا دیوانہ وار چکر لگاتے کہ دل صد پارۂ عشق اور جور شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا ہے۔

زدیم از اشک از چشم بے خواب | حریم آستان روضہ ات آب

حریم قدس اور روضۂ پر نور کے آستانۂ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے | گہے چیدیم زو خاشاک و خارے

کبھی صحن حرم میں جھاڑو دے کر گرد و غبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں سے خس و خاشاک کو دور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

ازاں نور سواد دیدہ دادیم | وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

گو گرد و غبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے مگر ہم اس سے مردمک چشم کے لئے سامان روشنی مہیا کرتے اور گو خس و خاشاک زخموں کے لئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحت دل کے لئے مرہم بناتے۔

بسوئے منبرت رہ بر گرفتیم | زچہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرے سے مل مل کر زریں و طلائی بناتے۔

زمحراب سجدہ کام جستیم | قدم گاہت بخون دیدہ شستیم

آپ کے مصلائے مبارک و محراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقت سجدہ میں کامیاب ہوتے اور مصلے میں جس جائے مقدس پہ

آپ کے قدم مبارک ہوتے تھے اس کو شوق کے اشک خونیں سے دھوتے۔

بپائے ہر ستوں قد راست کردیم ۔ مقابہ راستاں درخواست کردیم

آپ کی مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست دعا کرتے۔

زداغ آرزو بیت بادل خوش ۔ زدیم از دل بہر قندیل آتش

آپ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں ہیں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔

کنوں گرتن زخاک آں حریم است ۔ بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم است

اب اگرچہ میرا جسم اس حریم انور و شبستان اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔

بجو در ماندہ ام از نفس خود رائے ۔ ببیں درماندہ چندیں بجشائے

میں اپنے خود بین و خود رائے نفس امارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں ایسے عاجز و بیکس کی جانب التفات فرمایئے اور بخشش کی نظر ڈالئے۔

اگر نبود چو لطفت دستگیرے ۔ زدست ما نیاید ہیچ کارے

اگر آپ کے الطاف کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضو معطل و مفلوج ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پا سکے گا۔

قضای افگندہ از راہ مارا ۔ خدا را از خدا درخواہ مارا

ہماری بدبختی نے ہمیں صراط مستقیم و راہ خدا سے بھٹکا دیا ہے۔ خدا راہ ہمارے لئے خداوند قدوس سے دعا فرمایئے۔

کہ بخشد از یقیں اول حیاتے ۔ دہد آنگہ بکار دیں ثباتے

(یہ دعا فرمایئے) کہ خداوند قدوس اولاً ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان

بحضورِ ساقیٔ کوثر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ اللہ یا محمد تیرا نام اے ساقی
ان گنت تجھ پہ درود اور سلام اے ساقی

بعد اللہ کے ہے تیرا مقام اے ساقی
کس کی جرأت ہے کرے اس میں کلام اے ساقی

از ازل تا بہ ابد تیری ہی سرداری ہے
نبیٔ اکمل ہے تو، ہے سب کا امام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کی رحمت کا ہے سایہ ہر دم
کل جہاں پر تری رحمت ہے تمام اے ساقی

فرشیوں پہ تو عنایات کی کچھ حد ہی نہیں
عرشیوں پہ بھی ترا فیض ہے عام اے ساقی

واسطہ تجھ کو ابو بشیر کی تشنہ زندگی کا
ایک کوثر کا چھلکتا ہوا جام اے ساقی

آلِ اطہار کے صدقے میں جو عطا اک ساغر
اک پیالہ سے پئے اصحابِ کرام اے ساقی

خستہ جانوں سے کوئی پوچھے حلاوت اس کی
راحتِ جان و جگر ہے ترا نام اے ساقی

کبھی تنہائی میں محسوس کیا کرتا ہوں
صحنِ دل میں ترا آہستہ خرام اے ساقی

مہ جبیں لاکھ سہی شہرۂ آفاق مگر
ان کے حلقے میں ہے تو ماہِ تمام اے ساقی

نازنیں ایک سے اک بڑھ کے جہاں میں آئے
ہے تری ذات مگر منتخبِ تمام اے ساقی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہے خدا کا ارشاد
ہے افق تا بہ افق تیرا پیام اے ساقی

مٹنے والے ہیں سبھی نقش جہانداروں کے
نقش ہے تیرا فقط نقشِ دوام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا سلام
ہم غلاموں کی بھی جانب سے سلام اے ساقی

سوچتا ہوں غم سے دل عرض کروں یا نہ کروں
ان دنوں فکر سے ہے جینا حرام اے ساقی

خوار ہے عالمِ اسلام نصاریٰ کے تلے
آج امت کا دگرگوں ہے نظام اے ساقی

سراپائے اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب، اے تو عالی نسب، اے تو والا حسب
دودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں، سید الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا، اس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

سِدرۃ المنتہیٰ رہگزر میں تری، قابَ قوسین گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو ترے سَرمدی تاج کی، زُلفِ تاباں حَسیں رات معراج کی
"لَیلَۃُ القَدر" تیری مُنوّر جبیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

مُصطفےٰ مجتبےٰ، تیری مدح و ثنا، میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں، لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سراپا لکھوں، کوئی ہے! وہ کہ میں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شان جلی ہے بھلی، ہیں یہ صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہد عدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیسؔ انفسِ دو جہاں، سرورِ دلبراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

(۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء)

یہی بات کہنے کو جی چاہتا ہے
مدینے میں رہنے کو جی چاہتا ہے

زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

چو ہولِ روزِ رُستاخیز خیزد	بآتش آبروئے ما نریزد

جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔

کند با ایں ہمہ گمراہئ ما	ترا اذنِ شفاعت خواہئ ما

اور ہماری غلط روی اور صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لئے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔

چو چوگاں سر فگندہ آوری روئے	بمیدانِ شفاعت امتی گوئے

ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سرخمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔

بحسنِ اہتمامت کارِ جامی	طفیلِ دیگراں یابد تمامی

آپ کے حسن اہتمام اور سعی جمیل سے دوسرے مقبول بندگان خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم　　　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(اردو ترجمہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]

عطا قدموں میں ہو دائم حضوری ۔ یا رسول اللہ
ہے اب ناقابلِ برداشت دوری ۔ یا رسول اللہ

عنایت ہو اگر اک لمحہ ، اپنی خاص خلوت کا
مجھے اک عرض کرنی ہے ضروری ۔ یا رسول اللہ

اجازت ہو تو کچھ ہجراں ترے سے بھی بیاں کروں
ابھی ہے داستانِ غم ادھوری ۔ یا رسول اللہ

مری غایت تمنا ہے ، درِ اقدس کی دربانی
زہے عزت ، اگر ہو جائے پوری ۔ یا رسول اللہ

مدینے ہی میں آکر راحت و تسکین پاتی ہے
دلِ فرقت زدہ کی ناصبوری ۔ یا رسول اللہ

دمِ رخصت نفیس اشکوں سے ترسے ہے رحم فرماؤ
خدارا اک جھلک ہلکی سی نوری ۔ یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

[illegible]

نگہِ لطف غریبوں پہ خدارا ہو جائے
پھر سنور جائے یہ بگڑا ہوا کام اے ساقی

دل مرا ڈوب رہا ہے کہ تہی دامن ہوں
ہونے والی ہے اِدھر زیست کی شام اے ساقی

ایک اُمیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے جنت سی ہے کچھ گام بہ گام اے ساقی

لاج رکھنا کہ ترے رحم و کرم پہ ہے نفیسؔ
ہے ترے در کا غلام ابنِ غلام اے ساقی

○

(مدینۃ المنورۃ، ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء)

فخرِ بشر فخرِ رُسل اور حاملِ دینِ ہدیٰ
ہے مرکزِ مہر و وفا وہ نورِ محمد مصطفیٰ

محمد ﷺ موتی

دُنیا سیپ ۔ محمد موتی : صلی اللہ علیہ وسلم
اُس بن دنیا کیسی ہوتی ؟ صلی اللہ علیہ وسلم

مقصودِ کونین محمد ۔ مطلوب دارین محمد
اُس بن دنیا کیسے ہوتی ؟ صلی اللہ علیہ وسلم

گر نہ ہوتا آمنہ جایا ، خلقت کا غم کھانے والا
خلقت بیٹھی نیند نہ سوتی : صلی اللہ علیہ وسلم

زہرا کا دل غم کا مارا ، ہجر نبی میں پارہ پارہ
گم سم آنسو ہار پروتی : صلی اللہ علیہ وسلم

ساجن بن سکھ چین نہ آوے ، یاد اُس کی دن رین ستاوے
دل تڑپے ہے ۔ آنکھیں روتی : صلی اللہ علیہ وسلم

کاش مرے محبوب کی دھرتی ، مجھ پہ نظریں شفقت کرتی
اپنے اندر مجھ کو سموتی : صلی اللہ علیہ وسلم

یکم شعبان ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۲ء)

لاکھوں سلام

آمدارِ نبوت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

سیدُ الاولین سیدُ الآخرین
تاجدارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

فخرِ اولادِ آدم پہ اربوں دُرود
افتخارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

وہ براہیمی و ہاشمی خوش نسب
شاہوارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

وہ جب آئے جہاں میں بہار آگئی
نو بہارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

جلوہ گاہِ محمد وہ غارِ حرا
جلوہ زارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

جبرئیلِ امیں مرحبا مرحبا
رازدارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

نورِ پیکرِ رسالت پہ دائم دُرود
نوربارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

کعبۃ اللہ حسیں حسیں ہے نسیم
سایہ دارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

وہ جو فاران کی چوٹیوں سے اٹھا
شہسوارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

ہر نبی کی رسالت ہوئی معتبر
اعتبارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

جس پہ ختمِ نبوت کا دار و مدار
انحصارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

بڑھ کے حسنِ یوسف سے جس کا جمال
اُس نکوکارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

سدرۃ المنتہیٰ جس کی گردِ سفر
راہوارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

غار میں تو نزولِ خدا تک ہوا
گلزارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

کیا کہوں جو اُسے صحبت رہی
کوہسارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

وہ جو پائے مبارک کی زینت رہا
آبروئے مزارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

کوئی دیکھے رفاقت ابوبکرؓ کی
یارِ غارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ! فاروقؓ کا دبدبہ
ذی وقارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

پھر عثمانؓ رضوان کی بیعت ہوئی
جاں نثارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

مرتضیٰؓ باب شہرِ علومِ نبیؐ
شاہکارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

جس کے دو پھول پیارے حسنؓ اور حسینؓ
شاہسوارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

ہر صحابی نبیؐ پر تصدّق رہا
جاں سپارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

ساری اُمت پہ ہوں اُن کی رحمتیں
پاسدارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

جس کو فرما گئے چشم و دل نے نفیس
اُس دیارِ نسبت پہ لاکھوں سلام

○

۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ / ۲۰ جولائی ۱۹۹۲ء

سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی! محبوبِ کُل جہاں کو ، دل و جگر کا سلام پہنچے
نفس نفس کا درود پہنچے ، نظر نظر کا سلام پہنچے

بساطِ عالم کی وسعتوں سے ، جہانِ بالا کی رفعتوں سے
ملک ملک کا درود اترے ، بشر بشر کا سلام پہنچے

حضور کی شام شام مہکے ، حضور کی رات رات جاگے
ملائکہ کے حسین جلو میں ، سحر سحر کا سلام پہنچے

زبانِ فطرت ہے اس پہ ناطق ، بہ بارگاہِ نبیِ صادق
شجر شجر کا درود جائے ، حجر حجر کا سلام پہنچے

رسولِ رحمت کا بارِ احساں، تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسن کو بستی بستی، نگر نگر کا سلام پہنچے

مرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے ان کا سایہ
حضورِ خواجہ، مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے

یہ التجا ہے کہ روزِ محشر، گناہگاروں پہ بھی نظر ہو
شفیعِ امت کو ہم غریبوں کی چشمِ تر کا سلام پہنچے

نفیس کی بس دعا یہی ہے، فقیر کی اب صدا یہی ہے
سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عمر بھر کا سلام پہنچے

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

○

شبِ عاشورہ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ، [illegible] ۱۹۹۷ء

بیادگارِ اسلاف

گردن جھکی ہوئی [illegible]
دل نے کہا ہے [illegible]

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی ہو گئی رُت پلانے پینے کی
نہیں حسرت زیادہ جینے کی زندگی چاہیے قرینے کی
زندگی اس کی، موت اس کی ہے خاک ہو جائے جو مدینے کی
رات دن شغل بادہ خواری ہے رمضاں عید ہے مہینے کی
مئے فرنگ میں وہ بات کہاں لا مرے واسطے مدینے کی
ساقیا چھوڑ ساغر و مینا اب چلا دل کے آبگینے کی
ختم ہے سلسلہ نبوت کا مُہر ہے ہاشمی نگینے کی
جنت اقلیم سے ہے بیش بہا خاک تجھ سی اِک مدینے کی
جنت قلزم کے موتیوں سے گراں بوند اِک اِک ترے پسینے کی

نسبت اولاد مصطفیٰ ہے نفیس
لاج رکھ لے خدا کمینے کی

○

ربیع الاول ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء

لب پہ درود

لب پہ درود ، دل میں خیالِ رسولؐ ہے
اب میں ہوں اور کیفِ وصالِ رسولؐ ہے

دائم بہارِ گلشنِ آلِ رسولؐ ہے
سینچا گیا لہو سے جمالِ رسولؐ ہے

حسنِ حسنؓ کو دیکھ ، حسینؓ حسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسولؐ ہے

بوبکرؓ ہوں ، عمرؓ ہوں ، وہ عثماںؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسولؐ ہے

اسلام نے غلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مومنین ، بلالِؓ رسولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رسلؐ میرا تخت ہے
اور سر کا تاج خاکِ نعالِ رسولؐ ہے

جامِ جمؔ اس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسولؐ ہے

[شوال المکرم ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء]

رند تو رند ہیں زمزم کی خوشبو ہی پی کر
زاہدِ خشک بھی سرشار نظر آتے ہیں

خلق ناموسِ محمد پہ کٹانے والے
کچھ جو ہیں تو یہی احرار[1] نظر آتے ہیں

جذب کامل ہو تو ملتا ہے حضوری کا شرف
چشمِ ظاہر سے بھی سرکار نظر آتے ہیں

بخت بیدار مبارک ہو انھیں، جن کو نفیس
خواب میں سیدِ ابرار نظر آتے ہیں

○

یہ اشعار ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ (ستمبر ۱۹۸۳ء) میں چھٹے سفرِ حج کے دوران میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے کہے گئے۔

[1] احرار: تحفظ ختمِ نبوت کے لیے اپنی زندگیاں لٹانے والے مجلس احرارِ اسلام کے سرفروش جانباز کارکن۔ (مرتب)

خاص اپنے در کا رکھا تو نے اسے مولا مجھے
یوں نہیں در در پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا

میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پر نہیں تو نے بھلایا، میں تو اس قابل نہ تھا

میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
تو ہی مجھ کو رہ پہ لایا، میں تو اس قابل نہ تھا

عہد جو روزِ ازل مجھ سے کیا تھا یاد ہے
عہد وہ کس نے نبھایا، میں تو اس قابل نہ تھا

تیری رحمت، تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضرا کا سایا، میں تو اس قابل نہ تھا

میں نے جو دیکھا سو دیکھا جلوہ گاہِ قدس میں
اور جو پایا سو پایا، میں تو اس قابل نہ تھا

بارگاہ سیدِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آکر نفیس
سوچتا ہوں، کیسے آیا؟ میں تو اس قابل نہ تھا

(۲۰۰۳ھ / ۱۹۸۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوا علیہ و آلہ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ

کرے حضُور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ مجموعہ رسالہ نانوتوی

ماخوذ از فضائل درود شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

[illegible]

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی

انوارِ مدینہ

اظہر ہے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

روشن رہیں دائم درو دیوارِ مدینہ
تا حشر رہے گرمیٔ بازارِ مدینہ

ہے شہر نبی آج بھی فردوس بداماں
جاری ہے وہی موسمِ گلبارِ مدینہ

پھرتے ہیں تصور میں وہ پرکیف مناظر
تا حدِ نظر ہیں گل و گلزارِ مدینہ

جس قلب میں یارانِ نبی کی ہو عقیدت
کھلتے ہیں اسی قلب پہ اسرارِ مدینہ

معمور صحابہ کی محبت سے رہے گا
وہ سینہ کہ ہے مہبطِ انوارِ مدینہ

وہ آلِ محمد ہوں کہ اصحابِ محمد
ہیں زینتِ دربارِ دُربارِ مدینہ

نسبت نہیں شاہوں سے نفیس اہلِ نظر کو
کافی ہے انہیں نسبتِ سرکارِ مدینہ

○

ربیع الاول ۱۴۰۵ھ — [illegible] ۱۹۸۴ء

مَیں تو اِس قابل نہ تھا

۱۴۰۹ھ میں حج بیت اللہ شریف سے فراغت کے بعد کچھ
اشعار حرم پاک میں اور کچھ مدینہ میں ہوئے ——— نفیس

شکر ہے تیرا خدایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا
تُو نے اپنے گھر بُلایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا

اپنا دیوانہ بنایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا
گِرد کعبے کے پھرایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا

مُدتوں کی پیاس کو سیراب تُو نے کر دیا
جام زمزم کا پلایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا

ڈال دی ٹھنڈک مِرے سینے میں تُو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا

بھا گیا میری زباں کو ذکر اِلاَّ اللہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا، مَیں تو اِس قابل نہ تھا

گورے آتے ہیں، کالے آتے ہیں
سب یہاں بخت والے آتے ہیں

صبح صادق کی طرح سے اوڑھے
نوری نوری دوشالے آتے ہیں

یہ کفن پوش، پیکرِ تسلیم
گردنیں اپنی ڈالے آتے ہیں

اپنا سب کچھ نثار کرنے کو
مصطفیٰ ﷺ کے جیالے آتے ہیں

چھاؤنی بن گیا ہے صحنِ حرم
عاشقوں کے رسالے آتے ہیں

اپنے اپنے گھروں سے دیوانے
بےخودی کے نکالے آتے ہیں

در جاناں پہ چھوڑنے کے لیے
دل جلے لے کے چھالے آئے ہیں

اللہ اللہ! جمالِ محفلِ دوست
تیرگی میں اُجالے آئے ہیں

مالک الملک! اے رحیم و کریم
تیری شفقت کے پالے آئے ہیں

چشمِ نادم برس رہی ہے نفیسؔ
خشک ہونٹوں پہ نالے آئے ہیں

○

صحن حرم النبوی صلی اللہ علیہ وسلم
(ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ / ستمبر ۱۹۸۳ء)

بلغ العلیٰ بکمالہ — کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ — صلوا علیہ وآلہ

www.ahlehaq.org

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار

جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

کہاں وہ رتبہ کہاں عقل نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

چراغِ عقل ہے گل اُس کے نور کے آگے
زباں کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

[illegible]

تبرکات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا عصا مبارک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار
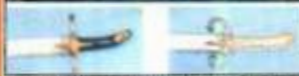
استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں نوادرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی داڑھی مبارک کا بال
اس صندوق میں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک ہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی مہر مبارک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا
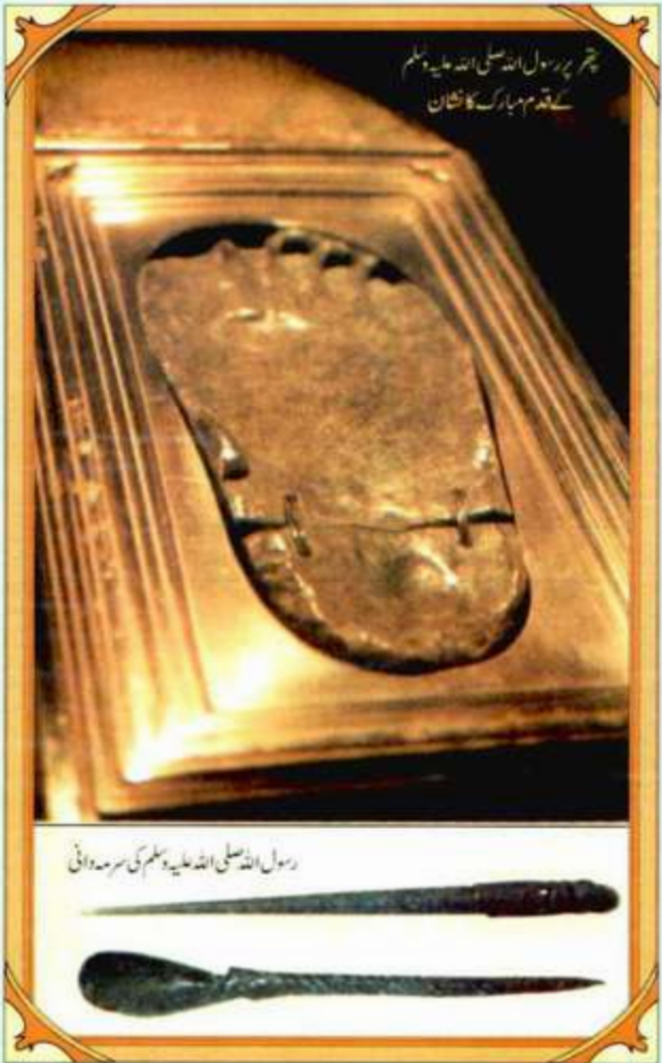
پتھر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی

مہر نبوت کی تحریر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نقشہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا دروازہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کا مزار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا مزار
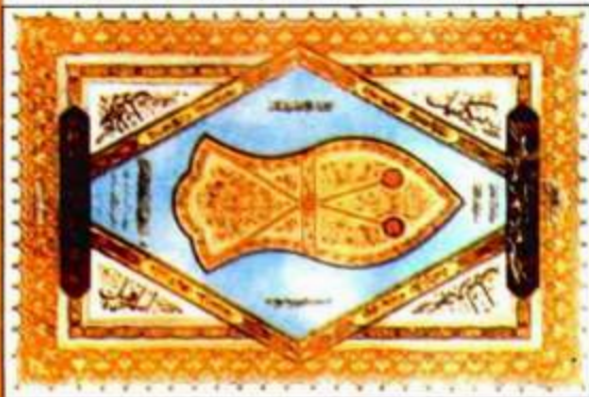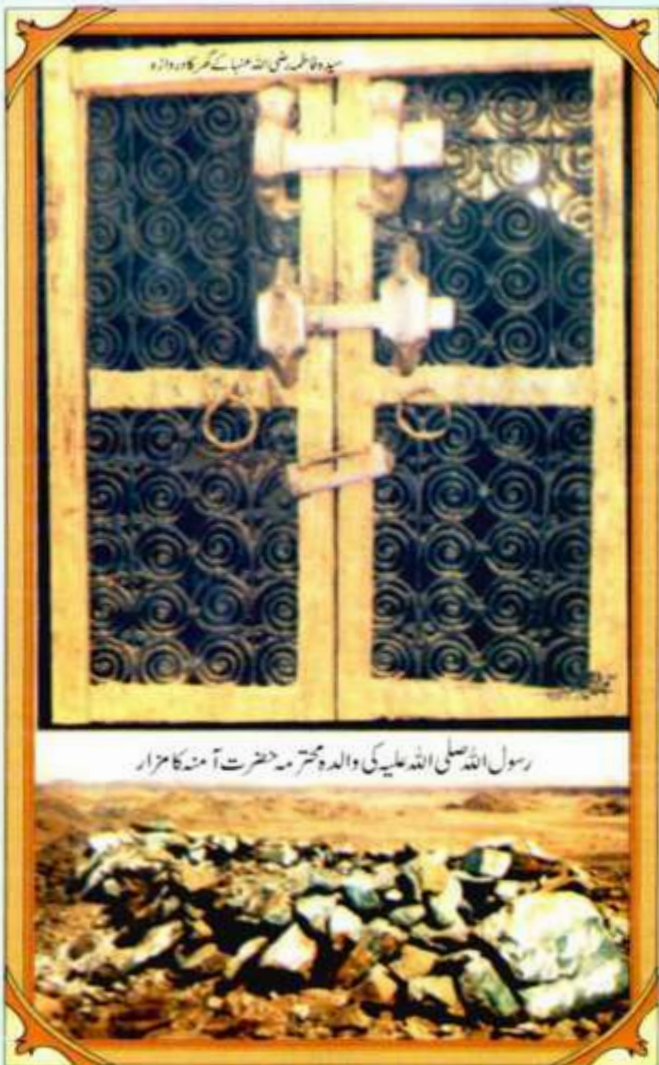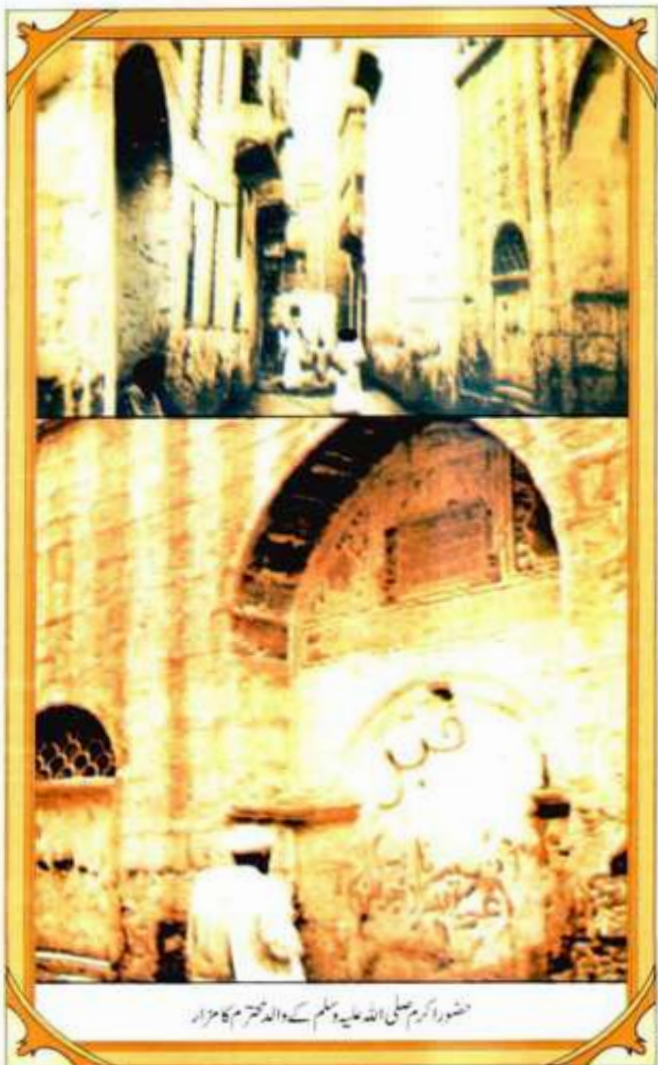
الخلیل میں مسجد ابراہیمی جہاں حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب اور ان کی بیویاں دفن ہیں

حکومت اردن نے حضرت شعیب کا شاندار مقبرہ اور متصل مسجد تعمیر کروائی

حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار جو موجودہ اردن میں ہے۔ دیواروں پر آیات قرآنی کی خطاطی کے خوبصورت نمونے ہیں

بیت لحم کے غار میں حضرت داؤد علیہ السلام کا مزار
جو بیت المقدس سے دس کیلومیٹر پر فلسطین کا بہت بڑا گاؤں ہے

دمشق میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار
عثمانؓ کا کنواں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے یہ کنواں
یہودی سے خرید کر مسلمانوں کو دے دیا

www.ahlehaq.org

بئر روحا: ایک روایت کے مطابق ستر انبیاء کرام نے اس کنویں کا پانی پیا ہے

مسجد المعرس وادی عقیق۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر سے واپسی پر رات قیام فرمایا

بئر مشیرب (بئر ایوب)

وادیٔ بطحان جو جنوب سے شمال کی طرف باغات اور کھیتوں سے گزرتی ہے۔ ایک حدیث مبارک
میں وادیٔ بطحان کو ترعۃ من ترع الجنۃ (جنت کی نہروں میں سے ایک نہر) فرمایا گیا ہے

مسجد التوبہ۔ مسجد النور۔ یہ مسجد ایک واقعے کے بعد مسجد النور بھی کہلاتی تھی۔ روایت میں ہے کہ حضرت
سعد ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشیر رضی اللہ عنہما ایک سیاہ رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہمراہ تھے پھر جب وہ آپ سے رخصت ہوئے تو ان کا عصا روشن ہو گیا اور تاریکی میں راستہ دکھاتا رہا

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور کے قرآن پاک کا اصلی نسخہ کا عکس (خط کوفی)
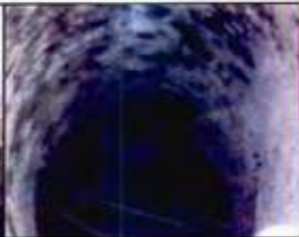
بئر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد
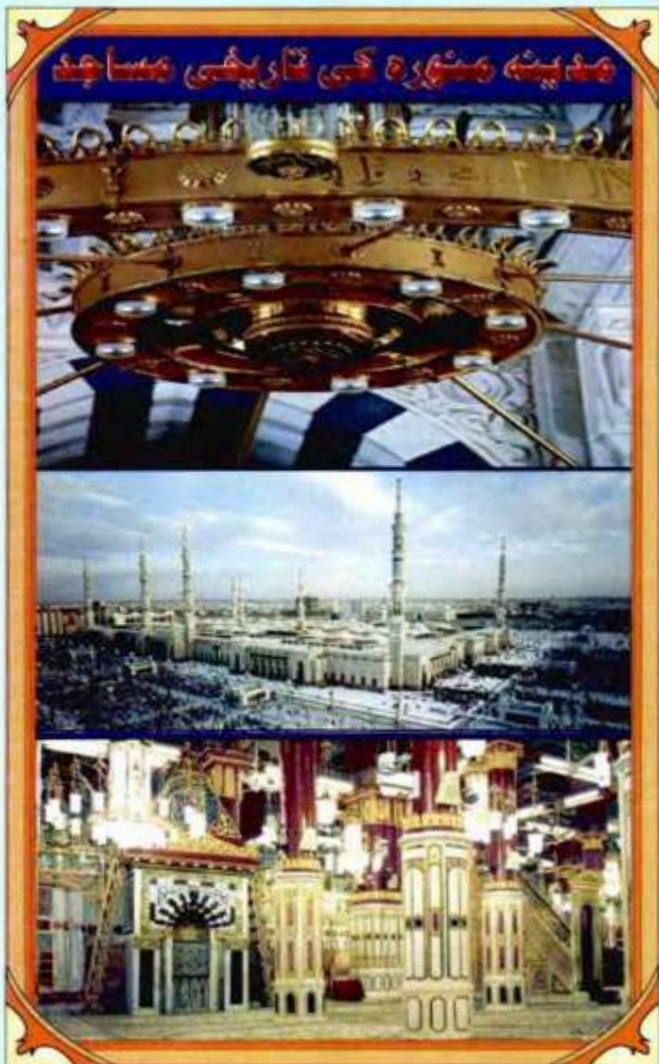
سید الشہداء حضرت حمزہ کے مزار کی قدیم تصویر

سید الشہداء حضرت حمزہ کے مزار مبارک
(حالیہ تعمیر) کا ایک منظر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مرقد مبارک